نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا، نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا
جنازہ میں فاتحہ معہ سورت پڑھنا نماز وتر میں عام دعا کی طرح
ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا اور مسئلہ رفع الیدین کے موضوعات پر

مناظرے ہی مناظرے

رشحات قلم

حضرت علامہ محمد عباس رضوی مدظلہ العالی
ریسرچ آفیسر محکمہ اوقاف دوبئی

تدوین وترتیب: خادم مناظر اسلام

قاری محمد ارشد مسعود اشرف چشتی

فیضان مدینہ پبلی کیشنز
جامع مسجد عمر روڈ کاموں کے ضلع گوجرانوالہ فون : 0435-814266

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا، نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا
جنازہ میں فاتحہ معہ سورت پڑھنا، نماز وتر میں عام دعا کی طرح
ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مسئلہ رفع الیدین کے موضوعات پر

مناظرے ہی مناظرے

رشحاتِ قلم :

مناظرِ اسلام محدثِ عصر حاضرہ
حضرت علامہ محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی
ریسرچ آفیسر محکمہ اوقاف دوبئی

تدوین وترتیب : خادم مناظر اسلام
قاری محمد ارشد مسعود اشرف چشتی

ناشر
فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموکے
ضلع گوجرانوالہ فون : 0435-814266

نام کتاب ....مناظرے ہی مناظرے

رشحاتِ قلم .... مناظر اسلام محدث عصر حاضرہ

.... حضرت علامہ محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی

ترتیب وتدوین .... خادم مناظرِ اسلام

.... قاری محمد ارشد مسعود اشرف چشتی

باھتمام .... محمد نعیم اللہ خاں قادری بی ایس سی

.... بی ایڈ۔ ایم اے، اردو، پنجابی، تاریخ

صفحات ۴۰۰

تاریخ اشاعت ....اپریل 2003ء

تعداد باراوّل....................... ۱۰۰۰

ناشر ....فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز

.... جامع مسجد عمر روڈ کاموںکے

ملنے کے پتے :

۞ مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ ۞ مکتبہ رضائے مصطفٰے گوجرانوالہ

۞ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۞ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور

۞ مکتبہ جمال کرم لاہور ۞ شبیر برادرز لاہور ۞ عطار اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ

۞ غوثیہ کتب خانہ اردو بازار گوجرانوالہ ۞ فرید بک سٹال لاہور ۞ سنی کتب خانہ لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

بنام

استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول، مصنف کتب کثیرہ، محقق اہلِ سنّت

حضرت علامہ مولانا

مفتی پیر محمد رضاء المُصطفیٰ اظریف القادری صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ بریلی شریف

ع .... گر قبول افتد زہے عز و شرف

خادم مناظرِ اسلام

قاری محمد ارشد مسعود چشتی

خطیب جامع مسجد نُور صدیق اکبر ٹاؤن گوجرانوالہ

فون : 740010

6 - 4 - 2003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حمد و ستائش کے لائق وہ ذات برحق ہے۔ جس نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نبوت کا تاج پہنا کر مبعوث فرمایا اور کتاب و حکمت سے سرفراز کیا اور درود و سلام ہو اس حبیب پروردگار پر جنہوں نے اپنی **"وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی"** کی زبان اقدس سے ارشاد فرمایا۔ **"العالم امین اللّٰہ فی الارض"** (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۴۔ برقم ۲۸۶۷۱)

بعض فروعی مسائل ہمیشہ علماء امت کے مابین موضوع بحث رہے ہیں۔ لیکن ان فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود انہوں نے نہ تو ایک دوسرے کی تکفیر کی اور نہ ہی امت کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے دیا بلاشبہ یہ اختلاف علم کی ترقی اور تحقیق کا موجب بنا اور امت کیلئے رحمت ثابت ہوا جیسا کہ نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **"اختلاف امتی رحمة"** (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۶۔ برقم ۲۸۶۸۶) مگر بعض لوگوں نے زمانہ قریب سے ان مسائل کو عوام الناس کے سامنے کچھ اس انداز سے بیان کرنا شروع کیا اور عوامی سطح پر انہیں اس انداز سے موضوع سخن بنایا کہ علماء تو درکنار عام امت مسلمہ پر بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف اور بدعتی ہونے کے فتوے صادر کئے اور ان مسائل کو یہاں تک ہوا دی کہ حاملان کتاب وسنت سے عوام الناس کو متنفر کرنے کیلئے یہاں تک کہا اور لکھا کہ انکی عبادات بھی رائیگاں و نامکمل ہیں۔ اور اپنا موقف ظاہر کرنے کیلئے غلط حوالہ جات سے بھی دریغ نہ کیا جیسا کہ فتاویٰ ثنائیہ میں ہے "سینے پر ہاتھ باندھنے" کی احادیث بخاری و مسلم اور

ان کی شروح میں بکثرت ہیں''۔جبکہ نہ توصحیح بخاری میں اور نہ ہی صحیح مسلم میں کوئی ایسی حدیث موجود ہے جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہواور اسی طرح مزید لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔.....صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے۔یہ غلط محض ہے اور اسی طرح کئی فروعی مسائل میں نہ جانے کس مصلحت کے تحت پوری امت مسلمہ پر شرک، بت پرستی، سنت سے منحرف اور بدعتی ہونے کے الزام لگائے لیکن علمائے اہل سنت و جماعت نے پھر بھی اپنے اخلاق حسنہ کی وجہ سے ان کی زبان میں بات کرنے سے اجتناب کیا اور ایسا سوقیانہ انداز گفتگو اپنانے سے احتراز کیا۔انہوں نے حتیٰ الوسع کوشش کی کہ ایسے فروعی مسائل واختلافات کو عام لوگوں میں سرعام نہ کیا جائے لیکن ان لوگوں نے ائمہ اربعہ کو بھی اپنے طعن تشنیع کا نشانہ بنانا شروع کردیا اور لوگوں میں اس بات کو باور کرانے لگے کہ علمائے اہل سنت و جماعت کے پاس ان مسائل میں دلیل نام کی کوئی چیز موجود نہیں اس لئے وہ مہر بلب ہیں۔تب علمائے اہل سُنّت نے مناسب سمجھا کہ انہیں جو اب دیا جائے اور ان کے دلائل کی حیثیت واضح کی جائے مگر پھر بھی ان علمائے اہل سُنّت و جماعت نے اس انداز سے کہ سنجیدگی بھی برقرار رہے اور تحقیق کا منہج بھی پیش نظر رہے حق تحقیق ادا کیا چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی بنام ''مناظرے ہی مناظرے'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔جس میں دولا مذہبوں کی طرف سے کئے گئے پراپیگنڈہ کو روکنے کیلئے محقق اہل سنت، مناظر اسلام، محدث عصر حاضرہ، قبلہ سیدی واستاذی حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی حال ریسرچ آفیسر محکمہ اوقاف دبئی نے ۱۹۹۱ء میں ان کے مسائل پر اصول حدیث کی چند شرائط کے ساتھ ان سے دلائل طلب فرمائے اور ساتھ یہ بھی لکھ کردیا کہ اگر تم لوگ مذکورہ شرائط کے ساتھ اپنے مسائل پر حدیث پیش کردو تو میں بھی ان پر عمل شروع کردوں گا لیکن جب ان لوگوں نے اپنے دلائل دیئے تو قبلہ استاد محترم نے ان

شدہ شرائط کے تحت اصول حدیث کی روشنی میں ان دلائل کا رد فرمایا لیکن پھر بھی سنجیدگی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ لیکن بعض مقامات پر چند سخت کلمات بھی موجود ہیں جوان کے جذبات سے مغلوب ہو کر اعتدال اور توازن قائم نہ رکھ سکنے اور سوقیانہ انداز تحریر کی وجہ سے لکھے گئے ہیں۔ اور جب قبلہ استاد محترم نے دیکھا کہ اب یہ لوگ سوائے لایعنی ابحاث کے اور کوئی دلائل پیش نہیں کر سکتے اور بس یہ وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہتے تو آپ نے ان کو بالمشافہ گفتگو کی دعوت دی لیکن آج تک وہ لوگ سامنے آنے کی جسارت نہیں کر سکے اور نہ ہی انشاء اللہ ان مسائل میں قیامت تک ثبوت پیش کر سکیں گے اور اب بھی (یعنی اپریل ۲۰۰۳ء) ہم کہتے ہیں کہ جب بھی کسی غیر مقلد کو شوق ابھرے ہم اس کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کیلئے تیار ہیں۔ ان مناظروں کو کتابی شکل میں شائع کروانے کیلئے کافی احباب نے کہا لیکن عدم فرصت کی وجہ سے قبلہ استاد محترم نے توجہ نہ فرمائی اور جب آپ کا تقرر بطور ریسرچ آفیسر محکمہ اوقاف دبئی میں ہوا تو آپ نے نہایت شفقت فرماتے ہوئے اپنے کئی اہم نوٹس کے ساتھ یہ چیزیں بھی مجھے عنایت فرمائیں اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ محترم جناب رانا محمد نعیم اللہ خاں صاحب (کامونکی) تشریف لائے تو ان چیزوں کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ آپ نے اتنی اہم چیزیں صرف اپنے تک محدود رکھی ہوئی ہیں ان کو منظر عام پر لائیں تاکہ خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی ان سے استفادہ کریں۔ اور ساتھ کئی دوست احباب کو بھی بتا دیا یہاںتک کہ کئی اور احباب نے مجھے بھی حکم فرمایا کہ آپ انہیں جلد از جلد ترتیب دے کر شائع کروائیں تو میں نے ان احباب کے حکم کے تحت ان کو ترتیب دینا شروع کر دیا اور چند مقامات پر جہاں قبلہ استاد محترم نے عمداً مختصر لکھا وہاں چند الفاظ کا اضافہ بھی کر دیا۔ یاد رہے ایک مقام سے چند اوراق غائب تھے۔ جن کی تلاش جاری ہے۔ اور آخر پر حافظ آباد کے ایک لامذہب کے رفع الیدین پر کئے گئے چند سوالوں کے جوابات لگا دیئے گئے ہیں جو

کہ ایک ملاقات میں مجھے حافظ آباد کی معروف ومقبول شخصیت استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد الطاف اللہ سیال صاحب مدظلہ العالی نے عنایت فرمائے تھے۔اور بتایا تھا کہ ہمارے یہاں ایک لامذہب نے یہ سوالات کئے جن کے متعلق ہم نے جناب قبلہ مناظر اسلام سے عرض کیا کہ ان کے جوابات دے دیں تو آپ نے جب جوابات دیئے تو اس دن سے لیکر آج تک (یہ فروری ۲۰۰۳ء کی بات ہے) دوبارہ جواب نہیں آیا۔

اور آخر پر میں اپنے تمام محسنین ومعاونین خصوصاً استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول مصنف کتب کثیرہ محقق اہلِ سنّت جناب حضرت علامہ مولانا مفتی پیر محمد رضاء المصطفٰے ظریف القادری صاحب مدظلہ العالی خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ بریلی شریف کا شکرگزار ہوں جو ہر وقت ہر لحاظ سے میرے ساتھ تعاون فرماتے ہیں اور دوسرے معاونین ومحسنین یعنی حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد ابرار حسین ساقی صاحب مدظلہ العالی، استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام مصطفٰے حنیف صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولانا ابوالحقائق غلام مرتضٰی ساقی صاحب نہایت مشفق ومہربان حضرت مولانا محمد شاہ صاحب فاضل بھیرہ شریف (حافظ آباد) وغیرہم سمیت دوسرے تمام احباب کا بھی مشکور وممنون ہوں۔اور دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل قبلہ استاذ محترم کی صحت وعمر میں برکت تمام تبلیغی کاوشوں اور انکی دیگر مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول ومنظور فرمائے اور مجھ جیسے نکمے کو آپ کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کاوش کو علماء وعوام الناس کیلئے نافع بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

خادم مناظر اسلام

قاری محمد ارشد مسعود اشرف چشتی

خطیب جامع مسجد نور صدیق اکبر ٹاؤن (ڈھلے) گوجرانوالہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظرہ

مسائل!

(۱) دعائے قنوت بعداز رکوع ہاتھ اٹھا کر عام دعا کی طرح۔

(۲) سینہ پر ہاتھ ....نماز میں۔

(۳) بلند آواز سے بسم اللہ قبل از سورۃ فاتحہ نماز میں۔

نماز جنازہ میں

(۱) فاتحہ بمعہ سورۃ (۲) درود (۳) دعاء (۴) سلام

ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین (بلند آواز سے جنازہ اسی ترتیب سے جو اوپر درج ہے)

دعویٰ

اگر میں ان مسائل کو قرآن وصحیح حدیث سے ثابت نہ کر سکا تو میں ان مسائل پر عمل چھوڑ دوں گا۔

مقیت جاوید

۱۳-۳-۹۱ء

جواب دعویٰ

ان مسائل کے بارے میں اگر صحیح صریح مرفوع روایت پیش کر دیں۔ تو میں اسی وقت ان مسائل پر عمل شروع کر دوں گا۔

محمد عباس رضوی غفرلہ ۱۳-۳-۹۱ء

(ان کی معیاد صرف ۱۰ دن ہے ۲۳-۳-۹۱ء تک)

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علی من اتبع الھدیٰ

جناب حافظ محمد مقیت صاحب

آپ کی تحریر بدست مکرمی محبی جناب محمد ارشد صاحب مورخہ ۲۴-۳-۹۱ کو موصول ہوئی۔تحریر کو بغور پڑھا، پڑھنے کے بعد یہ شعر قدرتی طور پر زبان پر آ گیا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

آپ لوگوں کے دعوے تو بہت بلند و بالا ہوتے ہیں لیکن دلائل کی دنیا میں ہمیشہ یتیم و مفلس ثابت ہوئے ہیں۔آپ نے اپنے رقعہ نمبر ا صفحہ ا میں میرے تحریر کردہ قول کو نقل کیا ہے، یہ کہ (قول) کہ اگر آپ مندرجہ ذیل مسائل صریح مرفوع حدیث سے ثابت کر دیں تو میں اسی وقت ان مسائل پر عمل شروع کر دوں گا۔ لیجئے مسائل مع دلائل حاضر خدمت ہیں۔ بلفظہٖ.....آپ نے صریح مرفوع حدیث کے الفاظ تو لکھے ہیں لیکن میرے الفاظ میں سے صحیح کی جو قید تھی اس کو جناب نے کیوں چھوڑ دیا؟ شائد جان بوجھ کر آپ نے اس قید کو نقل نہیں کیا کیونکہ میری لکھی ہوئی شرائط پر آپ پورا نہیں اتر سکتے تھے۔

میرا اب بھی الحمدللہ وہی دعویٰ ہے لیکن ان شرائط کے مطابق دلائل تو دیں۔میری شرائط کے مطابق آپ کی ایک بھی دلیل نہیں ہے۔اور شائد یہ آپ خود بھی جانتے ہیں لیکن دفع الوقتی کیلئے آپ نے سوچا کہ عزت اسی میں ہے کہ کچھ نہ کچھ رطب و یابس لکھنا ضرور چاہئے۔کہیں عوام میں جو مصنوعی عزت قرآن و حدیث کے نام پر بنی ہوئی ہے مٹی میں نہ مل جائے لیکن میں اپنا فرض ادا کرتے ہوئے آپ کے دلائل پر مختصر تبصرہ کرتا ہوں تاکہ حق اور باطل میں دوستوں کو تمیز ہو جائے۔

دعائے قنوت

آپ نے لکھا ہے اس سوال میں تین اجزاء ہیں۔(۱) دعائے قنوت (۲) بعد از رکوع (۳) ہاتھ اٹھا کر۔ اب ان تینوں اجزاء کے بالترتیب دلائل لیجئے۔

تجزیہ رضوی

آپ نے اس عبارت میں پھر ایک اور خیانت کی ہے۔ کہ (دعائے قنوت بعد از رکوع عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر) لیکن آپ نے وتروں کے بارے میں نہ لکھا۔ کہ یہ مسئلہ وتروں کے بارے ہے کسی اور نماز میں نہیں چونکہ آپ کے پاس اس کے دلائل نہیں تھے۔ جیسا کہ آپ کے رقعہ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا آپ نے وتر کا لفظ نہ لکھا۔ بہرحال یہ آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے دعائے قنوت کے سلسلہ میں نسائی کی روایت نقل کی ہے چونکہ ہمارے مابین طے شدہ اختلافی مسائل میں یہ مسئلہ درج نہیں لہٰذا اس کو میں غیر متعلقہ سمجھ کر چھوڑ رہا ہوں۔

لا مذہب کی پیش کردہ حدیث:

"اخبرنا قتيبة قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحق عن بريد[1] عن ابی الجوزآء قال قال الحسن علمنی رسول الله صلی الله عليه وسلم كلمات أقولهن فی الوتر فی القنوت اللّهم اهدنی فيمن هديت وعافنی فيمن عافيت وتولنی فيمن توليت وبارك لی فيما اعطيت وقنی شر ما قضيت انك تقضی ولا يقضی عليك وانه لايذل من واليت تباركت ربنا وتعاليت "

(نسائی ج ا ص ۲۰۴)

---

[1] ایسے ہی لکھا ہے، لفظ یوں ہے۔ برید

ترجمہ : .....حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھائے میں انہیں وتر کے قنوت میں پڑھتا ہوں.........الیٰ آخر۔

اسے کہتے ہیں ''سوال گندم جواب چنا'' مسئلہ تھا کہ دعائے قنوت بعداز رکوع ہاتھ اٹھا کر عام دعا کی طرح دعا کرنا لیکن حدیث پیش کر رہے ہیں جس میں دعائے قنوت کے الفاظ ہیں اس حدیث میں مذکورہ بالا مسئلہ کو تو خوردبین لگا کر بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

(ارشد مسعود عفی عنہ)

(۲) بعداز رکوع

ہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے اور ہمارے مابین جو طے ہوا ان مسائل میں شامل ہے اس سلسلہ میں آپ میری بیان کردہ شرائط کو بھول گئے آپ نے اس سلسلہ میں مستدرک امام حاکم کی روایت پیش کی ہے۔ میں حیران ہوں کہ جو لوگ صحیح بخاری کے بغیر کوئی دلیل سننا پسند و گوارہ نہیں کرتے جب اپنی باری آتی ہے تو کیسے صحیح بخاری سے جان چھڑا کر نکل جاتے ہیں۔ بہر حال آپ کے رقعہ سے یہ بات تو خوب روشن ہوگئی کہ آپ کے پاس اس سے زیادہ صحیح روایت ہرگز نہیں ورنہ آپ وہ روایت پیش کرتے۔

لامذہب کی پیش کردہ روایت :

حدثنا ابو جعفر محمد بن صالح بن هانی وابو سعید عمر وبن منصور قالا ثنا الفضل بن محمد بن المسیب الشعرانی ثنا ابو بکر عبد الرحمن بن عبد الملک بن شیبة الحزامی ثنا ابن ابی فدیک عن اسماعیل بن ابراهیم ابن عقبة عن عمه موسیٰ بن عقبة عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة عن الحسن بن علی قال علمنی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی وتری

اذارفعت رأسي ولم يبق الاالسجود اللهم اهدني ...الخ (مستدرک حاکم ج۳ص۱۷۲)

ترجمہ : (بعدازسند) حسن بن علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے وتر میں پڑھنے کیلئے یہ کلمات سکھائے جب میں (رکوع) سے سراٹھاؤں اور سجدہ باقی رہ جائے..الخ

آپ کی پیش کردہ روایت کا تجزیہ

آپ نے جوروایت مستدرک امام حاکم کے حوالہ سے پیش کی ہے یہ نہ تو سنداً صحیح ہے نہ ہی متناً۔

متن کے لحاظ سے یہ شاذ روایت ہے اور شائد اس بات کو آپ خود بھی جانتے ہیں۔اسی لئے تو روایت کے آخر میں امام حاکم کے یہ الفاظ آپ نے حذف کردیئے اور نقل نہیں کئے تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ یہ روایت شاذ ہے اور صحیح روایت غیر شاذ اسی روایت کے بعد والی روایت ہے تو آیئے وہ الفاظ جن کو آپ کسی مصلحت کی بناء پر نقل نہ فرماسکے ان کو میں نقل کرتا ہوں اور پھران الفاظ پر بحث کرتا ہوں۔امام حاکم اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں۔الا ان محمد بن جعفر بن ابی کثیر قد خالف اسمٰعیل بن ابرا هیم بن عقبه یعنی محمد بن جعفر بن ابی کثیر نے اس سند میں اسمٰعیل بن ابراہیم بن عقبہ کی مخالفت کی ہے اور یہ صاف ظاہر ہے کہ محمد بن جعفر وہ اسماعیل بن ابراہیم سے زیادہ ثقہ ہے۔تو جب ایک ثقہ راوی دوسرے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔دیکھئے۔

"التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح"

انما الشاذ ان یروی الثقة حدیثایخالف ما روی الناس .... ثم

قال الذی علیہ حفاظ الحدیث ان الشاذما لیس له الا اسنا د واحد یشذ بذلک شیخ ثقة کان او غیر ثقة فما کا ن عن غیر ثقة فمتروک لا یقبل وما کا ن عن ثقة یتوقف فیه ولا یحتج به۔

(مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التقیید والایضاح ص۱۰۱،۱۰۲،اکورہ ختک باکستان) (الباعث الحثیث ص ۴۷والمنہل ص۵۰ والارشاد ص۹۴)

یعنی شاذ روایت اس کو کہتے ہیں کہ ثقہ راوی عام لوگوں (محدثین ثقات) کی روایات کی مخالفت کرے۔..........اور پھر جس پر تمام حفاظ حدیث (محدثین) متفق ہیں وہ یہ کہ شاذ حدیث وہ ہے جس کی سند صرف ایک ہو اور وہ شاذ الفاظ ثقہ راوی بیان کر رہا ہو یا غیر ثقہ راوی بیان کر رہا ہو اگر غیر ثقہ راوی بیان کرے تو وہ حدیث متروک ہے اس کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر ثقہ راوی مخالفت کر رہا ہے تو اس حدیث پر توقف کیا جائے گا اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا۔

اور آپ کی بیان کردہ روایت میں صرف ایک ہی سند ہے۔اور اسی سند میں "رفعت رأسی ولم یبق الا السجود " کے الفاظ ہیں اور یہ الفاظ بیان کرنے والا راوی اسماعیل بن ابراہیم ہے۔اگر یہ راوی ثقہ ثابت ہو جائے تب بھی یہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہے جیسا کہ اوپر مقدمہ ابن الصلاح کے حوالہ سے گزرا ہے جبکہ یہ راوی اتنا ثقہ بھی نہیں اس پر محدثین نے جرح کی ہے یعنی یہ راوی مجروح راوی ہے تو پھر تو یہ روایت بالاتفاق قابل رد اور شاذ ہے۔اور پھر یہ روایت ہے بھی مضطرب کسی میں یہ الفاظ ہیں اور کسی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔آیئے دیکھئے! مستدرک امام حاکم میں آپ کی پیش کردہ حدیث کے بعد والی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

حدثنا ابو عبد الله محمد بن عبد الله الزاهد الصفار ثنا محمد بن اسماعیل

السلمی(وحدثنا) علی بن حمشاذ العدل ثنا عبیداللہ بن عبد الوا حد البزاروالفضل بن محمد البیهقی (قالو ا) ثنا ابن ابی مریم (وثنا) محمد بن جعفر بن ابی کثیر حدثنی موسیٰ بن عقبة ثنا ابو اسحا ق عن یزید بن ابی مریم عن الحوراء عن الحسن بن علی قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هولاء الکلما ت فی الوتر اللهم اهد نی ......الخ

اب دیکھئے اس روایت میں آپ کے مطلوبہ الفاظ نہیں ہیں تو یہ روایت اصول حدیث کی رو سے مضطرب قرار پائی اور مضطرب روایت کا جب تک اضطراب رفع نہ کیا جائے اور جب تک ایک روایت کو دوسری پر ترجیح نہ دی جائے اس وقت تک وہ حدیث قابل احتجاج نہیں اور یہاں ترجیح کی کوئی سبیل نہیں ہے۔اگر ہے تو پھر محمد بن جعفر والی روایت کو ترجیح ہوگی اوراس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

(۲) یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ پیچھا گذرا اب آیئے دیکھیں کہ یہ شاذ ہے کہ نہیں؟ محمد بن جعفر کی روایت میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔اور محمد بن جعفر اسماعیل بن ابراہیم سے ثقہ ہے محمد بن جعفر کو کسی نے ضعیف نہیں کہا جبکہ اسماعیل کو محدثین ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔اور یہ اختلاف سند اور متن دونو ں میں ہے اور پھر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔"ینبغی ان یتأ مل قوله فی هذا الطریق : "اذا رفعت راسی ولم یبق الاالسجود " : فقد راء یت فی الجزء الثانی من فوائد ابی بکراحمد بن الحسین بن مهرا ن الاصبهانی تخریج الحاکم له قال: ثنا محمد بن یونس المقری قال : ثنا الفضل بن محمد البیهقی ثنا ابو بکر بن شیبةالمدنی الحزامی ثنا ابن ابی فدیک عن اسما عیل بن ابراهیم بن عقبة بسنده ، ولفظه : علمنی رسول اللہ (صلی اللہ علیه

وسلم)اء اقول فی الوتر قبل الرکوع .... (تلخیص الحبیر ص ۲۴۸۔۲۴۹ ج ۱۔المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل)

اس طریق (سند کے) اس قول میں غور وفکر کرنا چاہئے کہ جب میں رکوع سے سر اٹھاؤں اور سوائے سجدہ کے باقی کچھ نہ رہے۔ تحقیق میں نے فوائد ابی بکر احمد بن الحسین بن مہران الاصبھانی کی دوسری جلد میں دیکھا (جو کہ تخریج حاکم ہے) (بعد از سند) حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا کہ میں وتر میں رکوع سے پہلے یہ کہوں ....

امام علامہ حافظ ابن حجر کے کلام سے معلوم ہوا اس کی سند صحیح ہے تو ثابت ہوا کہ حاکم کی روایت میں اس زیادت کی تصحیف[1] ہوئی ہے۔ اس حدیث میں جو اصل الفاظ ہیں وہ قبل الرکوع ہی ہیں۔ کسی وجہ سے مستدرک میں بعد الرکوع ہو گئے ہیں۔ جس کا ثبوت حافظ ابن حجر کے کلام سے صاف مل رہا ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہ الفاظ صحیح ہیں تو مستخرج حاکم الاصبھانی کی بھی چونکہ سند صحیح ہے۔ لھذا یہ روایت متعارض ہوگئیں اور جب تعارض ہو جائے اور ترجیح نہ ہو سکے تو پھر وہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

اس وقت تک جتنا کلام اس روایت پر ہوا ہے یہی اس پر عمل کرنے کو مانع ہے اگر چہ اس پر اور کوئی کلام نہ ہو تب بھی یہ حدیث متروک ہی تصور کی جائے گی۔ مگر اس کی تو سند پر بھی جرح موجود ہے۔ مختصر طور پر اس کے روات پر بعض محدثین کا کلام بھی نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) اس سند کے راویوں میں ایک راوی فضل بن محمد البیھقی الشعرانی ہے اس بارے میں محدثین کی رائے۔ ’’قال ابو حاتم تکلمو افیہ...... وقد سئل عنہ الحسین القتبانی فرماہ بالکذب ......‘‘ (میزان الاعتدال ص ۳۵۸ ج ۳۔ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل)

یعنی ابو حاتم نے کہا کہ اس میں محدثین کو کلام ہے (یعنی یہ ضعیف ہے) اور حسین قتبانی

---

[1] تحریری غلطی

سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کی طرف کذب کی نسبت کی۔

(۲) اسماعیل بن ابراہیم ابن عقبہ : یہی وہ راوی ہے جس پر آپ کے مویدہ الفاظ کا دارومدار ہے۔اس کے بارے میں محدثین کی رائے کچھ یوں ہے۔''وقال الازدی فیہ ضعف و کذا قال قبله الساجی " ۔(تہذیب التہذیب ص۲۷۳ ج۱)

کہ ازدی نے کہا کہ اس میں ضعف ہے جیسا کہ ازدی سے پہلے ساجی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔(کہ یہ راوی ضعیف ہے)

(قال الازدی والساجی : ضعیف: میزان الاعتدال ج۱ص۲۱۵)

[ارشد مسعود عفی عنہ]

(۳) موسیٰ بن عقبہ : وقد قال ابن معین مرة فیه بعض الضعف (میزان الاعتدال ص۲۱۴ ج۴)

ابن معین نے کہا کہ اس میں کچھ ضعف ہے۔

﴿اضافہ﴾

اور پھر یہ مدلس بھی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے طبقات میں لکھا ہے۔وصفہ الدارقطنی بالتدلیس..ص۲۷۔اگرچہ المرتبۃ الاولیٰ میں ذکر کیا ہے۔ (ارشد مسعود عفی عنہ)

(۴) ھشام بن عروہ :امام ذہبی فرماتے ہیں۔

حجة اما م لکن فی الکبر تنا قص حفظه .... نعم الرجل تغیر قلیلاولم یبق حفظه کهو فی حال التشبیبة فنسی بعض محفوظه أو وهم .... قدم الکو فة ثلاث مرا ت قدمة کان یقول حدثنی ابی ،قال سمعت عائشة ، والثانیة فکان یقول اخبرنی ابی عن عائشة ، قد م الثالثة فکان یقول ! ابی

عن عائشة ، يعني يرسل عن ابيه (میزان الاعتدال ص ۳۰۱،۳۰۲ ج ۴)

یعنی حجت اور امام ہے لیکن جب بوڑھا ہو گیا تو ان کے حفظ میں کمی آ گئی ... .اچھے آدمی ہیں تھوڑا سا ان کے حفظ میں تغیر ہو گیا اور جوانی کی طرح ان کا حافظہ قائم نہ رہا پس ان کو بعض محفوظ احادیث بھی بھول گئیں یا ان کو وہم ہو گیا۔ وہ کوفہ تین مرتبہ آئے پہلی دفعہ آیا تو کہتا تھا کہ میرے باپ نے حدیث پہنچائی انہوں نے کہا کہ میں نے عائشہ سے سنا دوسری مرتبہ تشریف لایا تو کہا کہ میرے باپ نے مجھے عائشہ سے خبر دی اور تیسری مرتبہ آیا تو کہتا تھا میرے باپ سے، وہ عائشہ سے یعنی وہ باپ سے ارسال کرتا تھا۔

تذکرۃ الحفاظ میں ارشاد فرمایا۔

هشام بن عروة ثقة ثبت لم ينكر عليه شيء الابعد ما صار الى العراق فانه انبسط في الرواية فانكر عليه ذلك اهل بلده فانه كان لا يحدث عن ابيه الا ما سمعه منه ثم تسهل فكان يرسل عن ابيه .... (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۴۴،۱۴۵ ج ۱ احیاء التراث العربی بیروت)

ہشام بن عروۃ ثقہ اور ثبت ہے ان پر کسی شے کا انکار نہیں مگر عراق جانے کے بعد پس انہوں نے روایات میں انبساط کیا تو ان کے شہر والوں نے انکار کیا کیونکہ وہ پہلے تو اپنے باپ سے صرف سنی ہوئی حدیث ہی بیان کرتے تھے مگر بعد میں تساہل برتنے لگے اور اپنے باپ سے ارسال کرنے لگے (یعنی بغیر سنی ہوئی احادیث بھی بیان کرنے لگے)

تو ثابت ہوا کہ یہ روایت اس کی آخری عمر کی ہے۔ جس وقت اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور پھر وہ اپنے باپ سے ارسال کرتا ہے اور راوی جو کہ مدلس ہو اگر وہ عن سے روایت کرے تو وہ بالاتفاق مردود ہے۔ اس نے یہ روایت اپنے باپ سے سنی ہی نہیں جیسا کہ امام حاکم نے خود ہی اپنی مایہ ناز کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں مدلسین کے باب میں لکھا ہے۔

ففی هذه الا ئمة المذ کو رین با لتدلیس من التا بعین جما عة و اتبا عهم (ص۱۰۴) یعنی یہ جو آئمہ تدلیس کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں تابعین میں سے اور تبع تابعین میں سے۔

آگے اسی مذکورہ راوی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

قال ابی وسمعت یحيٰ یقول کان هشام بن عروة یحدث عن ابیه عن عائشة قالت ما خیر رسول الله صلی الله علیه وسلم بین امرین .... الحدیث : قال یحيٰ فلما سألته قال اخبرنی ابی عن عائشة قالت : ما خیر رسول الله صلی الله علیه وسلم بین امرین لم اسمع من ابی الا هذا والبا قی لم اسمعه انما هو عن الزهری ۔(معرفۃ علوم الحدیث ص۱۰۴، ۱۰۵۔دار الکتب العلمیۃ)

یعنی ہشام بن عروہ اپنے باپ سے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو انہوں نے آسانی کو اختیار کیا ہشام نے اپنے باپ سے سوائے اس حدیث کے کچھ نہیں سنا باقی جو کچھ بھی ہے وہ زہری سے روایت کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ کیکلدی العلائی نے اپنی کتاب جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۱۲۷، ۱۲۸ میں بیان کی ہے۔تو ثابت ہوا کہ ہشام نے یہ روایت اپنے باپ سے سنی ہی نہیں تو یہ منقطع روایت ہوئی۔اور اگر آپ یہ کہیں کہ راوی وصف تدلیس کے ساتھ معروف نہیں لہذا اس کا عنعنہ مضر نہیں ہے۔

تو میں عرض کروں گا کہ علی المدینی اور یحیٰ بن سعید نے اس کو وصف تدلیس کے ساتھ ذکر کیا اور امام حاکم نے اس کو روایت کیا اور اس پر رد نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ راوی مدلس

ہےاور مدلس کا عنعنہ مردود ہوتا ہے آیئے اس بارے میں محدثین کی رائے دیکھتے ہیں۔

ان المدلس اذا لم یصرح بالتحدیث لم یقبل اتفا قاً وقد حکاہ البیہقی فی المدخل عن الشافعی وسا ئر اھل العلم با لحدیث ...... (التبصرہ والتذکرہ للعراقی ص۱۸۵۔۱۸۶، ج۱۔دارالباز مکۃ المکرمۃ)

یعنی مدلس جب تک تحدیث کی صراحت نہ کرے تو بالاتفاق وہ روایت نا قابل قبول ہوگی اور امام بیہقی نے مدخل میں امام شافعی اور دوسرے تمام اہل علم محدثین سے بھی نقل کیا ہے۔

اور امام الحافظ صلاح الدین ابی سعید خلیل بن کیکلدی العلائی تحریر فرماتے ہیں۔

قلنا انہ لا یقبل من المدلس حدیث حتیٰ یقول حدثنا وسمعت (جامع التحصیل ص۱۱۲۔الجمہوریۃ العراقیہ وزارۃ الاوقاف احیاء التراث الاسلامی ۱۹۷۸ء)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ مدلس کی حدیث نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ وہ حدثنا یا سمعت نہ کہے۔

محمد بن اسماعیل امیر یمانی غیر مقلد نے لکھا۔

قال الزین :منھم من لا یقبل المدلس اذا روی با لعنعنہ (توضیح الافکار المعانی تنقیح الانظار ص۳۵۳ج۱،داراحیاء التراث العربی)

یعنی امام زین نے کہا کہ محدثین مدلس کی روایت کو قبول نہیں کرتے جب کہ وہ عنعنہ کے ساتھ روایت کرے۔

امام ابن عدی تدلیس کے باب میں نقل کرتے ہیں۔

سمعت شعبہ یقول : کل حدیث لیس فیہ حدثنا واخبرنا فھو خل وبقل (کامل ابن عدی ص۴۸ج۱۔دارالفکر بیروت)

یعنی شعبہ نے کہا کہ ہر وہ حدیث جس میں حدثنا واخبرنا نہ ہو وہ سرکہ وساگ ہے۔

تو ثابت ہوا کہ مدلس کی عن کے ساتھ روایت قابل قبول نہیں اور یہ روایت مدلس

ہشام بن عروہ کی ہے اور ہے بھی عن کے ساتھ۔تو آپ اس کو کیسے صحیح صریح مرفوع کہہ رہے ہیں جبکہ تدلیس اتنا بڑا جرم ہے کہ امام شعبہ اس کو جھوٹ اور زنا تک کہہ رہے ہیں۔ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۲۲۸ ج ۱، مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۸، کامل ابن عدی ص ۴۷ ج ۱)

امام سخاوی نقل فرماتے ہیں۔

ومن حکاہ العلائی بل نفی ابن القطان الخلاف فی ذلک وعبارتہ اذا صرح المدلس الثقة با لسماع قبل بلا خلاف وان عنعن ففیہ خلاف وقریب منہ قول ابن عبد البر : المدلس لا یقبل حدیثہ حتٰی یقول حدثنا او سمعت فھذا مالا اعلم فیہ خلافاً وکانہ سلف النووی رحمہ اللہ فی حکایتہ فی شرح المذھب الا تفاق علی ان المدلس لایحتج بخبرہ اذا عنعن ....(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للسخاوی ص ۱۸۶ ج ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت شرح المہذب ج ۲ ص ۱۵۷۔۱۶۱۔۳۷۳)

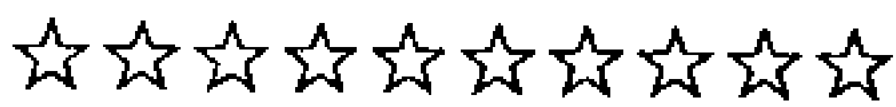
اب جناب عالی یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جس روایت کے کسی ایک راوی پر جرح ثابت ہو جائے وہ روایت صحیح کے درجے سے گر جاتی ہے تو جس روایت کے چار راویوں پر جرح ہو وہ آپ کے نزدیک ابھی تک صحیح ہے یہ صرف آجکل کے نام نہاد غیر مقلدین اہلحدیثوں کے نزدیک تو اصول ہو سکتا ہے امت مسلمہ کا نہیں۔

اور پھر جس حدیث کے متن پر اتنا بڑا اعتراض ہو اور جو کئی احادیث صحیحہ کے مخالف ہو اور ہو بھی صرف ایک روایت تو اس پر عمل کرنا اور ذخیرہ احادیث کو چھوڑ دینا کہاں کی دانشمندی واہلحدیثی ہے۔پورے ذخیرہ احادیث میں قنوت بعد از رکوع کی تائید میں آپ کو صرف ایک حدیث ملی جس کا حال آپ نے دیکھ لیا اب ضد کا مسئلہ نہیں حق کو قبول کریں اور اس مسلک سے توبہ کریں جس نے آپ کو حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور محبت سے دور

کردیا۔

فرمان خداوندی ہے۔اعدلوا وھو اقرب للتقویٰ ۔ عدل کرو کیونکہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اگر آپ نے قنوت قبل الرکوع میں احادیث صحیحہ کی کثرت دیکھنی ہو تو فقیر کا مرتب کردہ اشتہار ''نماز وتر تین رکعت ہے'' میں دیکھیں اور پھر خود فیصلہ فرمائیں کہ احادیث صحیحہ پر عمل کون کر رہا ہے اور صرف دعوے کون کر رہا ہے۔



(۳) ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا

اب یہ مسئلہ کہ دعائے قنوت ہاتھ اٹھا کر مانگی جا سکتی ہے اس کی دلیل کیلئے سنن بیہقی کی طرف چلیے (بلفظہٖ رقعہ ص۲)

تجزیہ رضوی

میرے محترم سنن بیہقی کی طرف کیوں چلیں صحیحین کہاں گئیں اور منبروں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو کہنا کہ مسلک اہلحدیث صحیحین کی احادیث پر عمل کرتا ہے۔اور حنفی فقہ پر چلتے ہیں۔صحیحین نہ سہی صحاح ستہ سہی لیکن یہاں تو وہ بھی نہیں، کیا بات ہوگئی۔بقول آپ کے تیسرے درجہ کی کتاب سے دلیل لانی پڑی۔صاف ظاہر ہے کہ اس سے اچھی سند کی روایت آپ کو ذخیرہ احادیث سے نہ مل سکی۔مجھے مسلک اہلحدیث پر ترس آرہا ہے کہ بچارے کیا کریں دلائل کہاں سے لائیں۔

اور پھر آپ نے دلیل بھی دی تو کونسی بات وتروں میں دعائے قنوت کی ہو رہی ہے اور آپ دلیل دے رہے ہیں نماز فجر کی۔(سبحان اللہ) سوال گندم جواب چنا۔والا محاورہ

یاد آ گیا۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے پاس وتروں میں قنوت بعد از رکوع پڑھنے اور اس میں ہاتھ اٹھانے کی بالکل کوئی واضح اور صحیح دلیل نہیں ہے۔ورنہ آپ اس کو پیش فرماتے اور پھر آپ نے فجر کی نماز میں رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی دلیل تو دی وتروں میں دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانے کی دلیل کیوں نہیں دی۔

ہم نے آج تک نہ سنا نہ دیکھا کہ آج کے نام نہاد اہل حدیث فجر کی نماز میں رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوں کیوں آپ حدیث پر عامل ہونے کا صرف دعویٰ ہی کرتے ہیں، عمل نہیں کرتے؟ اگر کرتے ہوتے تو اس حدیث پر عمل ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

؎ الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو اپنے ہی دام میں صیاد آ گیا

آج کے بعد اگر اہلحدیث کہلانا ہے تو فجر کی نماز میں رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کریں یا پھر اس نام کو بدنام نہ کریں اور لوگوں کو صاف صاف بتا دیں کہ ہم حدیث پر نہیں بلکہ اپنی مساجد کے جاہل مولویوں کے کہنے پر عمل کرتے ہیں۔

یہ تو مختصر سی گفتگو تھی آپ کے طرز استدلال پر اب آئیں آپ کے استدلال کو بھی دیکھیں۔قطع نظر اس کے کہ یہ حدیث آپ کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ غیر متعلق ہے۔پھر بھی اس کی فنی حیثیت دیکھیں۔آپ نے جو روایت پیش کی وہ بمعہ سند یوں ہے۔

أخبرنا ابو عبد الرحمن السلمیٰ و ابو نصر بن قتادہ قالا انبأنا ابو محمد یحییٰ بن منصور القاضی أنبا ابو القاسم علی بن صقر بن نصر بن موسیٰ السکری ببغداد فی سویقة غالب من کتا به ثنا عفان بن مسلم ثنا سلیمان بن المغیرة عن ثابت عن انس بن مالک فی قصة القراء وقتلهم قال فقال لی أنس لقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کلما صلی الغداة رفع

یـدیـہ یـدعـو علیهم یعنی علی الذین قتلوهم (السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۲ ص ۲۱۱)

تـرجـمـہ : (بعداز سند) حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب بھی صبح کی نماز پڑھتے تو ہاتھ اٹھاتے اور قاتلین قراء کیلئے بدعا کرتے۔ (بلفظہٖ صفحہ۳)

آئیں اس سند کے رواۃ کے بارے میں محدثین کی رائے دیکھیں۔

علی بن صقر بن نصر:

قال الدار قطنی لیس با لقوی (میزان الاعتدال ص۱۳۲ ج۳)

دارقطنی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے: امام ذہبی نے میزان میں اس کے ترجمہ میں صرف یہ جرح ہی نقل کی ہے۔ کسی امام سے اس راوی کی توثیق بیان نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی بالاتفاق ضعیف ہے۔

عفان بن مسلم :

کان بطیئا ردئ الحفظ بطئ الفهم (کامل ابن عدی ص۲۰۲۱ ج۵)

وقال احمد وعفان یحتاج الی متا بع: {وعفان یحتاج الی ان یتابع احد او کماقال (کذاتہذیب الکمال ج۱۳ص۱۰۵)

یعنی وہ سست اور ردی حافظہ اور ذہن کا مالک تھا اور امام احمد نے کہا وہ متابع کا محتاج ہے۔ لیکن اس کا متابع آپ کہاں سے ڈھونڈیں گے۔

میرے محترم آپ کو چاہئے تھا کہ آپ رقعہ نہ لکھتے اور اپنا وقت ضائع نہ کرتے صرف حق کو قبول کر کے مجھے اطلاع دے دیتے کہ ان مسائل میں مجھے کوئی صحیح صریح مرفوع

حدیث نہیں مل سکی۔لہٰذا میں ان مسائل پرعمل چھوڑ رہا ہوں کیونکہ حق کو قبول کرنے میں ہی عزت ہے۔

اب آپ ہی بتائیں کہ ایک تو یہ حدیث آپ کی دلیل نہیں بن سکی کیونکہ یہ غیر متعلق ہے اور اگر متعلق بھی ہوتی تو ہے ہی ضعیف۔اس کے باقی راویوں پر میں اس لئے کلام نہیں کر رہا کہ یہ غیر متعلق ہے۔اگر راویوں پر جرح نہ بھی ہو تو فجر کے بارے میں ہے، وتر کے بارے میں ہے ہی نہیں۔جس میں ہماری گفتگو ہو رہی ہے۔

آپ نے لکھا (نوٹ)

اس پہلے سوال کے جواب میں کوئی بھی حکمی مرفوع حدیث نہیں آئی بلکہ سب کی سب صریح مرفوع ہیں۔(بلفظہ آپکا رقعہ ص ۳)

تجزیہ رضوی

آپ نے ،صریح مرفوع، تو لکھا صحیح کیوں نہیں لکھا وہ شرائط میں داخل نہیں تھا۔ایسی صریح احادیث تو موضوع بھی ہو سکتی ہیں تو کیا ان سے دلیل پکڑنا آپ کے نزدیک صحیح ہے ؟
اور پھر ابھی تک اگر حکمی مرفوع نہیں آئی تو آگے وہ بھی آئے گی۔آپ شرائط پر پورے نہیں اترتے ابھی آگے آپ حکمی مرفوع بھی لکھ رہے ہیں۔بہر حال وہاں اس پر تفصیلاً گفتگو ہوگی۔(انشاءاللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲) نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

جہاں تک کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا تعلق ہے ہم (اہلحدیثوں) کا یہ مذہب ہے کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر اور ناف سے اوپر باندھنے چاہئیں (بلفظہ ص ۳)

تجزیہ رضوی

ہر مسئلہ کی طرح آپ کا مذہب یہاں بھی عجیب اور نرالا ہے۔ناف سے اوپر اور سینہ پر ایک ساتھ ہاتھ کیسے باندھے جا سکتے ہیں۔یا تو سینہ پر ہونگے اور یا پھر ناف سے اوپر دونوں میں فرق ہے۔ناف سے اوپر ساتھ ہی تو سینہ نہیں ہے تھوڑا سا فاصلہ تو ہے تو اس فاصلہ کو کیسے مٹائیں گے۔

آپ کی پیش کردہ

حدیث نمبر ۱:

قال الامام احمد فی مسنده حدثنا یحییٰ بن سعید عن سفیان قال حدثنا سماک عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن یسا ره ورأیته یضع یده علی صدره ووصف یحییٰ الیمنی علی الیسریٰ فوق المفصل (مسند احمد ص ج)

قبیصہ بن ھلب اپنے باپ ھلب سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دائیں اور بائیں دونوں جانبوں سے پھرتے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ کو اپنے سینے پر رکھتے یحیٰی نے بیان کیا کہ دائیں کو بائیں کے اوپر جوڑ پر۔ (ترجمہ آپ کا ہے)

﴿اضافہ﴾

سند و متن میں لامذہب کی خیانتیں

(۱) لامذہب سند میں لکھتا ہے"...**عن سفیان قال حدثنا سماک**...الخ"۔

جبکہ مسند احمد میں یوں ہے۔"..... عن سفیان حدثنی سماک ......" الخ

(۲) لا مذہب لکھتا ہے۔"....قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم....." الخ

جبکہ مسند احمد میں یوں ہے۔"..... قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم......" الخ

(۳) لا مذہب لکھتا ہے۔"..... ورأیتہ یضع یدہ علی صدرہ ......" الخ

جبکہ مسند احمد میں یوں ہے۔"..... ورأیتہ قال یضع ھذہ علی صدرہ...." الخ

(۴) لا مذہب نے یہ حدیث مسند احمد سے نہیں لکھی کسی اپنے مولوی کی کتاب سے نقل کی ہے۔اسی لئے حوالہ بھی درج نہیں کر سکے اور نہ ہی الفاظ حدیث کو درست لکھ سکے۔مسند احمد بن حنبل میں جلد ۵ ص ۲۲۶ پر حضرت ھلب الطائی رضی اللہ عنہ کی ۱۲ روایات موجود ہیں اور جلد ۵ ص ۲۲۷ پر ۹ روایات موجود ہیں لیکن ان تمام روایات میں کسی کے بھی وہ الفاظ نہیں ہیں جو لا مذہب نے نقل کئے ہیں۔یہ لفظ مولوی ثناء اللہ کے فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۴۵۔۴۵۸ کے ہیں۔مسند احمد بن حنبل کے نہیں۔ (ارشد مسعود عفی عنہ)

تجزیہ رضوی

میرے محترم ! اتنے تکلف کی کیا ضرورت تھی کہ آپ اتنا لمبا چوڑا مراسلہ لکھتے اگر دلائل نہیں تھے تو صرف چند الفاظ لکھ کر آپ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتے تھے کہ ہمارے پاس آپ کی شرائط کے مطابق کوئی روایت نہیں ہے ہم آئندہ سے حضور نبی کریم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت یعنی زیر ناف ہاتھ باندھا کریں گے لیکن ستیاناس ہو اس شیطان لعین کا جو کسی شخص کو اتنی جلدی اور آسانی سے حق قبول کرنے نہیں دیتا مجھے امید ہے آپ مراسلہ لکھتے وقت اور اس کے بعد اپنے ضمیر کے ہاتھوں تنگ ہونگے کہ اتنے عام سے مسائل پر بھی علماء اہلحدیث کے پاس کوئی صریح صحیح مرفوع روایت نہیں ہے۔تو دوسرے اہم مسائل

اور عقائد میں بیچاروں کے پاس کیا ہوگا۔ بہر حال آپ نے لکھ دیا ہے تو تھوڑا تبصرہ ہمارا بھی پڑھ لیں۔

محترم آپ نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں یہ تو ذکر ہی نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھ رکھے تھے۔ کیونکہ اگر آپ نماز میں ہوتے تو پھر دائیں بائیں پھرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ کیسی نماز ہے کہ آدمی نماز میں ہو اور پھر بھی کبھی دائیں پھرے اور کبھی بائیں یہ کام تو عام آدمی بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم (جن کا اپنا حکم ہو کہ

''اسکنوا فی الصلوٰۃ'' [صحیح مسلم ص۱۸۱ ج۱، ونسائی ص۱۷۶ ج۱، وابوداؤد ص۲۸۰ ج۱ وغیرہ]

کہ نماز میں سکون سے رہو) نماز میں دائیں بائیں پھریں میرے خیال میں یہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹا الزام تو کفر ہے میرے بھائی میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ایسے کام سے توبہ کریں (ویسے مجھے امید نہیں ہے۔ کیونکہ آپ حضرات تو بہت کچھ کہہ جاتے ہیں یہ تو آپ کے نزدیک معمولی بات ہوگی)

ایک تو یہ حدیث ہی غیر متعلق ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور دوسرا یہ روایت سنداً بھی مجروح ہے اس روایت کے بعض رواۃ پر محدثین نے جرح کی ہے جو کہ مختصر طور پر میں عرض کرتا ہوں۔

(۱) سماک بن حرب ! آپ کی درج کردہ سند میں ایک راوی سماک بن حرب ہے اس کے بارے میں محدثین کی جرح ملاحظہ فرمائیں۔

امام ذہبی نقل فرماتے ہیں۔

روی ابن المبارک عن سفیان : انه ضعیف وقال جریر الضبی اتیت سماکا فرأیته یبول قائما فرجعت ولم اسأله ، فقلت خرف .... کان

شعبة يضعفه .... وقال احمد : سماک مضطرب الحديث ......
وقال صالح جزره : يضعف وقال النسائی اذاانفرد بأصل لم يكن بحجة ، لانه كان يلقن فيتلقن .... قال ابن عمار : كا ن يغلط ، ويختلفون فی حديثه وقال العجلی جا ئز الحديث كا ن الثوری يضعفه قليلا ، وقال ابن المدينی : روايته عن عكرمه مضطربة........(میزان الاعتدال ص۲۳۲،۲۳۳ج۲)

عبداللہ بن مبارک سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ سماک ضعیف ہے۔ جریرالضبی نے کہا کہ میں سماک کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا ہے تو میں واپس چلا آیا اور اس سے سوال نہ کیا اور میں نے کہا کہ یہ بے عقل ہے۔ شعبہ اس کی تضعیف کرتے تھے اور امام احمد نے فرمایا کہ سماک مضطرب الحدیث ہے اور صالح جزرہ نے کہا کہ وہ ضعیف ہے امام نسائی نے کہا کہ جب وہ منفرد ہو تو بالکل حجت نہیں ہے کیونکہ وہ تلقین قبول کرتا تھا۔ ابن عمار نے کہا کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور اس کی حدیث میں محدثین اختلاف کرتے ہیں اور عجلی نے کہا کہ وہ جائز الحدیث ہے اور سفیان ثوری اس کو ضعیف کہتے تھے۔ ابن المدینی نے کہا کہ اس کی عکرمہ سے روایت مضطرب ہے۔

﴿اضافہ﴾

ابن حزم ظاہری نے المحلی میں لکھا ہے۔

سماک بن حرب : هويقبل التلقين شهد عليه شعبة (المحلی جلد۱ص۱۷۵، ۲۰۶،جلد۵ص۳۵۶)

اور ابن حزم ظاہری نے المحلی جلد۶ص۱۸۶و۳۰۵پر لکھا ''ضعیف''

امام ذہبی فرماتے ہیں۔

...... كا ن شعبة يضعفه وقال ابن المبا رک ضعيف الحديث وقال

ابن خراش فی حدیث لین یضعفه سنان (معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم ص ۱۰۴۔ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

یعنی امام شعبہ اس کو ضعیف کہتے تھے اور امام ابن مبارک نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہے اور ابن خراش نے کہا کہ اس کی حدیث میں کمزوری ہے اور سنان نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے اور یہی امام ذہبی ''الکاشف'' میں جلد ۱ ص ۳۲۲ پر بھی ابن مبارک اور شعبہ اور صالح جزرہ سے اس کی تضعیف نقل کرتے ہیں۔

اور پھر یہ ہے بھی مدلس جیسا کہ حافظ صلاح الدین ابی سعید خلیل بن کیکلدی العلائی نے جامع التحصیل فی الاحکام المراسیل ص ۲۳۲ پر بیان کیا ہے۔

اور امام نووی فرماتے ہیں۔

الاتفاق علی ان المدلس لا یحتج بخبرہ اذا عنعن (المجموع شرح المہذب ج ۲ ص ۱۵۷۔۱۶۲)

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ مدلس کی روایت جب وہ عن کے ساتھ روایت کرے تو قابل قبول نہیں ہوگی۔ (ارشد مسعود عفی عنہ)

....

(۲) قبیصہ بن ھلب !

قبیصه بن هلب عن ابیه ، قال ابن المدینی مجهول ، لم یروعنه غیر سماک ، قبیصہ بن ھلب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ ابن المدینی نے کہا کہ یہ مجہول ہے اس سے سوائے سماک کے کوئی روایت نہیں کرتا (میزان الاعتدال ص ۳۸۴ ج ۳)

وقال النسائی مجهول وقال العجلی تابعی ثقه و ذکره ابن حبان فی الثقات، له عندهم حدیث منقطع فی الانصراف من الصلوٰة و فی طعام

النصاریٰ۔(تہذیب التہذیب ص ۳۵۰ ج ۸ لاہور)

نسائی نے کہا کہ مجہول ہے اور عجلی نے کہا کہ تابعی ثقہ ہے ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور ان کے نزدیک اس کی ایک منقطع روایت نماز سے پھرتے اور نصاریٰ کے طعام کے بارے میں ہے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ روایت غیر متعلق ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے لہذا یہ ہماری طے کردہ شرائط پر کسی بھی لحاظ سے پوری نہیں اترتی۔

حدیث ۲ : امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حدثنا عبد الله بن مسلمة عن ما لک عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال کان نا س یو مرو ن ان یضع الرجل الید الیمنی علی زراعه الیسری فی الصلوٰ ة وقال ابو حا زم لا اعلمه الا ینمی ذلک الی النبی صلی الله علیه وسم .

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں لوگ حکم دیئے جاتے تھے کہ آدمی نماز میں دائیں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھے، ابو حازم کہتے ہیں مجھے صرف اور صرف یہی معلوم ہے کہ سہل بن سعد نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔(بلفظہٖ ص ۴ مراسلہ نمبر ۱)

وضاحت !

اس حدیث میں: ذراع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ذراع: کا لفظ بڑی انگلی کی طرف سے لیکر کہنی تک کے حلقہ پر بولا جاتا ہے۔تو اب اگر دائیں ہاتھ بائیں کہنی والے جوڑ تک پہنچایا جائے تبھی مذکورہ بالا حکم پر عمل ہوگا۔(بلفظہٖ ص ۴۔۵)

تجزیہ رضوی

آپ نے یہ صحیح حدیث لکھ کر اپنے مذہب کا جنازہ ہی نکال دیا ہے اور پھر اس پر تبصرہ

کرتے ہوئے (بالکل ہی) جو کسر رہ گئی تھی وہ بھی نکال دی ہے۔حضرت ہاتھ باندھنے میں اختلاف نہیں ہے آپ ہمیشہ غیر متعلق دلائل ڈھونڈ ڈھونڈ کر دے رہے ہیں کیا بات ہے؟اور پھر آپ کی اسی موضوع پر اس سے پہلی حدیث کے مخالف ہے۔خود ہی ایک بات کا اثبات کرتے اور خود ہی اس کا رد کر رہے ہیں۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا ہی نہ ہو

پہلی حدیث میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دائیں ہاتھ بائیں کے جوڑ پر رکھنا سنت ہے۔اور اب آپ بازو پر بازو رکھنے کو سنت قرار دے رہے ہیں۔ان میں سے کونسی بات درست ہے۔اس کی طرف بھی راہنمائی فرما دیتے تو بہتر تھا۔

آپ کا یہ کہنا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کہنی تک پہنچایا جائے۔یہ کس نے شرح کی ہے۔جب ذراع: کے ساتھ ید کا لفظ استعمال ہو تو پھر ہاتھ گٹ تک شمار ہو گا یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی یعنی گٹ پر باندھا جائے یا تو دائیں کلائی بائیں پر کے لفظ ہوتے تو پھر تو آپ کا فرمایا صحیح ہوتا۔ذراع اور ید کے الفاظ میں آپ کا مطلب ہرگز نہیں نکلتا اور اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے پھر ہاتھ ناف کے اوپر آتے ہیں نہ کہ سینہ پر اور آپ پیچھے اپنے طور پر ثابت کر آئے ہیں کہ ہاتھ سینہ پر باندھنے سنت ہیں۔

اس حدیث شریف میں الحمدللہ ہمارا ہی مسلک بیان ہو رہا ہے نہ کہ آپ کا اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

(قوله على زراعه :) أبهم موضعه من الذراع وفي حديث وائل عند ابى داؤد والنسائى ثم وضع يده اليمنىٰ على ظهر كفه اليسرىٰ والرسغ من الساعد وصححه ابن خزيمة وغيره واصله في صحيح مسلم بدون

الزيادة والرسغ بضم الراء وسكون السين المهملة بعدها معجمة هو المفصل بين الساعد والكف ...... (فتح الباری ص ۲۷۸ ج ۲ احیاء التراث العربی)(جلد ا صفحہ ۲۵۶ = بیت الافکار الدولیہ)

تو ثابت ہوا کہ بازو پر بازو نہیں رکھنا بلکہ دائیں کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھنا ہے۔ آپ حضرات نہ جانے کس دلیل کے ساتھ بازو پر بازو رکھتے ہیں یہ حدیث تو آپ کی دلیل ہرگز ہرگز نہیں بن سکی۔

آپ نے لکھا کہ جب اس کفیت سے ہاتھ باندھے جائیں تو ہاتھوں کے زیر ناف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (بلفظہ ص ۵)

تجزیہ رضوی

اس کیفیت سے جناب ہاتھ باندھے کیوں جائیں اور ایسے ہاتھ باندھے جائیں تو آپکے فرمانے کے مطابق ہاتھوں کے زیر ناف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تو جناب عالی ایسے ہاتھ باندھے جائیں تو سینہ پر جانے کا سوال پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر آپ اس حدیث کو اپنی دلیل کے طور پر کیوں پیش فرما رہے ہیں جس میں آپ کا مؤید کوئی اشارہ تک بھی نہیں۔ ایسے اگر آدمی اپنی ہی مرضی سے تشریح شروع کردے تو پھر احادیث کا خدا حافظ ہے۔ آپ برائے مہربانی ایسی تشریحات سے پرہیز فرمائیں تو ...بہتر ہے۔

بہرحال اس مسئلہ میں بھی آپ پچھلے مسئلہ کی طرح کوئی واضح اور صحیح دلیل نہیں لا سکے اب آپ اپنے وعدے کا پاس کرتے ہوئے ان مسائل پر عمل ترک کردیں کیونکہ فرمان خداوندی ہے۔ "ان العهد كان مسئولا"۔ کہ وعدہ کے بارے میں سوال ہوگا۔

اور پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

.....لا دین لمن لا عهد له....... یعنی جو اپنے وعدے کا پاس نہیں کرتا وہ بے ایمان ہے۔

تخریج حدیث: احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۱۳۵ برقم ۱۲۴۱۰ وص ۱۵۴ برقم ۱۲۵۹۵ وص ۲۱۰ برقم ۱۳۲۲۱۔

بسم اللہ جہر سے پڑھنا!

اس مسئلہ میں تو آپ نے الحمدللہ ہماری موافقت کر کے ہمارے موقف کو تسلیم کر لیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ

''نماز میں سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو سری اور مخفی پڑھنا سنت اور زیادہ مستحسن ہے۔''

(بلفظہ ۵)

اب تو جناب مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ جب سری ہی سنت اور زیادہ مُستحسن ہے تو پھر آپ میں سے بقول آپ کے بعض اہلحدیث بلند کیوں پڑھتے ہیں بہر حال یہ مسئلہ تو حل ہو گیا۔ لیکن پھر بھی تھوڑا سا کلام آپ کی پیش کردہ دلیل پر ضرور کیا جاتا ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ دلیل بھی قوی اور واضح دلیل نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لامذہب کی پیش کردہ حدیث

أخبرنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم عن شعيب حدثنا الليث حدثنا خالد عن ابن ابی هلال عن نعيم المجمر قال صليت وراء ابی هريرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بام القرآن حتى اذابلغ غير

المغضوب عليهم ولا الضالين فقال امين فقال الناس امين ويقول كلما سجد الله اكبر واذاقام من الجلوس فی الاثنتين قال الله اكبر واذا سلم قال والذی نفسی بيده انی لا شبهكم صلاة برسول الله صلی الله عليه وسلم (نسائی،ج۱ص۱۰۸)

ترجمہ : نعیم المجمر تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی تو ابوہریرہ نماز میں پہلے بسم اللہ پڑھی پھر سورۃ فاتحہ پڑھی حتیٰ جب وہ ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی اور مقتدیوں نے بھی آمین کہی...... بعد از فراغت نماز فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم سے زیادہ مشابہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے (بلفظہ ص۵۔۶) (ارشد مسعود عفی عنہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت علامہ جمال الدین زیلعی فرماتے ہیں۔

والجواب عنه من وجوه احدها انه حديث معلول ، فان ذكر البسملة فيه مما تفرد به نعيم المجمر من بين اصحاب ابی هريرة وهم ثمانمائة ما بين صاحب و تابع، ولا يثبت عن ثقه من اصحاب ابی هريرة انه حدث عن ابی هريرة انه عليه السلام كان يجهر بالبسملة فی الصلوة ۔(نصب الرایہ ص۳۳۵۔۳۳۶ج۱۔دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

اور اس حدیث کا کئی وجوہ سے جواب دیا گیا ہے یہ کہ یہ حدیث معلول ہے۔(یعنی اس میں کئی خفیہ علتیں ہیں جو کہ اس کو ضعیف قرار دیتی ہیں) اور اس میں بسم اللہ کا ذکر سوائے نعیم المجمر کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کسی بھی شاگرد نے نہیں کیا اور آپ کے شاگردوں کی تعداد صحابہ اور تابعین میں سے آٹھ سو کے قریب ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی

اللہ عنہ کے اصحاب میں سے کسی ثقہ راوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں کیا۔کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔

تو ثابت ہوا کہ آٹھ سو شاگردوں میں سے صرف ایک شاگرد یہ زیادت بیان کر رہا ہے تو آٹھ سو آدمیوں کی بات مانیں یا کہ ایک آدمی کی اور پھر وہ آدمی دیگر سب سے زیادہ ثقہ بھی نہ ہو۔

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ہے (اگر ثابت ہو جائے تو) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کسی صحیح حدیث سے اسکے موافق نہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی اس کے خلاف اس سے زیادہ صحیح مرفوع روایات ہیں۔اور اگر کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ "والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم"

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تم سے زیادہ مشابہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے،تو اس سے مراد اصل نماز اور اسکی مجموعی ھیت کے بارے میں ہے۔نہ تمام جزئیات کے بارے میں۔جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے۔

.... ان ابا هريرة كان يكبر في صلاة من المكتوبة وغيرها في رمضان وغيره فيكبر حين يقوم . ثم يكبر حين يركع ثم يقول : سمع الله لمن حمده ، ثم يقول : ربنا لک الحمد قبل ان يسجد ، ثم يقول :الله اكبر حين يهوى ساجد ثم يكبر حين يرفع راسه من السجود ثم يكبر حين يقوم من الجلوس في الاثنتين ، ويفعل ذلک في كل ركعة حتىٰ يفرغ من الصلوٰة ثم يقول حين ينصرف : والذى نفسي بيده انى لا قربكم شبها بصلوٰ ة

رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ان كانت هذه الصلاته حتىٰ فارق الدنيا...... (بخاری فی الصحیح ج ا ص ۱۰۱)

اب دیکھیں اس حدیث شریف کے آخر میں بھی وہی الفاظ ہیں حدیث سند کے لحاظ سے بھی اس حدیث سے زیادہ قوی ہے۔ بیان کرنے والے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ لیکن اس میں بسم اللہ کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا ذکر بھی نہیں اگر انہی الفاظ ''انـــی لا شبهـــكـــم '' کے ساتھ بسم اللہ بالجبر کا اثبات ہوسکتا ہے انہی الفاظ کے ساتھ اس کا رد بھی ہوسکتا ہے۔

اور پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مرفوع احادیث مروی ہیں۔ جن میں سورۃ فاتحہ کا تو ذکر ہے۔ بسم اللہ کا ذکر ہرگز نہیں ہے مثلاً

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم.... یقول قال الله تعالیٰ قسمت الصلوة بینی وبین عبدی نصفین فنصفها لی ونصفهالعبدی ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد " الحمد لله رب العالمین "....... المختصر

تخریج حدیث: صحیح مسلم فی باب وجوب قرأة الفاتحہ فی کل رکعة ج ا ص ۱۷۰ و بیہقی فی السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۸۔۳۹ وحمیدی فی مسندہ ج ۲ ص ۴۳۵ برقم ۹۷۳ ومنذری فی الترغیب والترهیب ج ۲ ص ۳۶۷۔۳۶۸ وابن عبدالبر فی التمہید ج ۲ ص ۲۳۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نماز کو نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔ پس نصف میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کیلئے پس جب بندہ کہتا ہے: الحمد للہ رب العالمین (الحدیث)

اس حدیث میں بھی بسم اللہ شریف کا ذکر نہیں ہے اور یہ صحیح حدیث ہے اور یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور سنیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت

ہے۔

عن ابی ہریرة رضی الله عنه : قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا نهض فی الثانیه استفتح بالحمدلله رب العالمین ولم یسکت ۔(طحاوی ص ۱۳۸ ج ۱ ، مسلم باب مایقال مابین تکبیر.....والقراۃ ج ۱ ص ۲۱۹ وسنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۶)[جمع الفوائد ص ۱۳۵ ج ۱]

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو الحمد لله رب العالمین سے شروع کرتے اور خاموش نہ رہتے۔

اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں۔ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یفتتح القراۃ بالحمد لله رب العالمین (ابن ماجہ ص ۵۹)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قراۃ الحمدللہ رب العالمین سے شروع فرماتے تھے۔

اب آپ ہی بتائیں کہ خود ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائیں کہ آپ بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے اور خود ہی اس کا الٹ کام کریں کیا یہ متصور ہوسکتا ہے ہرگز نہیں۔

اور پھر آپ کی پیش کردہ حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے بسم اللہ بالجہر پڑھی ۔کیونکہ فجھر کے الفاظ نہیں بلکہ فقراء کے الفاظ ہیں جن سے مطلق پڑھنا مراد ہے۔ اور وہ آہستہ بھی ہوسکتا اس پر یہ اعتراض کہ اگر آہستہ تھا تو نعیم المجمر نے سن کیسے لیا اس حدیث میں سننے کا بھی لفظ نہیں ہے۔بہت ساری احادیث ایسی ہیں جن میں بیان ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں فلاں دعا پڑھی ،رکوع میں فلاں اور سجود میں فلاں تو کیا تشہد اور رکوع وسجود میں دعائیں بلند آواز سے پڑھنی چاہئیں؟

اور پھر یہ حدیث ہماری بیان کردہ شرائط کے مطابق ہرگز نہیں یہ صریح مرفوع نہیں ہے۔

اور پھر اس کی سند کے بعض راویوں پر بھی بعض محدثین نے کلام کیا ہے، اسکا ایک راوی سعید بن ابی ھلال ہے۔

وقال ابن الحزم لیس با لقوی۔ (تہذیب التہذیب ص۹۵ ج۴)

ابن حزم نے کہا کہ یہ قوی (ثقہ) نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسی حدیث کو دار قطنی نے سنن میں روایت کیا اور اس کے ذیل میں مجدی حسن نے لکھا ہے۔

''اسناد ضعیف'' (دار قطنی ج ا۔ص ۴۱۲ برقم ۱۱۵۵، ملتان)

اور نجدی محقق البانی نے بھی اس حدیث کو ضعیف۔ سنن النسائی میں ذکر کیا اور کہا ضعیف الاسناد۔ (ضعیف سنن النسائی ص۲۹ برقم ۱۳۶ المکتب الاسلامی ۱۹۹۰ء اولیٰ)

(ارشد مسعود عفی عنہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۴) نماز جنازہ کا مسئلہ

آپ نے لکھا۔

نماز جنازہ کے متعلق سوال میں آپ نے تین باتیں پوچھی ہیں۔

(۱) اس ترتیب سے جنازہ پڑھنا (ا) فاتحہ مع سورۃ (ب) درود (ج) دعا (د) سلام

(۲) بلند آواز سے جنازہ پڑھنا (۳) جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا

اب تینوں اجزاء کے بالترتیب جواب ملاحظہ فرمائیں۔ (بلفظہ ص۶، ۷)

(ا) ترتیب :

ترتیب کے مسئلہ میں آپ نے انصاف نہیں کیا۔ دلیل کوئی نہیں۔ حالانکہ آپ پر ضروری تھا کہ حدیث صحیح سے یہ ترتیب ثابت فرماتے آپ نے ھدایہ شریف کا حوالہ دے کر دفع الوقتی سے کام لیا ہے آپ کے نزدیک ھدایہ کی کیا حیثیت ہے؟

آپ حضرات جس ترتیب سے جنازہ پڑھتے ہیں اس ترتیب کو آپ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت فرمائیں۔ کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد دعا للمیت ھدایہ کا حوالہ آپ کیلئے مفید نہیں اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بقول آپ کے سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی تھی تو کس تکبیر کے بعد آپ نے پڑھی اس کا ثبوت ابھی تک آپ کے سر قرض ہے۔ آپ مذکورہ شرائط پر حدیث سے ثابت کریں۔

پھر آپ نے خود ہی تسلیم کیا ہے۔ کہ

''صرف سورۃ فاتحہ ہی سورت والی شق مذکور نہیں جسکی دلیل عنقریب ہی میں بیان کرنے والا ہوں (بلفظہ ص ۷)

آپ اس کی دلیل تو قیامت تک صحیح صریح مرفوع حدیث سے نہیں دے سکتے۔ آپ نے آگے بقول آپکے سورۃ فاتحہ تو ثابت کی ترتیب ثابت ہرگز نہیں کی۔

(۲) بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنا

اس سلسلہ میں آپ نے جو نسائی شریف کی حدیث نقل کی ہے وہ ہماری طے کردہ شرائط کے مطابق نہیں ہے۔

لامذہب کی پیش کردہ روایت :

اخبرنا الهیثم بن ایوب قال حدثنا ابراهیم وهو ابن سعد قال حدثنا ابی

عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتى اسمعنا فلما فرغ أخذت بيده فسألته فقال سنة وحق (نسائی ج۱ص ۲۲۸)

ترجمہ : طلحہ بن عبداللہ بن عوف فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک جنازہ پڑھا تو انہوں نے سورۃ فاتحہ مع ایک اور سورۃ پڑھی اور بلند آواز سے پڑھی حتیٰ ہم ان کی آواز سن رہے تھے جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑلیا اور اس کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے کہ یہ سنّت نبوی ہے اور یہ حق ہے۔(بلفظہٖ ص ۷۔۸)(ارشد مسعود عفی عنہ)

اس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یا حکم بیان نہیں کیا میں نے شرائط میں صحیح صریح مرفوع کی قید لگائی تھی۔اور یہ آپ بھی مان گئے کہ یہ حدیث صریح مرفوع نہیں ہے۔

آپ نے اگرچہ ترجمہ کرتے وقت "سنۃ وحق" کا ترجمہ سنت نبوی کردیا نہ جانے کس دلیل سے۔کیونکہ سنت جب تک کسی کی طرف منسوب نہ ہو اس وقت تک اس کا معنی طریقۃ سلوکۃ ہی کیا جائے گا یعنی ایک راستہ یہ بھی ہے۔

اور پھر یہ روایت ہے بھی مضطرب۔یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں۔"وسورة وجهر حتىٰ اسمعنا۔"(بخاری فی الصحیح ص ۱۷۸،ج۱)

اور سنن الکبریٰ میں امام بیہقی نے فرمایا:"ذكر السورة غير محفوظ"۔(کذافی تلخیص الحبیر ص ۱۱۹،ج۲)

یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ذکر غیر محفوظ ہے۔یہ صحیح نہیں ہے۔

اور پھر اس سند میں ابراہیم بن سعد بن ابراہیم ہے جو کہ اپنے باپ سعد سے روایت کرتا ہے۔ابراہیم کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں۔

ولكن ليس هو في الزهري بذاك الثبت . واشار يحيىٰ القطان الى لينه
(معرفۃ الرواۃ ص ۵۵ للذہبی)

عن عبد الله بن احمد سمعت ابی یقول ذکر عند یحییٰ بن سعید عقیل وابراهيم بن سعد فجعل کانه يضعفهما ....(تہذیب ص۱۲۲ ج۱، میزان ص۳۳۔۳۴ ج۱، کامل ص۲۴۶ ج۱)

عبداللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے باپ (امام احمد) سے سنا کہ یحییٰ بن سعید کے پاس عقیل اور ابراہیم بن سعد کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے ان دونوں کی تضعیف کی۔

اور سعد بن ابراہیم کے بارے میں علامہ عراقی تحریر فرماتے ہیں۔

قال ابن العرابی فی عارضة الاحوذی : ضعفه مالک (ذیل میزان الاعتدال ص ۱۹۸)

یعنی امام مالک نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ "سنة وحق" اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صریح مرفوع نہیں ہے۔خاص کر جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سنۃ کہیں تو وہ مرفوع نہیں گنی جاتی جب تک آپ اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ فرمائیں کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے۔السنة سنتان من نبی ومن امام عادل (جامع الصغیر ص ۳۷ ج۲، ومتقی ہندی فی کنز العمال ج۶ ص ۱۱ رقم ۱۴۶۱۷)

یعنی سنت دو قسم کی ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور امام عادل کی سنت، اور اس حدیث شریف میں آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ آپ نے اس سے کونسی سنت مراد لی ہے۔بہرحال صحیح صریح مرفوع روایت پیش فرمائیں جس سے آپ کا مکمل جنازہ ثابت ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳) ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا

اس کے تحت آپ نے مسند امام احمد [ص ۳۱۶ ج ۴] سے حضرت وائل بن حجر کی روایت بیان کی ہے۔

" قال الامام احمد حدثنا ابی عبد الله حدثنا ابی ثنا وکیع ثنا شعبة عن عمرو بن مرة عن ابی البختری عن عبد الرحمن بن الیحصبیی عن وائل بن حجر الحضرمی.... قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یرفع یدیه مع التکبیر.

کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہر اللہ اکبر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔"

تجزیہ رضوی

آپ سے دلیل تو مانگی جارہی ہے نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کی اور آپ دلیل دے رہے ہیں جسمیں نہ تو جنازہ کا ذکر ہے اور نہ ہی عام نماز کا مطلق بات ہو رہی ہے۔

آپ نے لکھا۔" اس حدیث میں لفظ التکبیر عام ہے چاہے وہ نماز جنازہ کا اللہ اکبر ہو یا فرضی نماز کا۔

تجزیہ رضوی

اس حدیث میں جب لفظ "التکبیر" عام ہے تو پھر اس کو فرضی نماز یا نماز جنازہ کی تکبیر کے ساتھ کیوں خاص کیا جارہا ہے آپ کے کہنے کے مطابق تو جب بھی لفظ اللہ اکبر کہے چاہے نماز ہو یا نہ تو رفع یدین کرنا چاہیے جو کہ آپ نہیں کرتے، کیوں؟

اور اگر بقول آپ کے اس "التکبیر" کو نماز کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔ تو پھر آپ سجدوں میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیوں نہیں۔ عجیب بات ہے کہ

آپ خود ہی حدیث پیش کریں اور اسپر خود عمل بھی نہ کریں۔

بہر حال یہ ثابت ہوا کہ دیگر مندرجہ بالا مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی آپ کے پاس کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو پھر پیش کریں۔ کل کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں رکوع وسجود کرتے تھے۔ اور چونکہ لفظ ''الصلوٰۃ'' عام ہے لہذا اس سے مراد ہر نماز ہے۔ وہ فرض نماز ہو نفل نماز ہو یا پھر نماز جنازہ تو کیا اس کی یہ بات قرین قیاس اور قابل قبول ہوگی۔ ہرگز نہیں تو پھر آپ کی یہ بات کہ دیکھیں جی لفظ ''التکبیر'' عام ہے لہذا اس کو نماز کے ساتھ خاص کرنا اور جنازہ کو نکالنا صحیح نہیں ہے تو یہ محض ہٹ دھرمی اور سینہ زوری ہے۔

آپ کا یہ لکھنا۔ کہ

اصول فقہ کے مطابق '' العام یبقی علی العموم '' کہ عام اپنے عموم پر باقی رہتا ہے۔ جب تک کہ تخصیص کی دلیل نہ ہو۔ اگر آپ کے پاس تخصیص کی کوئی دلیل ہے تو لائیے۔ (بلفظہٖ)

اصول فقہ کا اصول اور اہلحدیث یہ تو آپ نے عجیب بات کہہ دی۔ اصول قرآن و حدیث کہیے اصول فقہ کہہ کر کہیں آپ بقول آپ کے بدعتی نہ ہو گئے ہوں۔

(۲) اس حدیث کے اگر تمام طرق ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو تخصیص کی دلیل مل جائے گی۔ یہ حدیث شریف مختلف الفاظ کے ساتھ ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد، ابن حبان، دارمی، ابن خزیمہ، دارقطنی وغیرہ میں موجود ہے۔

ان میں سے کسی بھی کتاب میں تکبیر جنازہ کا لفظ نہیں ہے۔ مطلق عام نماز کا بیان ہے کیونکہ ان احادیث میں رکوع وسجود میں رفع یدین کا ذکر ہے۔

ابوداؤد کے الفاظ ۔۔۔۔ واذا رفع راسه من السجو دایضاً رفع یدیه

اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو بھی رفع یدین کرتے۔

مسند احمد کے الفاظ آپ نے خود تحریر کر دیئے کہ ہر تکبیر اور ہر تکبیر میں سجدہ بھی شامل ہے۔

دارمی کے الفاظ یہ ہیں۔

فکا ن یکبر اذاخفض واذارفع ویرفع یدیہ عند التکبیر (ص ۳۱۷، ج ۱، برقم ۱۲۵۲)

ہر اونچے نیچے میں تکبیر کیساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

اب اس میں تخصیص معلوم ہوئی کہ نہیں یہاں خفض اور رفع ہے جو کہ نماز جنازہ میں نہیں ہوتا، دارقطنی کے الفاظ یہ ہیں۔

انہ رای رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حین یفتتح الصلوٰۃ واذارکع واذا سجد۔ (ص ۲۹۱ ج ۱ برقم ۱۱۰۸)

کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے، جب رکوع وسجود کرتے تو رفع الیدین کرتے۔

امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

وائل بن حجر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ اذارکع واذاسجد۔ (جزء رفع الیدین مترجم ص ۵۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رکوع وسجدوں میں رفع الیدین کرتے تھے۔

امام بیہقی کے الفاظ یہ ہیں۔

عن وائل بن حجر قال صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلما کبر رفع یدیہ مع التکبیر واذارکع واذارفع اوقال سجد۔ (سنن الکبریٰ

ص۲۶ج۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو جب آپ نے تکبیر کہی تو تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا۔اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا۔

کیوں جی جناب حافظ صاحب! تخصیص کی دلیل نظر آئی یا کہ نہیں اور اگر ابھی تک نظر نہیں آئی تو پھر فقیر کی تصنیف کشف الرین فی مسئلۃ الرفع الیدین (حصہ دوم) کا مطالعہ فرمائیں۔امید ہے کہ آپ مطمئن ہو جائیں گے۔

اسکے بعد آپ نے فرمایا۔کہ

علاوہ ازیں امام دار قطنی کی کتاب ''العلل'' میں حضرت عمر سے واضح حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کی ہر تکبیر ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔(بلفظہ ص۹)

تجزیہ رضوی

جناب عالی اس حدیث کی سند پیش فرمائیں تب اس پر گفتگو ہو گی۔ابھی تک تو آپ نے نہ تو اسکی سند پیش فرمائی اور نہ ہی متن۔ہم اس پر جرح واعتراض کیسے کر سکتے ہیں۔ویسے حافظ صاحب آپ کو شائد علم نہیں کہ ''العلل'' جمع ہے علت کی اور العلل نامی کتب میں وہی احادیث روایت کی جاتی ہیں۔جن میں کوئی نہ کوئی علت ہو اور وہ علت اس روایت کی صحت کی قادح ہو اور اس پر عمل سے مانع ہوتی ہے۔

کم علمی کے دیگر ہزاروں نقصانات کے علاوہ ایک یہ بھی نقصان ہوتا ہے کہ آدمی کسی پر حملہ کرتا کرتا خود زخمی ہو جاتا ہے۔آپکا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔آپ نے اپنے مراسلہ میں بہت سارے مقامات پر خود ہی اپنے مسلک کا خون کر دیا ہے۔آپ نے اپنے

دلائل کے جوابات دیکھے اگر آپ اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر انصاف سے کام لیں ہٹ دھرمی اور تعصب کی عینک اتار کر میرے اس مختصر مراسلہ کو بار بار پڑھیں۔ اور اپنے وعدہ کے مطابق حق قبول کرنے میں دیر نہ کریں اور اس مذہب اہلحدیث سے توبہ کریں۔ امید ہے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ دعویٰ اور دلیل میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ اور آج کے نام نہاد اہلحدیث صرف نام تو حدیث کا لیتے ہیں لیکن چلتے بالکل اس کے الٹ ہیں۔ ابھی یہ چار مسائل ہیں، اگر آپ چاہیں تو مزید کئی مسائل پر آپکی تسلی کرائی جاسکے گی۔ اور ہر مسئلہ میں اہلحدیثوں کو دلائل سے عاجز و بے کس پائیں گے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

کتبہ محمد عباس رضوی گوجرانوالہ

ذرا اِدھر بھی!

آپ نے لکھا ہے کہ

عباس رضوی صاحب! ہمارا دعوی تھا کہ ہم قرآن وحدیث سے باہر نہیں نکلتے۔

تجزیہ رضوی

جناب حافظ صاحب! جیسا کہ میں پہلے کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں کوئی آدمی جیسا چاہے دعویٰ کر سکتا ہے لیکن مسئلہ تو اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کا ہے۔ تو اپنے اس دعویٰ کو آپ تمام دنیا کے اہلحدیث مل کر بھی قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپنے ابھی ابھی سابقہ صفحات میں چار مسائل میں ملاحظہ فرمایا ایسے مسائل لاتعداد ہیں۔ جن پر آپ بڑے طمطراق سے دعوے کرتے اور عمل کرتے ہیں۔ لیکن ان کی دلیل ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی کچھ تو آپ کو علم ہو گیا ہوگا۔ باقی

مسائل میں بھی اگر آپ کی مرضی ہوتو بندہ نشاندہی کرسکتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

جن کا بحمد اللہ میں نے تسلی بخش جواب دیدیا۔

تجزیہ رضوی

آپ نے اپنے تسلی بخش جواب کا حشر دیکھ لیا ہے کوئی دلیل کہیں سے اور کوئی کہیں سے سند اور متن ایک بھی سلامت نہیں گویا کہ

؎ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا   بھان متی نے کنبہ جوڑا

والا معاملہ ہو گیا ہے لیکن بدقسمتی سے بات پھر بھی نہ بن سکی۔ اس کے بعد آپ نے چند اعتراضات فقہ حنفی کی عبارات پر کئے ہیں۔ اور جواب کا مطالبہ کیا ہے تو جناب عالی۔ ان کے جوابات سے ہم بھاگتے نہیں۔ انشاء اللہ! وہ بھی دیں گے لیکن پہلے آپ یہ مان جائیں گے کہ ہمارے پاس دلائل نہیں ہیں۔

اور اب آپ اپنے وعدہ کے مطابق کم ازکم ان چار مسئلوں پر عمل چھوڑ دیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”اعدلوا ھوا اقرب للتقویٰ“ کہ عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اگر آپ عدل وانصاف سے کام لیں پھر آپ ان مسائل پر عمل کرنا چھوڑ دیں اور مسلک حق اہلِ سنّت وجماعت کے صحیح طریق پر عمل شروع کر دیں۔ خدا تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے حق قبول کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

فقط

محمد عباس رضوی غفرلہ

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علی من اتبع الھدیٰ

محترم جناب حافظ محمد مقیت صاحب

آپ کا مراسلہ نمبر ۲ بدست محبی ومکرمی جناب محمد ارشد صاحب موصول ہوا۔آپ کا مراسلہ آنے سے پہلے آپ کے ہم مسلک جناب مولوی سلیمان صاحب کا سولہ صفحات پر مشتمل مراسلہ پہنچا ہوا تھا۔لہٰذا اول اس کا جواب لکھنا ضروری ہوا اب جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے اس کا جواب مکمل ہوا تو آپ کے مراسلہ کی طرف دیکھنے کا وقت میسر آیا۔لہٰذا اب آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

آپ نے مسئلہ نمبر ا کے صفحہ نمبر ا پر چونکہ کوئی مسئلہ کے متعلق علمی بات تحریر نہ فرمائی۔۔ لہٰذا اس کو چھوڑ کر آگے چلتے ہیں۔آپ نے لکھا!

کیونکہ ان مسائل اربعہ کے اثبات کیلئے جو بھی میں نے احادیث لکھی ہیں وہ میرے نزدیک صحیح ہیں۔۔۔۔۔(آپکے الفاظ مراسلہ نمبر ۲ صفحہ ۲)

آپ کے نزدیک صحیح ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ہر شخص خواہ وہ کسی بھی دین ومذہب کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔وہ اس کو صحیح سمجھ کر ہی اس پر عمل کر رہا ہے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا۔کہ جس کو آپ یا دیگر مذاہب باطلہ والے صحیح سمجھیں وہ سب کے نزدیک صحیح ہوں۔

اور فی الواقع میں ایسا ہی ہے۔۔۔۔۔۔۔(آپکے الفاظ ص ۲)

یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔یہی تو وہ چیز ہے جو کسی شخص کو بھی قبول حق سے مانع ہوتی ہے کہ پہلے ہی اپنے دلائل کو بغیر ثابت کئے صحیح اور دوسروں کے دلائل کو بنیر پرکھے غلط قرار دے دینا۔

آپ نے پھر اقول لکھ کر یہ عبارت لکھی ہے۔

جناب عالی ! میرے پاس اس کاغذ کی فوٹوسٹیٹ موجود ہے کہ جس پر آپ نے یہ چاروں مسائل لکھے تھے۔ اگر آپ اس تحریر میں وتر کا لفظ دکھادیں تو پھر یہ اعتراض بنتا ہے کیونکہ یہ ساری بات اسی تحریر پر ہورہی ہے۔ لہٰذا خیانت کا لفظ بولنے سے پہلے اپنے آپکو بھی دیکھ لیجئے۔

تجزیہ رضوی

جناب حافظ صاحب ! آپ اگر مسلمان کہلاتے ہیں تو میں آپ کو اسی مسلمانی کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ آپ سچ جواب دیں۔ جب آپ کے اور میرے درمیان گفتگو ہوئی تھی تو کیا نماز وتر کے بارے میں تھی یا کہ نہیں اور کیا دوران گفتگو نماز فجر یا کسی اور نماز کا ذکر آیا تھا؟

اور پھر آپ کی اس تحریر سے الحمدللہ یہ تو ثابت ہوگیا کہ نماز وتر میں جسطرح آپ عمل کرتے ہیں اس کے مطابق آپ کے پاس احادیث صحیحہ سے ثبوت ودلائل موجود نہیں ہیں۔ اور یہی ہم ثابت کرنا چاہتے تھے۔........ لہٰذا کم از کم ایک مسئلہ تو حل ہوا کہ نماز وتر میں دعائے قنوت کے وقت عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ اب میں آپ پر حسن ظن رکھتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ اپنے وعدہ کے مطابق عمل چھوڑ چکے ہوں گے اور اگر آپ اس پر عمل حسب وعدہ چھوڑ چکے ہیں تو پھر اب کس پر عمل کرتے ہیں اس پر بھی مجھے مطلع فرمادیں۔ اور اس تحریر میں نماز وتر کا ذکر نہیں تو کیا نماز فجر کا ہے آپ نے نماز فجر کا ذکر کہاں سے نکال لیا ....

میں آپ کو بتائے دیتا ہوں مسلک اہلحدیث کا منشور ہے قرآن اور صحیح حدیث چاہے وہ

کسی بھی کتاب میں ہو ۔۔۔۔۔۔(آپکے الفاظ ص ۳)

الحمدللہ چلیں یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ صحیح حدیث کسی بھی کتاب میں ہو وہ قابل قبول ہو گی اس میں صحیح بخاری یا پھر صحیحین کی کوئی قید نہیں ہے ۔اس کے بعد ایسا اعتراض نہیں ہو گا کیونکہ مسئلہ حل ہونے کے بعد اعتراض نہیں ہوا کرتا۔

لیکن کاش یہاں صحیح حدیث کی تعریف بھی کر دیتے اور بعض ایسی علتیں بھی بیان فرما دیتے جو کہ حدیث کو صحیح کی تعریف سے خارج کر دیتی ہیں ۔تا کہ مسئلہ آسان ہو جاتا۔

آپ کی پیش کردہ حدیث مستدرک اور اس پر کلام!

میں نے عرض کیا تھا کہ یہ روایت متن کے لحاظ سے شاذ ہے اور اب آپ ماشاءاللہ اس روایت کو سند کے لحاظ سے بھی تسلیم کر گئے ہیں آپ اس بات کو شائد سیدھے طریقے سے ماننے پر رضامند نہیں ہونگے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ذات باری تعالیٰ نے آپ کے قلم سے ہی ہمارا موقف صحیح ودرست قرار دلوادیا ہے۔

سبحان اللہ! مولانا یہ کیا بات ہوئی دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ اور دعویٰ آپ نے یہ کیا کہ یہ روایت متناً شاذ ہے ۔اور دلیل یہ دی کہ محمد بن جعفر نے سند میں اسمٰعیل کی مخالفت کی ۔یعنی دعویٰ متن کا اور دلیل سند کی ....(آپ کے الفاظ ص ۴)

جی بات تو صاف تھی لیکن آپ کی سمجھ میں نہ آسکی اور آپ نے میری توجہ ایک اور جانب کروادی جس کو میں نے قصداً صرف نظر کر دیا تھا ۔میں نے ثابت یہ کرنا تھا کہ جس سند میں آپ کے مویدہ الفاظ ہیں ۔اس کا راوی اسمٰعیل بن جابر ہے اور آپ کی پیش کردہ حدیث میں آپ کے مویدہ الفاظ کی زیادتی اسی راوی کی ہے جو کہ اوثق رواۃ کی مرویات میں نہیں ہے ۔لہٰذا یہ روایت شاذ ہے جو کہ انشاءاللہ مفصل بیان ہوگا ۔پھر آپ نے لکھا۔

اصل بات یہ ہے آپ نے اس عبارت میں زبردست علمی خیانت کی کوشش کی ہے جس

میں آپ کامیاب نہیں ہوئے پہلے آپ نے دعویٰ کر دیا کہ یہ روایت متناً شاذ ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۴)

میں نے کوئی خیانت نہیں کی اور نہ ہی اسکی کوشش کی۔ یہ آپکا الزام ہے۔ آپ خود مان رہے ہیں۔ کہ میرے ترجمہ میں سند کے الفاظ موجود ہیں تو پھر خیانت کہاں ہوئی اور جہاں تک اس روایت کے متناً شاذ ہونے کا بیان ہے۔ تو وہ الحمدللہ میرا اب بھی یہی دعویٰ ہے کہ یہ روایت متناً شاذ ہے۔........ فی اسنادہ: کے الفاظ اگر درج نہیں ہو سکے تو پھر کیا ہوا۔ یہ روایت تو متناً شاذ تو تب بھی ہے اور فی اسنادہ کے الفاظ درج ہو گئے تو یہ آپ کے لئے فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان دہ ثابت ہوئے کیونکہ ان الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ روایت سنداً بھی شاذ کہلائے گی۔

آپ نے مستدرک حاکم کی یہ عبارت تو نقل کر دی کہ الا ان محمد بن جعفر بن ابی کثیر قد خالف: لیکن عبارت سے پہلے امام حاکم کا اس حدیث کے بارے میں فیصلہ لکھنا گوارہ نہ کیا کیوں؟ اس لئے کہ وہ آپ کے خلاف تھا۔ سنئے! امام حاکم فرماتے ہیں هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین الا ان۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص ۵)

میں نے یہ الفاظ کیوں ذکر نہ کئے۔ اس لئے کہ نہ یہ میرے خلاف تھے۔ اور نہ آپکے حق میں کیا شاذ روایت پر صحیح کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔؟ بلکہ شاذ ہوتی ہی صحیح روایت ہے۔ اگر ضعیف ہو تو اس کو منکر کہتے ہیں۔ بہت سارے مقامات پر بزرگوں نے صحیح بھی کہا اور اس کے ساتھ منکر و شاذ کا لفظ بھی لکھ دیا۔ صحیح الاسناد حدیث کو منکر کہنے کی بے شمار مثالیں ہیں۔ دیکھئے۔

امام حاکم ہی ایک حدیث کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

''صحیح علی شرط شیخین''۔ (مستدرک ص ۱۲۸ ج ۳)

لیکن امام ذہبی فرماتے ہیں،

"وان کا ن رواتہ ثقات فھومنکر لیس ببعید من الوضع"۔(ذیل مستدرک ۱۲۸/۳)

اسکے راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن یہ حدیث منکر ہے بلکہ بعید نہیں کہ یہ موضوع ہو۔

امام ذہبی ہی ایک حدث نقل فرما کراس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

رھو ایضاًبا طل ما ادری من یغش فیہ فان ھولاء ثقات (میزان ص۶۱۰ ج۳)

یعنی یہ حدیث بھی باطل ہے معلوم نہیں کہ کس نے دھوکہ دیا ہے کیونکہ بیان کرنے والے تمام ثقہ ہیں۔

یعنی بعض اوقات صرف تفرد پر بھی منکر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ضروری نہیں کہ وہ زیادت اوثق کی مخالف ہی ہو۔جیسا کہ علامہ عبدالحیٔ نے لکھا ہے۔

ولا تظنن من قولھم ھذاحدیث منکر ان راویہ غیر ثقہ فکثیرا ما یطلقون النکارۃ علی مجرد التفرد ۔ (الرفع والتکمیل ص۲۰۰ مکتب المطبوعات الاسلامیہ.....)

یعنی علماء کے قول: یہ حدیث منکر ہے سے یہ خیال نہ کرو کہ اس کے راوی غیر ثقہ ہونگے کیونکہ بہت مرتبہ وہ منکر کا اطلاق صرف تفرد پر بھی کرتے ہیں۔

امام ابوبکر ابردیجی فرماتے ہیں۔

''الحدیث الذی ینفرد بہ الرجل ولایعرف متنہ من غیر روایتہ.......

یعنی راوی متفرد ہواور وہ متن کسی اور طریق سے مروی نہ ہوتو اسے بھی منکر کہتے ہیں۔

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۰۵۔۱۰۶ مع شرح التقیید والایضاح وتوضیح الافکار ج۲ ص۵۰۴)

یعنی راوی اگرچہ ثقہ ہوں حدیث سنداً صحیح ہو صرف اس میں کوئی زیادت ایسی پائی جائے جس کا اور کسی طریق سے ثبوت نہ ہو سکے تو وہ بھی منکر ہوگی۔اب اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ

بات تو شاذ کی ہو رہی تھی اور حوالے منکر کے دیئے جا رہے ہیں تو جناب عالی گذارش ہے کہ ان دونوں کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا عبداللہ نے فرمایا۔

لا یخفی ان الفرق انما بحسب غالب الاستعمال و الافقدیطلق احد هما مکا ن آخر . (حاشیه نخبة الفکر ص ۵۱ ملتا ن)

یعنی یہ بات مخفی نہ رہے کہ فرق عمومی استعمال کی بنا پر ہے مگر کبھی ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی کرتے ہیں۔ یعنی کبھی شاذ کو منکر اور کبھی منکر کو شاذ بھی کہہ دیتے ہیں۔

تو جناب عالی! اب معلوم ہوا کہ میں نے امام حاکم کے وہ الفاظ کیوں نہیں لکھے تھے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ اس لئے کہ وہ آپ کے خلاف تھا۔

ہرگز درست نہیں ان الفاظ کے لکھنے نہ لکھنے کا میرے اصل مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس لئے میں نے وہ ترک دیئے۔

مگر آپ کا یہ فرمانا کہ!..... یہ آپ کی دوسری علمی خیانت ہے۔

غلط اور الزام ہے اور آپ نے علمی خیانت کہا حالانکہ خود جانتے ہی نہیں کہ علم کیا ہے اگر جانتے ہوتے تو یہ ہرگز گوہر افشانی نہ کرتے۔

اب جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ کا دعویٰ کہ یہ روایت متناً شاذ ہے غلط ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۵)

جناب من! کہاں اور کس دلیل سے میرا دعویٰ غلط ثابت ہو گیا۔ کہیں خواب کی بات تو نہیں کر رہے کس صفحہ پر اور کس دلیل سے، آپ نے میرے دعوے کو غلط ثابت فرمایا۔

دیکھئے۔ امام حاکم نے اس سند میں جو اختلاف بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم کی سند میں موسیٰ بن عقبہ کا استاد اور شیخ ہشام بن عروہ ہے جبکہ محمد بن جعفر کی سند میں موسیٰ کا شیخ ابواسحاق ہے ....(آپ کے الفاظ ص ۵)

جناب حافظ صاحب! آپ نے خود ہی مسئلہ حل فرمادیا کہ موسیٰ کے دو بلکہ بقول آپ کے تین شیخ ہیں۔اوران تینوں میں سے صرف ایک طریق میں آپ کے موید ہ الفاظ ہیں۔ اور دو میں نہیں ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ الفاظ صحیح نہیں ہیں بلکہ یہ شاذ یا منکر ہیں۔

پھر آگے آپ نے احمد شاکر کے حوالہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔کہ موسیٰ کے تین شیخ ہیں اور وہ تینوں سے یہی روایت کرتا ہے۔یہی تو جناب عالی مسئلہ ہے کہ تینوں طریق میں سے صرف ایک طریق میں آپ کے موید ہ الفاظ ہیں جبکہ دو میں نہیں ہیں تو پھر وہ شاذ کیوں نہیں ہیں۔

حضرت کہاں سے ظاہر ہوا؟ آپ کن وجوہات کی بناپر محمد بن جعفر کو اسمٰعیل بن ابراہیم پر فوقیت دے رہے ہیں وہ وجوہات بیان کریں۔صاف ظاہر یہ دلیل تو نہیں ۔.........

(آپ کے الفاظ ص ۶،۷)

جناب عالی یہ الفاظ صاف ظاہر ہے۔میں نے اس لئے استعمال کئے تھے۔کہ آپ کم ازکم اتنا تو علم رکھتے ہی ہوں گے۔لیکن آپ خود تو جاہل تھے ہی میرے خیال میں آپ کے حواری بھی آپ کو اتنا نہ بتا سکے کہ محمد بن جعفر۔اسمٰعیل بن ابراہیم پر کیوں فوقیت رکھتا ہے؟اور پھر آپ کا نہایت ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہنا۔

''جرح تو آپ کے امام اعظم ابوحنیفہ پر بھی ہوتی ہے''۔(آپ کے الفاظ)

یہاں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جرح وتعدیل کیوں زیر بحث آئی ؟ یہ صرف آپ لوگوں کی خبث باطنی ہے۔اور اللہ کے کامل ولی کی گستاخی کر کے جہنم خریدنے کے مترادف ہے۔اگر یقین نہ آئے تو اپنے ہی ہم مسلک مولوی میر ابراہیم سیالکوٹی کی''تاریخ اہلحدیث'' ملاحظہ فرمائیں یا پھر فتاویٰ برکاتیہ (ص ۳۰۸۔۳۰۹) ہی دیکھ لیں۔تاکہ جہنم کا خطرہ ہی شاید اولیاء پر ناروا حملوں سے باز رکھ سکے جب میں نے ابھی تک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا نام ہی

بطور راوی حدیث دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا تو آپ خواہ مخواہ آپ پر جرح کیوں نقل کر رہے ہیں۔

تو فرمایئے !اگر امام اعظم ابو حنیفہ پر جرح ہو تو وہ اوثق ہی رہیں۔لیکن اگر کسی اور پر جرح ہو جو کہ ہو بھی غلط۔تو اس کا مرتبہ کم کر دیا جائے یہ کیا چکر ہے۔ہمیں بھی تو کچھ بتایئے۔ (آپ کے الفاظ ص ۷)

یہ چکر صرف آپ کے دماغ کا ہے جب دلائل نہ ہوں اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آنا یہ صرف غیر مقلدوں کی ہی شان ہے۔اصل مسائل سے فرار اور غیر متعلقہ تحریر و گفتگو آپ لوگوں کو ورثہ میں ملی ہوئی ہے۔آپ بتائیں کہ اگر ایک راوی پر جرح ثابت ہو جائے جبکہ دوسرے راوی کی توثیق پر تمام محدثین متفق ہوں تو ان میں کوئی فرق ہو گا یا کہ نہیں؟اگر ہو گا تو میں نے کون سا گناہ کیا ہے جو محمد بن جعفر کو اسماعیل بن ابراہیم پر فوقیت دی ہے اور اگر نہیں تو اس کے دلائل آپ کے ذمہ قرض ہیں۔

اب میں اس جملہ کی طرف آتا ہوں کہ جس کی وجہ سے آپ آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔وہ ہے **اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود** : دیکھیں جناب آپ نے اسمٰعیل بن ابراہیم کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔....تو جب اسمٰعیل بن ابراہیم ثقہ ثابت ہو چکا تو اصول حدیث کا طالب علم جانتا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی قبول ہوتی ہے ------۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں ۔(آپ کے الفاظ ص ۷،۸)

جناب عالی !اگر ان الفاظ پر اعتراض کرنا،آگ بگولہ ہونا ہے تو پھر اس میں میں اکیلا ہی نہیں محدثین بھی شامل ہیں۔امام بیہقی ان الفاظ کو صحیح نہیں مانتے جبکہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کا حوالہ میں پچھلے مراسلہ میں دے چکا ہوں اور آپ کے ہم مسلک بھائی بھی اس مسئلہ میں میری تائید کر رہے ہیں جس کا بیان عنقریب آئے گا۔ (انشاءاللہ)

اوراگر زیادتی ثقہ کے مقبول ہونے کا قانون ہر اصول حدیث کے طالب علم کو معلوم ہونا چاہئے تو برائے مہربانی اپنے حافظ عبدالمنان صاحب کو بھی یہ قانون پڑھادیں کیونکہ وہ تو فرماتے ہیں۔

لیکن ثقہ کی زیادت کا مقبول ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں چنانچہ اصول حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔تو قاری صاحب کا فرمانا ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے۔علی الاطلاق درست نہیں ہے۔(مسئلہ رفع الیدین ص ۱۳۹)

اور دیکھئے ! آپ لوگوں کے حافظ الحدیث بھی اس اصول کے جانے بغیر ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے یعنی آپ کے ارشاد کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصول حدیث کے طالب علم رہے ہی نہیں ہیں۔

آپ کے حافظ الحدیث جناب حافظ محمد گوندلوی صاحب فرماتے ہیں۔

سو ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں ہوتی۔.......(التحقیق الراسخ ص ۱۴۲)

اور پھر الحمدللہ آپ نے یہ تو تسلیم کرلیا کہ یہ زیادتی ثقہ کی زیادتی ہے۔

کیوں جی حافظ صاحب آپکے بزرگ اصول حدیث کے طالب علم رہے یا نہیں؟

آپ محمد بن جعفر کی اسمٰعیل بن ابراہیم پر فوقیت یعنی اس کا اوثق ہونا ثابت نہیں کر سکے۔(آپ کے الفاظ ص ۸)

جناب عالی !میں نے تو ثابت کر دیا تھا اگر آپ کی عقل شریف میں نہ آئے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟

؎ بیان میں نکتہ توحید آتو سکتا ہے تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

میں نے محدثین سے باحوالہ ثابت کیا تھا کہ اسماعیل بن ابراہیم پر جرح ثابت ہے۔

اب آپ محمد بن جعفر پر جرح ثابت کر کے اسکو اسماعیل بن ابراہیم کے رتبہ میں لے آئیں

ورنہ آپ کو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ محمد بن جعفر اسماعیل سے اوثق ہے۔

چلیے اگر بالفرض ہم محمد بن جعفر کو اسماعیل بن ابراہیم سے اوثق مان لیتے ہیں۔ چند منٹ کیلئے تو یہ حدیث پھر بھی شاذ نہیں ہوتی کیونکہ حدیث کے شاذ ہونے کے لئے مطلق مخالفت کا ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ دونوں احادیث میں ایسی مخالفت ہونی چاہئے۔ کہ اگر ایک حدیث کو مانیں تو دوسری کا رد لازم آئے۔۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص ۸)

حضرت کاش کہ آپ یہ اصول فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین میں بھی اپنا لیں لیکن آپ لوگ تو ابن الوقت ہیں۔ جو چیز ایک مسئلہ میں خلاف اصول وقانون ہو وہی دوسرے مسئلہ میں عین اصول وقانون بن جاتی ہے۔ اور جہاں تک حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحریر کا تعلق ہے تو یہ متفق علیہ تعریف نہیں ہے۔ اس سے بہت سارے محدثین نے اختلاف کیا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا اور پھر یہ عبارت بھی زیادتی ثقہ کے قبول وعدم قبول کے بارے میں ہے۔ اور آپ اپنا رد اپنے قلم سے فرما رہے ہیں۔ ابھی آپ اس کے مطلقاً قبول کی بات کر رہے تھے۔ اب منافات کی قید لگا رہے ہیں۔ اسے کیا کہیے۔

تو جناب! ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اسی بات کو یہاں چسپاں کریں کیا اسمٰعیل بن ابراہیم کی زیادتی والی روایت کو قبول کرنے سے محمد بن جعفر کی روایت کا رد لازم ہے۔ (آپ کے الفاظ ص۹)

جناب یہ بات واصول آپ حافظ عبدالمنان صاحب اور حافظ محمد گوندلوی کو بتائیں کہ اس اصول کے تحت رفع الیدین کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آپ یہ اصول عبدالرحمٰن مبارکپوری اور ارشاد الحق اثری کو بتائیں تاکہ مسئلہ خلف الامام آسانی سے طے ہو سکے۔ لیکن مجھے یقین ہے نہ آپ انکو بتائیں گے اور نہ ہی وہ لوگ آپ کے اس اصول پر کان دھریں گے۔

لہٰذا آپ کا اس روایت کو شاذ کہنا سراسر ظلم اور کم فہمی ہے ...... (آپ کے الفاظ ص۹)

میں کہتا ہوں کہ آپ کا اس روایت کو شاذ نہ ماننا سراسر ظلم اور جہالت ہے۔ جبکہ میں نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ یہ روایت شاذ ہے اور اب بھی انشاء اللہ یہ ثابت کرونگا۔

آپ نے فرمایا۔

جناب اگر آپ مقدمہ ابن الصلاح سے امام شافعی کا شاذ کے متعلق پورا قول دیانت داری سے ذکر کرتے۔........ (آپ کے الفاظ ص۹)

جناب عالی ! جو میں نے ذکر کیا اور جو آپ نے حوالہ دیا اس میں فرق کیا ہے جبکہ دونوں عبارتوں میں یہ ہی بیان ہے کہ ثقہ راوی عام لوگوں کی روایات کی مخالفت کرے۔ تو اس میں خیانت کہاں ہوئی، شاذ کی تعریف میں علماء و محدثین میں اختلاف ہے امام شافعی مخالفت کی قید لگاتے ہیں جبکہ دیگر محدثین مطلقاً تفرد کو شاذ کہتے ہیں۔ جیسا کہ پچھلے مراسلہ میں بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے۔ جس رو سے یہ حدیث شاذ قرار پاتی ہے۔ آپ کی یاددہانی کیلئے دوبارہ شاذ کی تعریف علماء سے نقل کر رہا ہوں۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (جن کی شرح نخبۃ کے آپ بڑے حوالہ دیتے ہیں لیکن شائد آپ کا مبلغ علم صرف شرح نخبۃ الفکر تک ہی محدود ہے) فرماتے ہیں۔

والحاصل من کلامهم ان الخلیلی یسوی بین الشاذ والفرد المطلق

(النکت علی کتاب ابن الصلاح ص۶۵۲ ج۲ دار الرایہ ریاض)

اور حاصل کلام یہ ہے کہ (خلیلی) نے شاذ اور مطلق تفرد کو برابر رکھا ہے۔

یعنی مطلق زیادتی جو کہ دیگر ثقات کی روایات میں نہ ہو اس کو بھی شاذ کہتے ہیں۔

امام محدث حاکم فرماتے ہیں۔

فاما الشاذفانه حدیث یتفرد به ثقة من الثقات .... (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

ص١١٩، شرح العلل لابن رجب حنبلی ص)

یعنی شاذ حدیث وہ ہے جس میں ثقہ راوی دوسرے ثقات میں سے متفرد ہو۔

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی تحریر فرماتے ہیں۔ بل هو عنده ماانفرد ثقه من الثقات .... بلکہ شاذ (امام حاکم) کے نزدیک یہ ہے کہ ثقہ راوی دوسرے ثقات سے اس میں متفرد ہو۔

کیوں جی حافظ صاحب ایک امام شافعی کی تعریف ہے جبکہ دوسری طرف امام خلیل امام حاکم اور دیگر محدثین وفقہاء کی تعریف ہے آپ صرف امام شافعی کی تعریف کو ہی کیوں مان رہے ہیں اور دوسروں کی تعریف کو کیوں رد فرما رہے ہیں ۔ اور پھر امام سخاوی آگے تحریر فرماتے ہیں۔

ثم ان الحاكم لم ينفرد بهذاالتعريف ،بل قال النووى فى شرح المهذب انه مهذب جماعات من اهل الحديث قال وهذاضعيف : وللخليلى نسبة لجده الاعلى .... وهو قول ثالث فيه (مفردالراوى فقط) ثقة كا ن او غير ثقة خالف او لم يخالف فما انفرد به الثقة يتوقف فيه ولا يحتج به .... (فتح المغیث ج۱ص۱۹۸)

اور پھر امام حاکم شاذ کی یہ تعریف کرنے میں اکیلا نہیں ہے، بلکہ امام نووی نے بھی شرح مہذب میں کہا ہے کہ یہی مہذب ہے محدثین کی بہت سی جماعتوں سے اور کہا کہ یہ کمزور ہے اور امام خلیلی نے اس تعریف کو اپنے جداعلیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ اس تعریف میں تیسرا قول ہے۔یعنی صرف راوی کا تفرد بھی شاذ کہلاتا ہے راوی ثقہ ہو یا غیر ثقہ ہو اگر متفرد راوی ثقہ ہو تو اس کی حدیث میں توقف کیا جائے گا اور اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا۔نیز امام ابن حجر عسقلانی ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فبان بهذا فصل ، المنكر من الشاذ و ان كلامنهما قسمان يجمعهما مطلق التفرد او مع قيد المخالفة ...... (النکت جلد دوم ص ۶۷۵)

اور یہ منکر اور شاذ میں فصل کا بیان ہے اور ان دونوں کی قسمیں ہیں اور یہ دونوں (منکر اور شاذ) مطلق تفرد یا مع مخالفت پر بولے جاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فقد اطلق الامام احمد و النسائی غیر واحد من النقاد لفظ المنکر علی مجرد التفرد .... (النکت جلد دوم ص ۶۷۴)

یعنی امام احمد اور امام نسائی اور دیگر بہت سے محدثین نے مطلق تفرد پر بھی منکر کا اطلاق کیا ہے۔

اور منکر کا اطلاق کبھی شاذ پر بھی ہوتا ہے۔ خصوصاً شرح نخبۃ الفکر پڑھنے والوں کو اس کا علم ہونا چاہیے۔ مولانا محمد عبداللہ ٹونکی نخبۃ الفکر کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

لا یخفی ان الفرق انما هو بحسب غالب الاستعمال و الا فقد یطلق احد هما فکان الاخر۔ (حاشیہ نخبۃ الفکر ص ۵۱)

یعنی یہ بات مخفی نہیں کہ فرق عمومی استعمال کی بنا پر ہے مگر کبھی ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی کرتے ہیں.... یعنی کبھی شاذ کو منکر اور منکر کو شاذ بھی کہتے ہیں۔

حافظ ابو بکر البردیجی فرماتے ہیں۔

راوی متفرد ہو اور متن کسی اور طریق سے مروی نہ ہو تو اسے بھی منکر کہتے ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۸۱)

تو ان مختصر سے حوالوں سے معلوم ہوا کہ مطلق تفرد و زیادتی کو بھی علماء محدثین نے شاذ میں شمار کیا ہے۔

آگے آپ نے میری نقل کردہ تعریف پر گرفت کرنے کی کوشش کی ہے اور میری یہ عبارت نقل کرنے کے بعد: **ثم قال الذی علیہ حفاظ الحدیث ان الشاذ** .... کہا ہے۔

تو جناب! گزارش یہ ہے کہ اس قول سے تین یا چار سطریں بعد حافظ ابن صلاح کی اس قول پر تردید بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں۔

واما ما حکیناہ عن غیرہ (الشافعی) فیشکل بما یتفرد.. الخ

''شافعی کے قول کے علاوہ جتنے اقوال ہم نے بیان کئے ہیں ان پر اشکال ہے''۔ (آپ کے الفاظ ص۱۰)

کاش کہ آپ وہ اشکال جو کہ ان اقوال پر وارد ہوئے ہیں ان کو بھی بیان کر دیتے اور پھر ان اشکال کا حشر بھی مقدمہ ابن الصلاح کی التقیید والایضاح للعراقی میں ملاحظہ فرما لیتے۔ تو آپ کو یہ عبارت لکھنے کی جراءت نہ ہوتی۔ اور اگر خدا توفیق دے تو حافظ ابن حجر کی: النکت علی کتاب ابن الصلاح کا بھی یہی مقام دیکھ لیں تاکہ آپ کے اشکال اور ان کا حشر بھی آپ کو معلوم ہو سکے۔

اور آپ نے ان اقوال پر ''فیشکل'' کا لفظ دیکھ کر ان پر اشکال کا اظہار تو کر دیا۔ لیکن حافظ ابن الصلاح کا امام شافعی کی تعریف پر: فلا اشکال، کی شرح حافظ ابن حجر سے ملاحظہ نہ کی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فلا اشکال: پر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وقول المصنف : لا اشکال فیہ : فیہ نظر .... وعلی المصنف اشکال اشد منہ .... (النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر جلد دوم ص۶۵۳)

اور مصنف کا قول : کہ اس پر کوئی اشکال نہیں: اس میں نظر ہے۔ (اور نسخہ میں ہے کہ غلط

ہے)اور مصنف پر (دیگر اقوال پر اشکال سے) بڑا سخت اشکال وارد ہوتا ہے۔

کیوں جناب حافظ صاحب کچھ معلوم ہوا کہ آپ کے اشکال کا کیا بنا اگر نہیں تو برائے مہربانی۔التقیید والایضاح اور النکت لابن حجر کا مطالعہ فرمائیں۔تا کہ آپ کے تمام اشکال رفع ہو جائیں۔

اور اگر مصنف کے نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام اقوال مردود اور غیر صحیح تھے تو پھر مصنف نے شاذ کی دو قسمیں کیوں کیں؟

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

والثانی الفرد الذی لیس فی راویہ من الثقة والضبط ۔۔۔۔۔(مقدمہ شرح ابن الصلاح ص ۱۰۴)

اور شاذ کی دوسری قسم وہ انفراد ہے کہ جس کے راوی میں وہ ضبط اور ثقاہت نہ ہو جیسی کہ ہونی چاہئے۔

اب آپکا یہ لکھنا :

خدارا! ایسے اقوال بیان کر کے اپنی "علمیت" کا پردہ چاک نہ کیا کریں کہ جنکی تردید اسی کتاب میں ہی موجود ہو .... (آپ کے الفاظ ص ۱۰)

اب بتائیں کہ کس کی علمیت کا پردہ چاک ہوا ہے۔اب میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا! ایسے اشکال پیش فرما کر اپنی "علمیت کا پردہ مزید نہ چاک کیا کریں کہ جن اشکال کے شافی ووافی حل و جوابات اسی کی شروحات میں موجود ہوں۔

اصل میں آپ کو رہبر کم نظر ملے ہیں۔کیونکہ آپ کی اپنی علمیت تو ماشاء اللہ ہم اللہ کے فضل سے جانتے ہیں اور ایک ہی ملاقات میں وہ اشکارہ ہو گئی تھی اب آپ کے لکھانے والے رہبروں کے علم کا بھی بھانڈہ پھوٹ گیا ہے۔

ایک جملہ اسمٰعیل بیان کرتا ہے اور محمد بن جعفر کی روایت میں وہ جملہ ہے ہی نہیں تو یہ مخالفت کیسی۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

یہ بھی شاذ کی ہی ایک قسم ہے جیسا کہ میں پیچھے تفصیل سے بیان کر آیا ہوں۔ لہٰذا اس چیز کی رٹ لگانا اب اچھی بات نہیں ہے۔

اور پیچھے میں بیان کر آیا ہوں کہ : زیادت الثقہ مقبولۃ : ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

اور میں آپ ہی کے بزرگوں سے اس کا رد کر آیا ہوں کہ یہ کوئی اصول ہے ہی نہیں۔ لہٰذا آپ کا اس کو بیان کرنا اپنے مذہب سے ناواقفی کی ایک بین دلیل ہے؟

آگے آپ نے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے جو اس حدیث پر کلام کیا ہے اس پر بات کی ہے اور اس کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ۔

جناب عالی ! آپ کا یہ فرمانا کہ "حاکم کی روایت میں اس زیادت کی تصحیف ہوئی ہے اس کی کیا دلیل ہے ؟ اس کا ثبوت پیش کریں۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۲)

میرا غالب گمان یہی تھا کہ یہ تصحیف ہے جو کہ حاکم کے نسخہ میں ہوئی لیکن مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ کسی راوی کی کارستانی ہے جو کہ شاذ ہے لیکن علامہ ابن حجر کے کلام سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ یہ تصحیف ہے امام ابن حجر کے کلام سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس زیادت پر راضی نہیں ہیں تبھی تو اس کے جواب میں ایک صحیح السند روایت پیش کر کے بتا رہے ہیں کہ اس زیادت میں غور و فکر کرنا چاہیے۔

آگے آپ نے تقریباً ڈیڑھ صفحہ اسی بحث میں کالا کیا ہے۔

اس حدیث اور اس کی زیادت کے بارے میں آپ کے ہی ایک ہم مسلک بھائی کی آوازِ حق آپ تک پہنچانے کی جسارت کر رہا ہوں امید ہے کہ آپ ٹھنڈے دل سے غور و فکر فرمائیں

گے اور حق کو قبول کرنے میں تامل نہیں کریں گے۔

جناب عبدالروف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو غیر مقلد نے لکھا ہے۔

مسئلہ : وتر میں دعائے قنوت رکوع سے قبل یا بعد !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل، قول اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عمل سے دعائے قنوت رکوع سے قبل ہی ثابت ہے۔...... آگے انہوں نے قبل الرکوع کے دلائل ذکر کئے اور ان دلائل کے بعد پھر لکھا ہے۔

(۲) مستدرک حاکم (۱۷۲/۳) اور بیہقی (۳۸/۳، ۳۹) میں الفضل بن محمد عن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن شیبۃ الحزامی کے طریق سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وتر میں جب کہ صرف سجدے باقی رہ جائیں یہ کلمات پڑھنے کے لئے سکھائے۔ اللّٰھم اھدنی۔ آخر تک، اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دعا رکوع کے بعد پڑھی جائے مگر یہ روایت قابل اعتماد نہیں۔ امام بیہقی اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اسے بیان کرنے میں۔ ابوبکر بن شیبۃ الحزامی؛ متفرد ہے۔ حافظ ابن حجر تلخیص (۲۴۸/۱) میں اس روایت کو حاکم کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس طریق میں..........

''اذا رفعت راسی ولم یبق الا سجود .... یہ قابل غور ہے۔ میں نے فوائد ابواحمد بن الحسین بن مہران کا دوسرا جز حاکم کی تخریج کے ساتھ دیکھا۔ اس میں یہ حدیث اس سند سے یوں ہے۔ حدثنا محمد بن یونس المقری ثنا الفضل بن محمد البیھقی ثنا ابو بکر بن شیبۃ المدنی الحزامی ثنا ابن ابی فدیک عن اسمٰعیل بن ابراھیم بن عقبۃ بسندہ . علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ان اقول فی الوتر قبل الرکوع .... یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کلمات وتر میں رکوع سے پہلے قبل پڑھنے کیلئے سکھائے۔

التوحید لابن مندہ میں یہ روایت یوں ہے۔ اخبرنا عمر بن عبد اللّٰہ البصری حدثنا الفضل بن محمد حدثنا عبدالرحمن بن عبد اللّٰہ بن شیبة المدنی الحزامی به عن الحسن قال .. علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان اقول اذا فرغت من قرأتی فی الوتر . اللّٰھم الھدنی ....اس روایت کو شیخ عبدالبانی نے ذکر کیا ہے اس کے بعد ابن حجر کا مذکورہ کلام ذکر کرنے کے بعد متابعت کی بنا پر اس روایت (جس میں قنوت قبل الرکوع ہے) کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو (ارواء الغلیل ص ۱۶۸ ج ۲)

الحاصل اس روایت میں قنوت قبل الرکوع زیادہ قوی ہے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے بھی وتر میں قنوت قبل الرکوع ثابت ہوئی .... (صلوۃ الرسول ص ۳۹۹، ۴۰۰۔ از صادق سیالکوٹی ... تحقیق وتخریج عبدالرؤف خریج کلیۃ الشریعۃ الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورہ)

کیوں جناب حافظ صاحب !اب دل ٹھنڈا ہوا۔اب تو اپنے ہی گھر کی شہادت بھی مل گئی۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اور "مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری" کے مصداق میرے خیال میں اب تو فرار کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

اب اگر آپ پھر بھی اس روایت کو اپنی دلیل بنائیں تو پھر آپ کو خدا سمجھائے۔ ویسے تو

؎ پلٹ کے سوئے چمن دیکھنے سے کیا حاصل
وہ شاخ ہی نہ رہی جو تھی آشیاں کیلئے

اب تو آپ کے پورے مذہب کا ڈھانچہ ہی کھوکھلا ہو گیا ہے۔..... جادووہ جوسر چڑھ کے بولے۔والا محاورہ یہاں بڑافٹ آتا ہے ۔

اب میرے خیال میں ''شاذ'' اور اضطراب کی بات بھی آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی۔

آپ بضد تھے کہ شاذ اس کو کہتے ہیں جس میں مخالفت پائی جائے۔کیوں! جناب حافظ صاحب !اب اس میں مخالفت پائی گئی کہ نہیں۔اب یہ شاذ کہلائے گی کہ نہیں؟ کیونکہ اس طرف بقول البانی: دوسندیں ہیں اور آپ کے پاس جب دو صحیح سندوں سے امام حسن سے ہی قبل الرکوع ثابت ہوگئی تو اب بعد رکوع والی زیادت اپنے آپ ہی آپ کے اصول کے مطابق بھی شاذ کہلانے کی مستحق ٹھہرے گی۔

آپ نہیں تو آپ کو یہ مراسلہ لکھوانے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ شیخ البانی سخت قسم کا متعصب غیر مقلد ہے جبکہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پکے شافعی المذہب ہیں۔لیکن حق ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔جیسا کہ کہا گیا ہے۔''الحق یعلوا ولا یعلٰی''

اور پھر آپ نے اضطراب کی تعریف کے سلسلہ میں بڑے طمطراق سے لکھا تھا۔

آپ کو تو اضطراب کا پتا ہی نہیں۔میں بتائے دیتا ہوں !المضطرب من الحدیث ....

[ترجمہ] مضطرب حدیث وہ ہوتی ہے کہ جس میں روایت کا اختلاف ہو جائے بعض ایک طریقے سے روایت کریں اور بعض دوسرے، اسی کے مخالف دوسرے طریقے سے روایت کریں۔یہ اضطراب اسی وقت ہوگا کہ دونوں روایتیں ہم پلہ ہوں لیکن جب ترجیح ہو سکے کہ ایک کا راوی احفظ یا شیخ کی صحبت سے زیادہ مستفید ہوا ہو یا ان کے علاوہ کوئی بھی ترجیح کی معتمد صورت ہو تو حکم راجح کیلئے ہوگا اور اس وقت اضطراب کا وصف ختم ہو

جائے گا۔...... (آپکے الفاظ ص ۱۱)

تو جناب عالی! اب آپ کے اضطراب کی شرائط پوری ہو گئیں یا نہیں ۔تو پھر آپ وجوہات بیان کریں کیونکہ آپ نے جو تعریف کی ہے اس کے مطابق تو یہ روایت مضطرب قرار پائے گی ۔یا پھر اس میں راجح مرجوع کو بیان فرمائیں ۔ویسے اگر آپ اس حدیث کو مضطرب نہیں مانتے تو پھر اپنے شیخ البانی کی تحقیق کے مطابق اس روایت کو مرجوع مان جایئے تاکہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے ۔اور اگر آپ اس حدیث کو مرجوع نہیں تسلیم کرتے تو پھر اس کے راجح ہونے کی وجوہات بیان فرمائیں۔

ویسے میرے نزدیک یہ مضطرب ہی رہے گی کیونکہ اختلاف مختلف رواۃ میں نہیں بلکہ ایک ہی سند میں الفاظ کی مخالفت ہے لہٰذا یہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہو سکتی ۔اب رہ جاتی ہے محمد بن جعفر والی روایت تو اس میں آپ کے مویدہ الفاظ نہیں ہیں ۔اب آپ کا یہ لکھنا۔

''اور یہاں مخالفت ہے ہی نہیں ۔(آپ کے الفاظ ص ۱۱)

بالکل غلط ہے علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق اور آپ کے شیخ البانی کی تحقیق کے مطابق واضح مخالفت موجود ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ یہاں مخالفت ہے ہی نہیں ۔

ہاں اب آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے مراسلہ میں ان الفاظ کی زیادت کو راوی اسماعیل بن ابراہیم کی طرف منسوب کیا تھا ۔لیکن اب امام بیہقی کے حوالے سے اس زیادت کو راوی ۔ ابوبکر بن شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے تو جناب عالی علت کا اگر تعین نہ ہو سکے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ روایت معلول نہیں ہے ۔اصول محدثین کے تحت علت کے مختلف ہونے سے کمزوری رفع نہیں ہوتی ۔ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں۔

سألت ابی وابازرعة قالا هذاخطاء انما هوابن ابی عتیق عن ابیه عن

عائشة قال ابو زرعة اخطاء فیه حماد وقال ابی الخطاء من حماد او ابن ابی عتیق۔۔۔۔۔ (کتاب العلل ص ۱۲ اج ۱، المکتبة الاثریہ سانگلہ ہل)

کہ ابوزرعہ اور ابوحاتم دونوں نے کہا ہے کہ اس میں خطاء ہے یہ اصل ابن ابی عتیق عن عائشہ کے طریق سے ہے۔ابوزرعہ نے کہا کہ خطاء حماد سے ہوئی ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ خطا یا حماد سے ہے یا ابن ابی عتیق سے۔

تو کیا اسی تعلیل کو صرف اسی لئے مردود قرار دے دیا جائے کہ بیان علت میں اختلاف ہے۔اس لئے یہ کمزور ہے حالانکہ امام ابن حجر نے بھی تلخیص میں اس کو معلول ہی قرار دیا ہے اور بالکل آپ کی پیش کردہ روایت پر جرح ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث پر ہے۔

آپ سے نفلی روزہ کے افطار کے متعلق سنن الکبریٰ میں ایک روایت ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔اصوم یوماً مکانه ......کہ دوسرے دن روزہ رکھوں گا۔

اس کے متعلق امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

یہ الفاظ بیان کرنے میں محمد بن عمرو الباہلی سے وہم ہو گیا ہے۔

مگر امام نسائی فرماتے ہیں۔

یہ وہم سفیان بن عینیہ کا ہے۔

امام بیہقی نے امام نسائی کے قول کو ترجیح دی ہے اور امام شافعی سے نقل کیا ہے۔

ابن عینیہ پہلے تو ان الفاظ کو بیان نہیں کرتے تھے مگر عمر کے آخری سال ان الفاظ کو بیان کرنے لگے۔(تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۱۰ برقم ۹۲۵)

امام ابن حجر نے بھی ان الفاظ کو وہم ہی تسلیم کیا ہے اور علت کے بیان میں مختلف ہونے کو رد نہیں کر دیا۔اور اس جیسی مثالیں بے شمار ہیں۔اتنا وقت نہیں کہ اتنی تفصیل میں جایا

جائے۔ یہ الفاظ چاہے اسمٰعیل بن ابراہیم سے ہوں یا ابوبکر بن شیبہ سے، بہر حال شاذ اور ناقابل استدلال ہیں۔

حرف آخر!

دلائل سے ثابت ہو گیا کہ از روئے متن یہ حدیث شاذ بھی ہے اور مضطرب بھی اور جس حدیث میں ان دونوں میں سے کوئی ایک وصف بھی پایا جائے وہ روایت قابل احتجاج ہرگز نہیں ہو سکتی۔

آپ کی پیش کردہ روایت از روئے سند

آپ نے میری نقل کردہ جرح کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی اور صفحہ۱۴ پر جرح کے تعدیل پر مقدم ہونے کے حوالے پیش کر کے میرے موقف کی مزید تائید فرما دی۔ آپ کی تحریر عبارت کچھ اس طرح ہے۔

قبل اس کے کہ میں فضل بن محمد اور باقی دوسرے رواۃ ہر اک کے اعتراضات اور ان کے جوابات نقل کروں میں جرح و تعدیل کے متعلق علم اصول حدیث کے ایک اہم قانون کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ اس کی روشنی میں آپ کی جرح کا جائزہ لیا جا سکے۔ (آپ کے الفاظ ص۱۴)

آگے آپ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ۔ **الجرح مقدم علی التعدیل ان صدر مبینا من عارف باسبابه ....**

آپ کے ان بیان کردہ اصولوں کے ساتھ ہم کچھ زیادتی کرتے ہیں تاکہ مسئلہ ذرا اور واضح ہو جائے اور تمام الجھنیں رفع ہو جائیں۔

حضرت علامہ خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

اذا عدل جماعة رجلاً و جرحه اقل عدد امن المعدلین فان الذی علیه جمهور العلماء ان الحکم للجرح والعمل به اولیٰ وقالت طائفة بل الحکم للعدالة ، وھذاخطاء ....(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص۱۳۴ دارالکتاب العربی بیروت، وجمع الجوامع للسبکی ص۱۶۴ج۲)

جب پوری ایک جماعت ایک شخص کی تعدیل کرے اورتھوڑے سے لوگ اس پر جرح کریں یعنی جرح کرنے والے بنسبت تعدیل کرنے والوں کے کم ہوں تو جمہور علماء کے نزدیک جرح راجح ہوگی اوراس پرعمل اولیٰ ہوگا ایک گروہ نے کہا کہ تعدیل راجح ہوگی اور یہ غلط ہے۔

امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی ۴۷۳ھ فرماتے ہیں۔

اذاتفق التجریح والتعدیل فلا یخلوان یکون التجریح مثل التعدیل فزائدا علیه اواقل منه فان کان عددالمجرحین مثل عدد المعدلین او اکثر فلا خلاف فی تقدیم التجریح .... وان کان عدد المعدلین اکثر ، فالذی علیه اکثر الناس ان التجریح مقدم ایضاً ....(احکام الفصول فی احکام الاصول ص۳۰۹،موسسۃ الرسالۃ بیروت)

یعنی جب ایک راوی میں جرح اورتعدیل اکٹھی ہوجائیں تو یا تو جرح تعدیل کی مثل ہوگی یا اس سے زائد یا اس سے کم اور اگر تعداد میں جارحین سے معدلین تعداد میں زیادہ ہوں تو اکثر لوگوں (علماء فقہاء) کے نزدیک پھر بھی جرح ہی مقدم ہوگی۔

امام ابن ہمام ''تحریر'' میں امام محمد امین المعروف بامیر بادشاہ اس کی شرح التیسیر میں فرماتے ہیں۔(اذا تعارض الجرح والتعدیل فالمعروف مذھبان تقدیم الجرح

مطلقاً) ای سواء کان المعدلون اقل من الجارحین او مثلھم او اکثر منھم (وھو المختار) .... (تیسر التحریر شرح التحریر ص۶۰ ج ۳ ،دارالباز مکۃ المکرمۃ)

جب جرح اور تعدیل میں تعارض ہو جائے تو اس میں دو مذہب مشہور ہیں۔ جرح تعدیل پر مطلقاً مقدم ہوگی چاہے تعدیل کرنے والے کم ہوں یا ان جتنے ہوں یا زیادہ ہوں اور یہی مذہب مختار ہے۔

حضرت امام عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں۔

تعارض الجرح والتعدیل بان اخبرمزک انہ عدل واخبر انہ مجروح یرجح خبر الجارح....... (کشف الاسرار ص۹۸ ج ۳ ،الصدف پبلشرز کراتشی)

جب جرح اور تعدیل میں تعارض ہو جائے اسطرح کہ ایک شخص خبر دے کہ یہ عادل ہے جبکہ دوسرا خبر دے کہ یہ مجروح ہے تو جرح کرنے والے کے قول کو ترجیح ہوگی۔

امام آمدی شافعی فرماتے ہیں۔

فقول الجارح یکون مقدما لاطلاعہ علی مالم یعرفہ العدل.... (الاحکام فی اصول الاحکام ص۱۲۴ ج ۲ دارالحدیث خلف الجامع الازہر)

پس جارح کا قول مقدم ہوگا اسلئے کہ اس کو اس چیز (عیب) کی اطلاع ہے جس کو تعدیل کرنے والا نہیں جانتا۔

تو ثابت ہوا کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوگی اگرچہ جرح کرنے والے تعداد میں تعدیل کرنے والوں سے بالکل کم ہی کیوں نہ ہوں۔ تو اب آیئے آپ کی پیش کردہ روایت کے رواۃ کی طرف جن پر کہ کلام ہے۔

فضل بن محمد بن مسیب الشعرانی

میں نے اس راوی کے بارے میں محدثین سے جرح نقل کی۔آپ نے لکھا۔

کاش آپ نے میزان الاعتدال سے یہ عبارتیں نقل کرنے کے بعد میزان الاعتدال کے ہی مصنف امام ذہبی کا فیصلہ پڑھ لیا ہوتا۔۔۔۔۔۔۔

امام حاکم کا یہ قول نقل کیا۔

قال الحاکم کان ادیباً فقیها عابداعارفا بالرجال ......(آپ کے الفاظ ص۱۵)

جی ہاں آپ نے جیسا فرمایا ہے صحیح ہے میں نے یہ کلام پڑھا تھا لیکن جان بوجھ کر ذکر نہیں کیا کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام حاکم کا یہ فرمان مذکورہ راوی کو ثقہ عادل ضابط ثابت نہیں کرتا۔کاش آپ کتب اصول میں سے مذکورہ بالا الفاظ تعدیل میں سے دیکھتے اگر یہ الفاظ تعدیل میں سے ہیں۔تو کس درجہ میں آتے ہیں اگر یہ الفاظ۔الفاظ تعدیل میں سے ثابت بھی ہو جائیں تو آپ کیلئے قطعاً مفید نہیں ہیں۔پہلے نمبر پر تو یہ امام حاکم تعدیل میں تساہل ہیں۔

آپ کے ہم مسلک شیخ البانی نے تحریر فرمایا۔

ومثله فی التساهل الحاکم کما لا یخفی علی المتضلع بعلم التراجم والرجال فقولهما التعارض لا یقام له وزن حتیٰ ولو کان الجرح مبهما لم یذکر له سبب،(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ جلداول ص۳۴۔الاثریہ سانگلہ ہل)

اور ابن حبان کی طرح حاکم بھی متساہل ہے جیسا کہ تراجم اور رجال کے علم کے جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے اور ان دونوں کی تعدیل میں وزن نہیں حتیٰ کہ اگر دوسری طرف جرح مبہم بھی ہو اور جرح کا کوئی سبب بھی بیان نہ کیا گیا ہو۔(یعنی تب بھی ان کی تعدیل نہیں مانی

جائے گی)

اور علامہ زاہد الکوثری فرماتے ہیں۔

وتساهل الحاكم وابن حبان في التصحيح مشهور (مقالات کوثری ص ۱۸۵)

امام حاکم اور ابن حبان کا تصحیح میں تساہل مشہور ہے۔

وقت کی نزاکت کے پیش نظر صرف انہی حوالہ جات پر اکتفا کیا جا رہا ہے وگرنہ اس پر بہت علماء کے اقوال ہیں۔ مثلاً دیکھئے! تذکرۃ الحفاظ ص ۲۲۱ ج ۳، میزان ص ۸۵ ج ۳، کتاب التوسل لابن تیمیہ ص ۱۰۱، مقدمہ نصب الرایہ، دلیل الطالب ص ۶۱۸، از صدیق الحسن، ابکار المنن مبارکپوری ص ۶۴ وغیرہ وغیرہ)

قلت عرف بالشعراني وهو ثقة لم يطعن فيه بحجة۔

میں کہتا ہوں یہ الشعرانی کے نام سے مشہور ہے اور ثقہ راوی ہے اس پر بلا دلیل جرح کی گئی ہے۔............(آپ کے الفاظ ص ۱۵)

جناب عالی! امام ذہبی کا صدیوں بعد پہلوں پر فیصلہ کیسے نافذ ہو سکتا ہے کذب کی نسبت جو امام حسین قتبانی سے اس کی طرف کی ہے تو کیا یہ بلاوجہ ہے؟

امام ذہبی نے کتنے راویوں کے بارے میں اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے لیکن محدثین نے ان راویوں پر زبردست جرحیں کہیں۔ آپ اپنے گھر کی بات ہی سنیں شائد تسلی ہو جائے

مولوی ارشاد الحق اثری غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں۔

احمد بن جعفر قطیعی کو ابن الفرات وغیرہ نے مختلط کہا ہے مگر ذہبی فرماتے ہیں کہ ان کا یہ قول غلو اور اسراف ہے۔ ابوبکر احمد بن جعفر اپنے زمانے کے بڑے محدث تھے۔ (میزان ص ۷۷، ۸۸ ج ۱)

مگر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

انکار الذهبی علی ابن الفرات عجیب فانه لم یتفرد بذلک ۔کہ علامہ ذہبی کا ابن الفرات پر انکار عجیب ہے جب کہ ابن الفرات اس حکم میں منفرد نہیں ۔ (لسان المیزان ص ۳۴۵ج ۱ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)

مزید آگے لکھتے ہیں ۔حافظ ذہبی کو بلاشبہ استقراء تام حاصل تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ہر بات صحیح ہے ۔خود حافظ ابن حجر جنہوں نے انہیں ان الفاظ سے یاد کیا ہے بیسیوں مقامات پر ان سے اختلاف کرتے ہیں ۔جیسا کہ تہذیب اور لسان المیزان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے جبکہ آئمہ سلف وخلف ان کے خلاف ہیں اور علامہ ذہبی کی رائے میں وزن نہیں تو ایسی بے وزن بات کون سنتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔(توضیح الکلام جلد دوم)

کیوں جناب یہاں بھی وہی بات نہیں کہ وہ ایک راوی کو ثقہ قرار دے رہے ہیں اور جارح کے قول کو غلو اور اسراف قرار دے رہے ہیں اور آپ کے ہم مسلک مولوی صاحب اس بات کو بے وزن بات کہہ رہے ہیں ۔اور یہاں چونکہ امام ذہبی کی بات آپ کے خلاف تھی اس لئے غیر صحیح ٹھہری اور یہاں بات آپ کے حق میں تھی اس لئے آپ نے فوراً لکھ دیا۔

دیکھئے ۔آپکی جرح نقل کرنے والا مصنف ہی کہہ رہا ہے کہ اس جرح کی دلیل کوئی دلیل نہیں اب آپ کیا کریں گے؟ آپ کی ساری محنت تو ضائع ہوگئی ۔۔۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۱۵،۱۶)

کیوں جی اب یہ بات آپ اپنے اس مناظر صاحب اور محقق اہلحدیث صاحب کو بھی کہیں گے یا کہ نہیں اگر مزید دیکھنا ہو تو تذکرۃ الحفاظ مترجم مولوی محمد اسحاق غیر مقلد میں قتادہ کا ترجمہ پڑھیں اور پھر توضیح البیان جلد دوم کا صفحہ ۲۸۳ تا ۲۹۶ ملاحظہ فرمائیں ۔امید ہے کہ آپ کی تسلی ہو جائیگی اور اگر مزید تحقیق فرمائیں تو مزید حوالے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

آگے آپ نے فرمایا۔

بلکہ حسین قتبانی کہ جن کا آپ نے یہ قول: فرماہ بالکذب : ذکر کیا ہے انہی کا یہ بیان میزان الاعتدال میں ذکر ہے۔

"وسمعت آبا عبد الله بن الاخرم یسئل عنه فقال صدوق "

ترجمہ : میں نے ابوعبداللہ بن اخرم سے سنا ان سے (فضل) کے متعلق پوچھا گیا۔تو انہوں نے کہا کہ سچا آدمی ہے۔

اب بتایئے آپ نے تو وہ قول ذکر کیا۔جس میں اس (فضل) کیطرف کذب کی نسبت ہی کی گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔میرا بیان کردہ قول تو اس کے صدق پر روشن دلیل ہے۔ مجھے بتایئے زیادہ وزن کس بات میں ہوا؟ (آپ کے الفاظ ص۱۶)

سبحان اللہ :ولا حول ولا قوة الابا للّٰہ ۔جس شخص کو اتنا بھی علم نہ ہو کہ جب ایک راوی پر کذب کی تہمت ہو اور دوسرا محدث صرف صدوق کہہ رہا ہو۔تو وزن کس بات میں ہوتا ہے۔اس بچارے نے دین کے بارے میں کیا جاننا ہے۔اَرے خدا کے بندے۔ فرماہ بالکذب۔ کے الفاظ جرح میں دوسرے نمبر آتے ہیں اور اس درجہ والے راویوں سے روایت لینا جائز نہیں ہے۔جبکہ صدوق کے الفاظ پانچویں چھٹے درجہ میں آتے ہیں اور اس درجہ کے راویوں کی روایت بھی بطور دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔اگر علم نہیں تو آئیں میں بتائے دیتا ہوں۔پھر خود ہی حساب لگا لینا کہ وزن کس بات میں ہے۔میرے بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ملاحظہ فرمائیں۔

مراتب تعدیل

(۱) المرتبة الا ولٰی : تکون بکل ما یدل علی المبا لغة فی التعدیل ، بصیغة افعل التفضیل : ونحوه ، مثل : اوثق الناس ، اضبط النا س ، لیس له نظیر ۔

ہروہ حرف جو تعدیل میں مبالغہ ظاہر کرتا ہو اور افضل التفضیل کے صیغہ کے طور پر
استعمال ہوا ہو یا اسی طرح جیسے: اوثق الناس: اضبط الناس، لیس لہ نظیر

(۲) وتكو ن مرتبة الثانية : بكل ما يدل على التوثيق التا م بما هو دون السابقة ، نحو : فلان لا يسئل عنه فلا ن لا يسئل عن مثله ، ونحوهذا:

(۳) المرتبة الثالثة : تكو ن بكل ما تاكد توثيقه با للفظ او المعنى ، نحو، ثقة ثقة ، ثقة ما مون : ثقة حافظ:

(۴) المرتبة الرابعة : تكون بما يدل على العدالة بلفظ يشعر بالضبط مثل : ثبت ، متقن ، حجة ، امام
...... عدل حافظ ، عدل ضابط........

(۵) المرتبة الخامسة : تكون بكل ما يدل على التعديل و التوثيق بما لا يشعر بكمال الضبط والاتقان ، نحو : صدوق ، ما مون ، لا بأس به..........

(۶) المرتبة السادسة : بكل ما يشعر يقربه من التجريح ..... نحو ، صدوق انشا ء الله .. صويلح ......

(المختصر الوجیز فی علوم الحدیث للعجاج الخطیب ص ۱۱۱،۲۱۱، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

کیوں جی حافظ صاحب : آپ کا یہ راوی ان مراتب میں سے کس درجہ میں آتا ہے۔
ذرا دیکھیں تو سہی میں بتاتا ہوں آپ کے اس مذکورہ راوی کو صرف ایک شخص (محدث) نے، صدوق کہا ہے اور یہ لفظ پانچویں طبقہ میں آرہا ہے اگر آپ سچے ہیں۔ اور آپ کی یہ عبارت بھی سچی ہے کہ۔

جب اس کی ثقاہت ثابت ہو چکی .... (آپ کے الفاظ ص ۱۶)

تو ذرا جرأت فرما کر اس راوی کو پہلے دو مرتبوں میں ثابت کر دکھائیں۔لیکن آپ کے بس کی بات نہیں چلیں ہم آپ کی آسانی کے لئے عرض کیے دیتے ہیں۔کہ پہلے چار طبقات میں سے اس راوی کو ثابت کریں۔لیکن پھر بھی آپ نہیں کر سکیں گے۔

آپ کا راوی پانچویں طبقہ میں آتا ہے۔جس کے بارے میں محدثین نے ارشاد فرمایا۔

ویحتج اهل العلم بما جاء فی المراتب الا ربعة الاولیٰ من مراتب التعدیل ، واما من جاء فی المرتبة الخامسة و السادسة فانه لا یحتج بحدیثه بل یکتب للاعتبا ر ای یقارن بحدیث غیره من الضابطین ،فان وافقهم تبین ضبطه لهذاا لخبر . قبل حدیثه و الارد ....(المختصر الوجیز للعجاج الخطیب ص ۱۱۳)

اور محدثین اہل علم نے پہلے چار طبقات تعدیل کے راویوں سے احتجاج (دلیل و حجت) کیا ہے اور پانچویں اور چھٹے طبقے کے راوۃ کی حدیث سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی۔بلکہ اس کو تائید کے طور پر لکھا جا سکتا ہے۔یعنی کوئی اور حدیث ثقات سے مروی اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور اس کے ضبط کو ظاہر کر رہی ہو اس کو قبول کیا جائے گا نہیں تو رد کر دیا جائے گا۔

اب بات کریں جناب عالی :اگر تو اس حدیث سے دلیل لانی ہے تو اس راوی کو پہلے چار طبقات میں شمار کرائیں اگر نہیں تو پھر ایک صحیح مرفوع حدیث اسکے ساتھ اور پیش فرمائیں۔ اور اس کو اس کی مؤید بنائیں۔اگر یہ بھی نہیں تو پھر یہ روایت مردود ہو گی قبول ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اگر اس راوی پر بالکل جرح نہ ہوتی تب بھی یہ پانچویں طبقہ کا راوی ہے۔اس کی راویت مقبول نہیں ہو سکتی۔جتنی دیر تک ایک صحیح مرفوع روایت پیش نہ کی جائے۔(اور وہ ہے ہی نہیں) لیکن اس راوی پر تو جرح بھی ہے۔اور اس پر جرح بھی اتنی سخت کہ مراتب جرح میں

تیسرے نمبر پر آنے والی۔اب آیئے مراتب جرح دیکھتے ہیں۔

مراتب التجریح!

المرتبة الاولیٰ : تکون بکل ما یدل علی المغالبة فی الجرح ومثاله:

اکذب الناس : ورکن الکذب

تکون المرتبة الثانیة : با لجرح با لکذب او الوضع من غیر المبالغة نحو

: کذاب ،وضاع ، یضع الحدیث .

المرتبة الثالثة : تکون بکل ما یدل علی اتهامه با لکذب اوالوضع ونحو

هما ومثاله متهم با لکذب اواتهموه ، یسرق الحدیث .... متروک

، ترکو احدیثه لیس بثقة........(المختصر الوجیز ص ۱۱۲)

....

تو جناب آپ کا یہ راوی ان مراتب میں سے تیسرے مرتبہ پر آتا ہے۔جرح کے مراتب بھی تعدیل کی طرح چھ ہیں۔بقیہ تین اختصار کی خاطر حذف کر دیئے ہیں۔کیونکہ وہ غیر متعلقہ تھے۔اب آئیں ان مراتب کے بارے میں محدثین کی آراء دیکھیں ۔

ولا یحتج بمن وصف بوصف مماجاء فی المراتب الاربعة الاولیٰ من مراتب التجریح ....(المختصر الوجیز ص ۱۱۳)

اور جن راویوں کو پہلے چار طبقات جرح میں جو صفات آتی ہیں۔ان سے موصوف مانا گیا ہے۔ان کی روایات سے دلیل وحجت پکڑنی جائز نہیں ہے۔

تو جناب عالی! آپ کے اس راوی کی حدیث تو کسی بھی صورت میں دلیل وحجت نہیں بن سکتی آپ تو اس کو صحیح صریح ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

؎ اس سادگی پہ کیوں نہ مر جائیں اے خدا
کہ لڑتے ہیں اور ہاتھوں میں تلوار بھی نہیں

کیوں جی حافظ صاحب ! معلوم ہوا کہ۔ وزن کس بات میں ہے۔

اگر ایک منٹ کیلئے امام ذہبی کی بات ہی مان لی جائے اور اس راوی پر جرح بلا دلیل ہونے کے سبب رد کر دی جائے اور اس کو صدوق مان لیا جائے تو جناب عالی پھر بھی یہ راوی ایسا ثقہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ اس کی روایت بطور دلیل و حجت پیش کی جا سکے۔

اب آپ کا یہ کہنا کہ۔

علاوہ ازیں ابو حاتم کا قول ! تکلموا فیہ : وہ تو ہے ہی غیر مفسر..... (آپکے الفاظ ص ۱۶)

اگر مان بھی لیا جائے تب بھی الحمد للہ ہمارے موقف میں کوئی فرق نہیں پڑتا پھر بھی یہ راوی ثقہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر ہوسکتا ہے تو دلیل پیش فرمائیں۔

آپ کے کہنے سے کہ

جب اس کی ثقاہت ثابت ہو چکی........(آپکے الفاظ ص ۱۶)

ثقاہت ثابت نہیں ہوگی آپ محدثین آئمہ جرح والتعدیل سے اس کی ثقاہت ثابت فرمائیں۔ اور اگر آپ فرمائیں کہ اس کو امام ذہبی نے کہا ہے تو عرض یہ ہے کہ علماء جرح والتعدیل میں امام ذہبی کا طبقہ دیکھیں کہ یہ کس طبقہ میں آتے ہیں۔ اور حسین قتبانی اور ابو حاتم کس طبقہ کے بزرگ ہیں اور اگر یہ بزرگ ایک ہی طبقہ کے ہوں (جو کہ ناممکن ہے) تو پھر بھی جرح تعدیل پر مقدم ہوگی جیسا کہ پچھلے صفحات میں با دلیل لکھ دیا گیا ہے۔

اور پھر آپ نے ابو عبداللہ ابن الحزم کا قول: صدوق تو لکھا لیکن اس کے ساتھ آگے۔ الا غالیاً فی تشیع : نہ لکھا اگر میں ایسا کرتا حالانکہ میں نقطے (....) ڈال دیتا ہوں جس

سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہاں سے غیر ضروری عبارت حذف کر دی گئی ہے۔ جو کہ ایک اصول ہے تو آپ مجھے نہ جانے کیا کیا القابات سے نوازتے ہیں، کہیں بددیانت، کہیں خائن، اور یہودیوں سے بھی آگے (معاذ اللہ) حالانکہ یہ تو معلوم ہوگا کہ یہ صفات کس میں ہیں۔

حرف آخر:۔

اس راوی (فضل بن محمد) کے بارے میں آخری فیصلہ یہی ہے کہ یہ راوی ثقہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ اور اگر بڑی نرمی برتی جائے تو صرف ''صدوق'' ہے جو کہ پانچویں طبقہ میں آتا ہے۔ جس کی روایات بطور دلیل پیش نہیں کی جاسکتیں۔ (کمامر) لہٰذا اگر اس مذکورہ روایت کے دیگر رواۃ پر جرح مفسر ثابت نہ ہو تب بھی یہ روایت آپ اصولاً بطور دلیل پیش نہیں فرما سکتے۔ ہاں اگر اس سے اچھی اور صحیح سند کے ساتھ کوئی اور روایت ہو تو پھر یہ بطور تائید پیش کی جاسکتی ہے اور وہ آپ کے پاس ہے نہیں اگر ہے تو پیش فرمائیں۔

اسمٰعیل بن ابراہیم

اس راوی پر میں نے امام ازدی اور ساجی سے ضعف کی جرح نقل کی تھی اس پر آپ نے : اقول : کہہ کر یہ تبصرہ فرمایا۔

اس مقام پر آپ نے وہی چالاکی کی جو اس سے پہلے فضل بن محمد کے حالات میں کی

۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۶)

جناب حافظ صاحب ! میں نے اس میں کونسی چالاکی کی ہے جو میں نے عبارت لکھی تھی کیا وہ میزان میں نہیں ہے میں نے صرف یہ ثابت کرنا تھا۔ کہ یہ راوی مختلف فیہ ہے اس کو اگرچہ بعض آئمہ نے ضعیف کہا ہے اور اصول کے مطابق جس راوی پر جرح ثابت ہو جائے وہ معیاری ثقہ نہیں رہتا۔ بلکہ حسن کے درجہ کا راوی قرار دیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کے ہم مسلک بھائی غازی عزیز صاحب لکھتے ہیں۔

اگر کوئی راوی مختلف فیہ ہو یعنی بعض نے اس کو ثقہ بتایا ہو اور بعض نے ضعیف تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے۔...... (ضعیف احادیث کی معرفت اور انکی شرعی اہمیت ص ۳۸)

تو ثابت ہوا کہ اگر یہ راوی ضعیف نہیں ہے تو معیاری ثقہ بھی نہیں یعنی حسن درجہ کا ہے۔ اور اگر اس حدیث کی سند اور متن پر کوئی اور اعتراض نہ بھی ہوتا تب بھی یہ حدیث، حسن ہی کہلا سکتی تھی۔ اس راوی کی وجہ سے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ اس کے متن پر معقول اعتراض اور سند پر بھی نہایت مناسب اور معقول اعتراضات ہیں۔

(۳) موسیٰ بن عقبہ :

اس راوی پر اعتراض کا جواب دینے کی آپ نے کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی آپ سابقہ راوی پر جرح کے جواب کا جواب ملاحظہ فرمالیں۔ تاکہ آپ کی تشفی ہو سکے۔

(۴) ہشام بن عروۃ :

اس راوی پر چند جرحیں میں نے نقل کی تھیں جن کا کماحقہ جواب آپ سے نہ بن سکا۔ بلکہ بعض باتوں کا تو آپنے تذکرہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ ہشام بن عروۃ کے بارے میں پہلی جرح یہ تھی کہ یہ راوی آخر عمر میں حافظہ کی کمزوری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جو کہ ایک مفسر جرح ہے آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

آپ نے یہاں پھر حسب معمول اور حسب عادت علمی خیانت کی ہے۔ آپ نے ذہبی کی صرف وہی عبارت نقل کی جس سے کچھ مدد حاصل ہو سکتی تھی۔........ (آپ کے الفاظ ص ۱۹)

میرے بھائی آپ اپنی کم علمی کو میری خیانت کہہ رہے ہیں آپ نے مجھ پر یہ الزام

بار بار لگایا ہے۔ کاش کہ آپ کسی پڑھے لکھے عقلمند سے رابطہ قائم فرما کر عبارت میں نقاط کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن آپ کی جانے بلا کہ یہ عبارت میں نقاط کس لئے لگائے جاتے ہیں میری پوری عبارت کو پڑھئے۔ اور پھر اپنی عبارت پڑھئے اور پھر علمی خیانت دیکھئے کہ کہاں واقع ہوئی۔ میں نے یہ ثابت کیا کہ آخری عمر میں اس کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا کہ بعض اپنی مرویات اور محفوظ احادیث بھی بھول گئیں یا ان کو وہم ہو گیا۔..... تو یہ تو آپ بھی تسلیم کر رہے ہیں۔ امام ذہبی نے اس کے اختلاط کی نفی کی ہے اگر چہ وہ بھی محل نظر ہے جس کا عنقریب بیان ہوگا (انشاءاللہ) حافظہ کے کمزور ہونے کی نفی نہیں کی۔

آپ نے امام ذہبی کے اس قول سے: فکان ماذا أهو معصوم من النسیان ------ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس راوی کا حافظہ کمزور ہونا اگر چہ ثابت ہے لیکن قابل مواخذہ نہیں ہے۔ اور پھر آپ نے اس سے اگلی عبارت جو کہ یقیناً آپ کے خلاف تھی حذف کر دی آخر کیوں کیا اسی پاداش میں مجھے آپ سے علمی خیانت کا سرٹیفکیٹ نہیں ملا اور آپ نے امام بیہقی کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا۔

ترجمہ: یہ (موسیٰ) مشہور رواۃ میں سے ایک ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۰)

جناب بات تو ہو رہی ہے ہشام کی اور آپ ثابت کر رہے ہیں کہ موسیٰ ثقہ اور مشہور رواۃ میں سے ہے پھر آپ نے اس عبارت کے آخر میں تحریر کیا۔ یہ موسیٰ تو شیخ الاسلام ہے۔ (آپکے الفاظ ص ۲۰)

موسیٰ شیخ الاسلام ہے تو پھر کیا ہوا بات تو ہشام بن عروۃ کی ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں آپ ہمارے علمی اعتراضات سے بوکھلا گئے ہیں کہ ہشام کی بجائے موسیٰ کی بات کر رہے ہیں۔

آپ کا یہ لکھنا۔

تو جناب! آپ کی اس کوشش پر کہ جس کے ذریعے آپ نے یہ کوشش کی کہ ہشام بن عروۃ پر تغیر حافظہ کا عیب لگا کر اسے بے اعتبار کر دیا جائے۔ حافظ ذہبی نے خود ہی پانی پھیر دیا وہ تو کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں حافظہ کمزور متغیر ہو جانا تو عیب ہی نہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۰-۲۱)

کاش آپ یہ بات اپنے بزرگوں کو بھی سمجھا دیتے۔ یہ دیکھئے آپ کے حافظ الحدیث صاحب لکھتے ہیں۔

اس کی سند میں ابوبکر بن عیاش ہے جس کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ (التحقیق الراسخ از حافظ محمد گوندلوی ص....)

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ابوبکر بن عیاش اگر ایک جرح میں مردود ہو سکتا ہے تو وہ اسی جرح کے تحت مذکورہ راوی کیوں نہیں آتا جبکہ دونوں بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔

اور پھر امام ذہبی کا اگر فیصلہ ہشام بن عروۃ کے متعلق قابل قبول بلکہ واجب القبول ہے تو اسی قسم کا فیصلہ ابو اسحاق کے متعلق کیوں قابل رد ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

ابو اسحاق السبیعی من ائمة التابعین بالکوفة واثباتهم الا انه شاخ ونسی ولم یختلط (میزان الاعتدال ج ۳-ص ۲۷۰) (ارشد مسعود عفی عنہ)

ابو اسحاق سبیعی کوفہ کے آئمہ تابعین اور ثقہ راویوں سے ہے مگر بوڑھے ہونے کے بعد انہیں نسیان ہو گیا تھا۔ اور وہ مختلط نہیں ہوئے تھے۔

امام ذہبی ہی دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

قلت ما اختلط ابو اسحاق ابدا وانما یعنی بذلک التغیر ونقص الحفظ (تذکرۃ الحفاظ)

میں کہتا ہوں کہ ابو اسحاق تخلیط سے کبھی دوچار نہیں ہوئے ہاں ان کے حفظ میں کچھ تغیر اور نقص واقع ہو گیا تھا۔

تو کیا ابو اسحاق کے بارے میں امام ذہبی کے وہی ریمارکس نہیں ہیں جو کہ ہشام بن عروۃ کے بارے میں تھے۔لیکن یہاں تو غیر مقلدین بڑی دلیری سے کہہ رہے ہیں۔

لیکن علامہ ذہبی کا قول صحیح نہیں متقدمین کے علاوہ علامہ ذہبی کے بعد ہونے والے اہل علم نے بھی اس سے اتفاق نہیں کیا۔(توضیح الکلام از ارشاد الحق اثری غیر مقلد)

اور اس سلسلہ میں کچھ بحث پیچھے گذر چکی ہے۔ارشاد الحق اثری صاحب مزید فرماتے ہیں۔

ابو اسحاق کے اختلاط و تغیر کو جانے دیجئے۔علامہ ذہبی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔اور آئمہ فن کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ ایسے سئی الحفظ راوی کی روایت جب ثقات کی مخالفت میں ہو تو قابل قبول نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔

لہذا تغیر و اختلاط کا حکم ایک ہے بلکہ ضعیف الحفظ کی روایت جو ثقات کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں تو راوی خواہ مختلط ہو یا متغیر یا سی الحفظ کی اعتبار سے اس کی ایسی روایت مقبول نہیں ہوگی۔(توضیح الکلام)

اور پھر اس کتاب میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح یا جید ہو سکتی ہے۔جبکہ اس کی سند میں ابو اسحاق مدلس اور یہ روایت معنعن ہے اور مدلس کی روایت معنعن روایت بالاتفاق صحیح نہیں ہوتی۔۔۔۔(توضیح الکلام)

تو جناب عالی یہی عبارات آپ ہشام بن عروہ کی طرف لوٹائیں اور پھر ثابت کریں کہ اس کی یہ روایت صحیح ہے؟

کیا اس راوی کا حافظہ آخر عمر میں کمزور نہیں ہو گیا تھا؟

اگر نہیں تو دلائل سے ثابت کریں اور اگر جواب ہاں میں ہے تو بقول مولوی ارشاد الحق

اثری یہ راوی ضعیف ٹھہرا۔

امام ابواسحاق پر سوائے تغیر فی الکبر اور تدلیس کے کوئی جرح ثابت نہیں۔وہ راوی تو آپ کے نزدیک ضعیف ٹھہرا باوجود امام ذہبی کے کہنے کے کہ وہ ہرگز مختلط نہیں ہوا جبکہ وہ ہی جرحیں ہشام پر ثابت ہورہی ہیں۔تو وہ صحیح اور ثقہ ہی ہے۔اور یہاں امام ذہبی کا فرمانا بھی بادلیل معلوم ہوا جبکہ ابواسحاق کے بارے میں وہی فرمان بے دلیل تھا۔ سبحان اللہ ! یہ کہاں کا انصاف ہے اور یہ عدل کی کون سی قسم ہے۔

اب آپ کا یہ لکھنا۔لیکن شائد آپ یہ بھول گئے کہ یہ مراسلہ آپ نے کسی کو بھیجنا بھی ہے۔اشتہار بنا کر اپنی مساجد میں نہیں لگانا۔۔۔۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص۲۰)

جناب اگر یہ مساجد میں اشتہار لگا ہوتا تو آپ کے مطالعہ اور علمیت کا بھرم ہم پر نہ کھلتا آپ کے پاس گیا تو آپ کی علمیت بھی آشکارہ ہوگئی۔اور آپ کا تغیر و مختلط کے فرق کے نہ جاننے کا بھی پتہ چل گیا۔

اگر ہشام کے مختلط ہونے کا انکار امام ذہبی نے کیا ہے تو کیا ابواسحاق کے مختلط ہونے کا انکار نہیں کیا لیکن پھر بھی آپ کے بزرگ ابواسحاق کی روایت کو اسی سبب کے تحت رد فرما رہے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

جناب حافظ عبدالمنان صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

اور ایک راوی ابواسحاق مختلط اور مدلس ہے جو اس کو بصیغہ عن روایت کر رہا ہے اور مختلط اور مدلس کی روایت کا حکم از روئے اصول حدیث ہم پہلے بیان کر آئے ہیں (تعداد تراویح ص۱۰۴)

اگر امام ذہبی نے میری کوشش پر خود ہی پانی پھیر دیا ہے تو پھر حافظ صاحب کی کوشش پر کیوں پانی نہیں پھرا؟

اب آپ کا فرمانا کہ

''بڑھاپے میں حافظے کا متغیر ہو جانا تو عیب ہی نہیں''۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۰۔۲۱)

عجیب بات ہے جبکہ محدثین نے تو اس کو عیب تصور کیا۔ جیسا کہ پیچھے باحوالہ گذر چکا ہے اور امام خطیب بغدادی تحریر فرماتے ہیں۔

باب ما جاء فی ترک السماع ممن اختلط و تغیر ۔ (الکفایہ ص ۱۶۵)

باب اس بیان میں کہ مختلط و تغیر سے سماع نہ کیا جائے۔

اگر یہ عیب نہیں تو پھر خطیب بغدادی نے اس سے سماع کی نفی کیوں فرمادی؟ اور آپ نے میری ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

مولانا ! کہاں سے ثابت ہوا؟ ہمیں بھی تو کچھ بتایئے؟ ہم نے مان لیا کہ ہشام بن عروہ کے حافظہ میں اس کی آخری عمر میں تبدیلی آ گئی تھی۔ لیکن یہ آپ نے کہاں سے ثابت کیا کہ یہ روایت اس کی آخری عمر کی ہے۔ اس کی دلیل بیان کیجئے بلا دلیل کوئی بات یہاں نہیں چلے گی ـ ـ ـ ـ ـ ـ (آپ کے الفاظ ص ۲۱)

الحمدللہ یہ تو آپ تسلیم کر چکے کہ ہشام کا حافظہ اس کی آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا۔ لیکن آپ یہ تسلیم نہیں کر رہے کہ یہ روایت اس کی آخری عمر کی ہے۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا۔ افسوس کہ آپ نے میرا مراسلہ بغور دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی اور اگر کی ہے تو پھر سمجھنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ میں نے با دلیل ذکر کیا تھا لیکن آپ اب مجھ سے دلیل طلب فرما رہے ہیں اور میری بات کو بغیر دلیل کے کہہ کر رد کر رہے ہیں۔ میرا مراسلہ صفحہ نمبر ۶ ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کو دلیل معلوم ہو آپ کی آسانی کیلئے دوبارہ دلیل دے رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں۔

قدم الکوفة ثلاث مرات قدمة کان یقول حدثنی ابی ۔ قال سمعت

عائشة و الثانية فكان يقول اخبر نی ابی عن عائشة : قدم الثا لثة فكا ن يقول : ابـی عـن عـائشة ، يـعنی يرسل عن ابيه ..... (میزان ص ۳۰۱، ۳۰۲۔ ج ۴)

(مراسلہ نمبر ۱ ص ۵)

وہ کوفہ تین مرتبہ آیا پہلی مرتبہ آیا تو کہتا تھا کہ میرے باپ نے مجھے حدیث پہنچائی انہوں نے کہا کہ میں نے عائشہ سے سنا۔ دوسری مرتبہ آیا تو کہتا تھا کہ میرے باپ نے مجھے حضرت عائشہ سے خبر دی اور تیسری مرتبہ آنے کے بعد کہتا تھا۔ میرے باپ سے وہ عائشہ سے یعنی وہ باپ سے ارسال کرتا تھا۔

یعنی ارسال اس نے آخری عمر میں شروع کیا اب یہ دیکھیں کہ جو آپ نے حدیث پیش کی ہے۔ وہ ان تینوں حالتوں میں سے کس حالت کے ساتھ خاص ہے پہلی دوسری کے ساتھ یا پھر تیسری کے ساتھ آپ نے جو سند نقل فرمائی وہ اس طرح ہے۔

عـن هشـام بـن عروة عن ابيه عن عائشة عن الحسن بن علی : قال .....

(آپکے الفاظ [نمبر ۲])

اب آپ ہی غور فرمائیں کیا یہ الفاظ ہشام کے تیسری مرتبہ کوفہ آنے کے بعد پر دلالت نہیں کرتے۔ اور آپ بار بار دلیل طلب فرما رہے ہیں۔ کیا سند ہی میری بات کی واضح دلیل نہیں کہ یہ طریقہ ہی اس کی آخری عمر میں حدیث بیان کرنے کا طریقہ ہے۔ آپ نے آگے بھی اس پر دلیل طلب کی ہے۔ افسوس ہے کہ آپ اتنا بھی شعور نہیں رکھتے کہ جب محدثین کہہ رہے ہیں۔ یہ ''عن'' کا طریقہ اس نے تیسری مرتبہ آنے پر اپنایا ہے۔ اور ''یہ عن'' کا طریقہ اس سند میں مذکور ہے اور آپ اب بھی بضد ہیں کہ یہ روایت اس کی اوائل عمر کی ہے۔

ع این چہ ابو العجبی ایست

ثابت یہ ہوا کہ یہ تغیر الحافظ و مختلط راوی ہے۔ اور ایسے راوی کی روایات ضعیف ہوتی

ہیں۔ جبکہ اس حالت میں بیان کی گئی ہوں اور یہ روایت یقیناً آخری عمر کی ہے؟

ہشام پر دوسرا اعتراض !

اس راوی پر دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ راوی مدلس ہے اور مدلس راوی جب عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ نا قابل قبول ہوتی ہے۔ اور یہ روایت چونکہ عن کے ساتھ ہے۔ لہٰذا مردود ٹھہرے گی اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

آپ نے اس پر طویل غیر متعلق اور غیر ضروری گفتگو فرمائی جو کہ ایک علامہ تو بہر حال نہیں لکھ سکتا۔ آپ نے میری عبارت پر پچھلی عبارت کیطرح بغیر سوچے سمجھے پھر عجیب سا سوال کر دیا جس سے آپ کی علمیت چمک چمک کر اپنا حال بیان فرما رہی ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا۔

سبحان اللہ! لوا اپنے ہی دام میں صیاد آ گیا۔

حضرت! آپ نے مذکورہ بالا قول نقل کر کے یہ کوشش کی ہے کہ اس حدیث کو ''مدلس'' قرار دیا جائے کیونکہ اس میں ایک مدلس راوی ہے جو عن سے بیان کر رہا ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۱، ۲۲)

واہ یہاں آپ کے علم کی داد دینی پڑتی ہے جناب عالی! کہاں یہ عبارت اور کہاں میرا استدلال یہ عبارت اگر چہ میرے استدلال کی دلیل بن سکتی ہے لیکن شائد آپ کو علم نہیں کہ مدلس راوی کیلئے تاریخ کی قید نہیں اس کی ہر عنعن روایت رد کر دی جائے گی وہ اوائل عمر کی ہو یا آخری عمر کی۔ جیسا کہ حافظ محمد گوندلوی نے لکھا ہے۔ ''صحیح یہ ہے کہ مدلس کا عنعنہ مطلقاً قبول نہیں۔ مؤلف کی اصول حدیث سے بے خبری ہے''۔ (التحقیق الراسخ ص ۱۹۷)

آپ نے جب اس راوی کو مدلس تسلیم فرمالیا اور آپ کو یہ بھی تسلیم کہ اس روایت میں عن سے وہ روایت کر رہا ہے تو اب اس کے رد کرنے میں کونسی چیز مانع ہے۔؟

اس کے آگے آپ نے بالکل بچگانہ بحث کی ہے اور اصول حدیث سے بالکل بے خبری کا مظاہرہ کیا ہے۔ کیا کہا جائے کہ آپ جیسے لوگ بھی اپنے آپ کو مجتہد منوانے کی کوشش میں ہیں۔ آپ اپنی عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ آپ نے کیا کچھ لکھا ہے اور کیا اس کا علم کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہے۔

آپ نے لکھا ہے

لیکن قول آپ کے ہی خلاف چلا گیا دیکھیں اس قول سے کیا ثابت ہو رہا ہے۔ یہی نا کہ ہشام بن عروہ تین مرتبہ کوفہ آئے پہلی مرتبہ آئے تو تدلیس نہیں کی بلکہ ''حدثنی'' کے لفظ بولتے تھے۔ دوسری مرتبہ آئے تو پھر بھی تدلیس نہیں کی بلکہ ''اخبرنی'' کے لفظ بولتے تھے جب تیسری مرتبہ آئے تو پھر تدلیس کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس اصول سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ عراق جانے سے قبل ان پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں تھا جیسے کہ آپ کی عبارت :لم ینکر علیہ شئی: بتا رہی ہے اور تدلیس کا اعتراض ہوا بھی تو اس وقت ہوا۔ جب وہ تیسری مرتبہ کوفہ آئے۔۔۔۔ اب آیئے اس حدیث کی طرف۔ اس حدیث میں تدلیس کا اعتراض اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ ہشام بن عروہ نے یہ حدیث اس وقت بیان کی تھی کہ جب وہ تیسری مرتبہ کوفہ آئے۔

یہ ثابت کرنا آپ کے ذمہ قرض ہے۔ ثابت کیجئے گا۔... (آپ کے الفاظ ص ۲۲)

پہلے نمبر پر تو عرض یہ ہے کہ شائد آپ کے علم میں نہیں کہ مدلس راوی کا عنعنہ مطلقاً مردود ہوتا ہے۔ اس میں تاریخ اور دیگر اشیا نہیں دیکھی جاتی بالفرض محال یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ حدیث عنعنہ تدلیس سے پہلے کی ہے تب بھی مردود ہوگی۔ جیسا کہ ابھی آپ کے حافظ محمد صاحب کے حوالے سے گذرا وہ اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال تھا۔

یہ تدلیس کا عیب اولاً تو نقصان دہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ مدلس کی اس روایت بیان کردہ میں تدلیس ہو۔۔۔

تو حافظ صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر کیا۔

صحیح یہ ہے کہ مدلس کا عنعنہ مطلقاً قبول نہیں مولف کی اصول حدیث سے بے خبری ہے۔
(التحقیق الراسخ ص ۱۹۷)

یہ روایت چونکہ عن کے ساتھ ہے لہٰذا مطلقاً قبول نہیں ہوگی آپ کا اتنا لمبا چوڑا درس دینا بے کار ثابت ہوا۔ اصول حدیث کی کسی معتبر کتاب سے یہ لکھیں کہ مدلس کا عنعنہ تدلیس سے پہلے کا مضر نہیں ہے تب تو کچھ بات ہے ورنہ صرف لکھ دینے سے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

اور ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح یا جید کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اسی کی سند میں ابو اسحاق مدلس ہیں۔ اور یہ روایت معنعن ہے اور مدلس کی روایت معنعن روایت بالاتفاق صحیح نہیں ہوتی ۔۔۔۔۔
(توضیح الکلام ص ۴۱۰ ج ۲)

اب آپ کا یہ کہنا کہ یہ عراق آنے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا قابل قبول ہے کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے۔ اگرچہ آپ کا یہ دعویٰ بھی کم علمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ تو آپ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ عن کے ساتھ اس راوی نے اپنے والد سے اسی وقت روایت کی ہے جب وہ تیسری مرتبہ بغداد آیا تھا۔ اور یہ روایت بھی چونکہ عن کے ساتھ ہے لہذا یہ بغداد آنے کے بعد کی ہوسکتی ہے۔ اور پھر اس راوی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ خلیفہ منصور کے دور میں بغداد آیا تھا۔ تو خلیفہ منصور کا دور تقریباً ایک سو سینتیس ھجری کو شروع ہوتا ہے۔ جبکہ موسیٰ بن عقبہ ۱۴۱ھ کو وفات پاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے۔

لہٰذا موسیٰ بن عقبہ کا ۱۴۱ھ کو وفات پانا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ روایت اس نے

بغداد جانے سے پہلے ہی سنی ہے اور کیا یہ آپ ثابت فرما سکتے ہیں کہ موسیٰ بن عقبہ کبھی بھی بغداد نہیں گیا۔ اگر ثابت فرمادیں تب تو کچھ بات بنے ویسے میں پہلے عرض کر چکا کہ یہ تمام اشیاء اگر چہ ثابت بھی ہو جائیں تو بھی میرے دعوے پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں کیونکہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ مدلس کا عنعنہ مطلقاً مردود ہوتا ہے۔ روایت تدلیس سے پہلے کی ہو یا بعد کی اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

اس حدیث کے متن پر جو اعتراض قائم ہو گیا ہے اور آپ کے ہم مسلک مولوی کی زبانی میں نے ثابت کر دیا کہ یہ روایت متناً صحیح نہیں ہے۔۔۔

اور آپ کا یہ کہنا۔ اور یہ کسی بھی صحیح حدیث کے مخالف نہیں۔ (ص ۲۴)

سرتاپا غلط ہے یہ کئی صحیح احادیث کے خلاف ہے جن میں بعض کا ذکر میں پچھلے صفحات میں مولوی عبدالرؤف غیر مقلد کے حوالہ سے کر آیا ہوں اگر اور کوئی دیکھنی ہوں تو ملاحظہ فرمائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۲ ج ۲، جامع المسانید ص ۲۲۳ ج ۱، دارقطنی ص ۳۲ ج ۲ سنن الکبریٰ ص ۴۱ ج ۳ مصنف عبدالرزاق ص ۱۲۰ ج ۳، ابوداؤد ص ۲۰۲ ج ۱ نسائی ص ۲۴۸ ج ۱، ابن ماجہ ص ۹۴، المنتقی ص ۱۰۳، فتح القدیر و بخاری اور طحاوی وغیرہ۔

اور میرے اس کہنے پر کہ ہو بھی صرف ایک: آپ نے بڑا زور لگایا کہ کیا مسئلہ کے ثبوت کیلئے دو یا اس سے زیادہ روایتوں کا ہونا شرط ہے۔ جناب عالی! جب مسئلہ اختلافی ہو ایک طرف صرف ایک روایت اور وہ بھی مجروح ہو جبکہ دوسری طرف زیادہ اور صحیح غیر مجروح ہوں تو کیا اس ایک مجروح کو راجح کیا جائے گا؟ (یاللعجب)

آگے آپ نے مجھ سے مطالبہ فرمایا۔

آپکی اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ آپ کے پاس "وتروں میں رکوع سے قبل" دعائے قنوت پڑھنے کے ثبوت میں احادیث کا پورا ذخیرہ ہے۔ جناب ہمیں بھی تو

بتایئے کہ ''ذخیرہ'' کونسا ہے؟ چلئے آپ کی سہولت کیلئے عرض کئے دیتا ہوں کہ اس ذخیرہ سے دس صحیح مرفوع احادیث نقل فرمادیں۔ بہت مہربانی ہوگی۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۴)

الحمدللہ ہمارے پاس ذخیرہ ہے اور وقت آنے پر بتایا بھی جائے گا۔ آپ اتنے بے صبرے کیوں ہوتے جارہے ہیں۔ پہلے آپ کے غبارے سے ہوا تو پوری نکل لے۔ کہاں دو یا زیادہ مسئلہ کے ثبوت پر طنز اور کہیں دس کا مطالبہ کیا بات ہے آپ کے عدل وانصاف کی آپ مجھے لکھیں کہ آپ سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوسکا پھر اس مسئلہ پر عمل چھوڑ کر میرے پاس تشریف لائیں۔ پھر اس ذخیرہ احادیث کی زیارت فرمائیں۔ انشاءاللہ ہم بھاگیں گے نہیں۔ ہم آپ کی طرح دعویٰ آسمان اور دلیل زمین بلکہ تحت السریٰ پیش نہیں کریں گے۔

حرف آخر

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ اس روایت کو صحیح نہیں کہے گا۔ مگر اصول حدیث سے ناواقف یا ہٹ دھرم۔ یہ حدیث شاذ ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں بالتفصیل گزر چکا ہے۔

اس کا ایک راوی مدلس ہے اور یہ روایت عن کے ساتھ ہے لہذا مردود ہے (کمامرّ)

اس کے رواۃ پر مفسر جرح ثابت ہو چکی ہے اور جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے خود بھی تسلیم کیا ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ومجروح ٹھہری۔

لہذا اگر دل میں خوف خدا اور آنکھوں میں شرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو پھر اب اپنے وعدہ کے مطابق قنوت قبل الرکوع شروع فرمادیں ورنہ آپکے پاس عذر کوئی نہیں رہا۔

قول امام حاکم :۔

امام حاکم کے قول کے تحت آپنے پھر بے اصولی کی انتہا فرمادی۔ کہاں ایک روایت میں انقطاع اور کہاں کسی مدلس راوی کی مدلس روایت کا حکم آپ دوبارہ اصول حدیث کی

کتب کی طرف رجوع فرما کر مدلس کے احکامات پڑھیں تا کہ آپ پر مسئلہ واضح ہو جائے اور آپ کی الجھن دور ہو سکے۔

ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا

اس کے تحت آپ نے فجر میں قنوت نازلہ کو دعائے قنوت بنا دیا۔ قنوت نازلہ اور دعائے قنوت میں آپ کو فرق معلوم ہی نہیں ہے۔ محترم فجر میں قنوت نازلہ ہوتی ہے۔ اور وہ خود آپ تسلیم کر چکے ہیں صرف ایک مہینہ پڑھی گئی۔ اور پھر صرف فجر کی کیا بات وہ تو تمام نمازوں میں ہی پڑھی گئی تھی آپ نے جو روایت پیش فرمائی۔

عن انس قال رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کلما صلی الغداۃ رفع یدیہ یدعو علیھم یعنی علی الذین قتلوھم ...

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب صبح کی نماز پڑھتے تو ہاتھ اٹھاتے اور قاتلین قراء کیلئے بددعا کرتے۔ (آپکے الفاظ ص۲۶)

میں نے اس پر محاکمہ کیا تھا کہ آپ نے سنن الکبرٰی سے یہ روایت کیوں پیش کی ہے تو وہ دراصل اس لئے تھا کہ آپ کو اور دیگر حضرات کو معلوم ہو سکے کہ صحیحین تو کجا آپ کے پاس اس سلسلہ میں صحاح ستہ کی بھی کوئی روایت نہیں ہے۔

اے کاش کہ آپ حضرات کا معاملہ ہر جگہ اور ہر مسئلہ میں ایک جیسا ہوا کہیں تو مستقل کتب تصنیف ہو رہی ہیں کہ صحیحین کے مقابلہ میں غیر کی روایت کردہ احادیث بغیر کسی وجہ کے مرجوح ہونگی اگر چہ سند ایک جیسی ہی کیوں نہ ہو اور کہیں پہ صحیحین کے مقابلہ میں سنن الکبرٰی کو راجح قرار دیا جا رہا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ثناء اللہ زاہدی غیر مقلد کی کتاب احادیث الصحیحین بین

الظن والیقین صحیح بخاری میں تو بعد از رکوع دعائے قنوت کا ہی انکار منقول ہے چہ جائیکہ اس میں ہاتھ اٹھانا۔

کیا ہماری یہ شرط تھی کہ ہم جو بھی حدیث پیش کریں گے صحیحین سے پیش کریں گے؟ (آپ کے الفاظ ص ۲۶)

اگر یہ شرط نہیں تھی تو یہ شرط تو بہر حال تھی کہ پیش کردہ حدیث صحیح ہوگی کیا آپ اس شرط پر پورے اترے ہیں اگر اترے ہیں ۔تو دلیل دیں اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ یہ بات کیوں کر رہے ہیں۔

آپ سنن بیہقی کا انکار کردیں کہ سنن بیہقی میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۶)

اگر سنن بیہقی میں کوئی حدیث صحیح ہی نہیں ،کوئی نہیں کہہ سکتا۔تو کیا آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ سنن کی یہ حدیث صحیح ہے۔یا کم از کم اپنی ہی پیش کردہ موید ہ حدیث کے رواۃ کی ہی ثقاہت بدلائل ثابت فرمادیتے تا کہ عام دوستوں کو آسانی ہو جاتی۔

اس حدیث پر دوسرا اعتراض

میں نے لکھا تھا کہ پھر آپ نے دلیل بھی دی تو کونسی بات وتروں میں دعائے قنوت کی ہو رہی ہے اور آپ دلیل دے رہے نماز فجر کی۔جس پر آپ نے تحریر فرمایا۔

حضرت !اگر آپ نے اپنے دل سے زنگ اُتار کر میری دلیل کو پڑھا ہوتا تو آپ کو یہ جملہ لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی ......(آپ کے الفاظ ص ۲۷)

سبحان اللہ! یہ ہوئی نہ بات کہ ’’الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے‘‘ زنگ تو اپنے قلب پر ہے اور طعنہ دیا جا رہا ہے ہمیں کیا آپ نے جو دلیل دی وہ نماز فجر کے بارے نہیں ہے اور کیا

اصطلاح محدثین وفقہاء میں اس کو قنوت نازلہ نہیں کہا جاتا۔ میں نے کونسی انہونی بات کہہ دی ہے پھر آگے آپ نے اپنے مسلک کا خون ہی تو کر دیا بلکہ بیڑا ہی غرق کر دیا۔ صحیح بخاری کی روایت حضرت انس پیش کی۔ جواب تک آپ کے تمام مضمون کے مخالف ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (اپنامراسلہ ص ۲۷)

اس حدیث میں دعا کا ذکر ہے جس سے ''دعائے قنوت'' مراد ہے جیسے بخاری میں اس کی وضاحت ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۷)

اس حدیث میں دعا نہیں بلکہ بدعا کا ذکر آپ نے بدعا کو دعا بنادیا۔ جس سے دعائے قنوت نہیں بلکہ قنوت نازلہ مراد ہے۔ اور بخاری میں اس کی وضاحت ہے۔ جیسا کہ مولوی عبدالرؤف غیر مقلد نے بھی تصریح کی ہے۔ اس نے لکھا ہے۔

وتر میں قنوت کا محل رکوع سے قبل ہے اور اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے مؤلف نے حاشیہ میں جو روایات ذکر کی ہیں ان کا تعلق حوادث نازلہ سے ہے۔ قنوت وتر سے نہیں۔۔
(صلوۃ الرسول از مولوی صادق سیالکوٹی تخریج عبدالرؤف غیر مقلد ص ۳۹۴)

آپ مجھے طعنہ دے رہے ہیں کہ آپ اس عبارت سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکے (آپ کے الفاظ)

حالانکہ سمجھے تو آپ خود نہیں اور اپنا موقف ثابت کرنے کی بجائے رد کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں آپ کی مکمل عبارت لکھ کر اس پر تبصرہ کروں گا۔ انشاء اللہ ۔ جس سے حق واضح ہو جائے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حدثنا مسدد قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا عاصم قال سألت انس بن مالک عن القنوت فقال قد کان القنوت قلت قبل الرکوع او بعدہ قال

قبلہ قال فان فلاناً اخبرنی عنک انک قلت بعد الرکوع فقال کذب انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الرکوع شہرا أراہ کان بعث قوماً یقال لھم القراء .... فقنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھرا یدعو اعلیھم۔ (بخاری ج ا ص ۱۳۶، آپ کے الفاظ)

عاصم نے کہا میں نے انس بن مالک سے قنوت کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا قنوت ہوسکتی ہے میں نے کہا رکوع سے پہلے یا بعد؟ انہوں نے کہا رکوع سے پہلے میں نے کہا فلاں نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے رکوع سے بعد کہا ہے کہنے لگے اس نے جھوٹ بولا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت کی آپ نے ایک قوم کو بھیجا جن کو قراء کہا جاتا تھا۔۔۔۔۔۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ قنوت کی ان کیلئے بدعا کرتے تھے۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۷)

ع ... لو اپنے ہی دام میں صیاد آ گیا

جناب آپ پہلے تو سارا زور لگا کر ثابت فرما رہے تھے کہ قنوت بعد الرکوع ہے۔ اب آپ خود ہی نقل فرما رہے ہیں کہ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ جو یہ کہتا ہے کہ قنوت بعد الرکوع ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ روایت لا کر آپکے مذہب کی بنیاد ہی اکھاڑ دی ہے۔ بعد رکوع صرف ایک مہینہ قنوت نازلہ پڑھی گئی بعد میں ترک کردی گئی جیسا کہ مسند امام احمد کی روایت ہے۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت شھرا ثم ترکہ۔

تخریج حدیث: رواہ احمد ج ۳ ص ۱۹۱ برقم ۱۳۰۲۱ و ص ۲۴۹ برقم ۱۳۶۳۶ و ص ۲۵۲ برقم ۱۳۶۷۶۔

کمافی نیل ص ۳۲۷ ج ۲

(وفی لفظ قنت شهرا یدعو علی احیاء من احیاء العرب ثم ترکه (رواہ احمد ج۳ ص ۱۱۵ برقم ۱۲۱۷۴ اللفظ سواء ومسلم ج۱ص ۲۳۷ لفظ لہ۔ والنسائی ج۱ص ۱۶۴۔ وابن ماجہ کمافی نیل الاوطار ص ۳۴۷ ج ۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت (نازلہ) پڑھی پھر ترک فرمادی۔ اور بعض روایتوں میں الفاظ ہیں ایک مہینہ عرب کے بعض قبائل کے خلاف دعا[لہ] کیلئے قنوت نازلہ پڑھی پھر ترک فرمادی۔

جناب ثابت ہوا کہ فجر و دیگر نمازوں میں بعد از رکوع قنوت صرف ایک مہینہ قنوت نازلہ پڑھی گئی بعد میں ترک کر دی گئی یعنی منسوخ ہوگئی جیسا کہ دوسری روایت میں صراحت ہے۔

عن ابن عمر انه سمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا رفع راسه من الرکوع فی الرکعة الآخرة من الفجر یقول : اللّٰهم العن ....
فانزل اللّٰه تعالیٰ ولیس لک من الا مرشئی۔۔۔ (رواہ الاحمد والبخاری) ہے برقم (۴۵۵۹)

یعنی حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب آپ فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے۔۔۔۔۔ پس۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شوکانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والحدیث یدل علی نسخ القنوت۔۔۔۔۔ (نیل الاوطار ص ۳۴۸،۳۴۹ ج ۲)

تو جناب ثابت ہوا۔ کہ فجر کی نماز میں بعد از رکوع دعائے قنوت معروفہ نہیں بلکہ قنوت نازلہ ہے۔ اور یہ ایک بار پڑھی گئی پھر ترک کردی گئی اب یہ سنت نہیں ہے جو کرتا ہے بغیر نازلہ کے وہ سنت پر عمل نہیں کرتا بلکہ منسوخ چیز پر عمل کرتا ہے۔ بلکہ بعض صحابہ تو اس کو

[لہ] قبائل کے خلاف دعا کیلیے.....

بدعت کہتے ہیں۔ (کذافی تلخیص الحبیر ونیل الاوطار وغیرہ عن الدارقطنی وبیہقی وغیرہ)

لہٰذا جب فجر میں قنوت کا ثبوت ہی مشکوک بلکہ منسوخ ہے تو پھر اس میں ہاتھ اٹھانا کہاں سے ثابت ہوگا۔

پلٹ کے سوئے چمن دیکھنے سے کیا حاصل
وہ شاخ ہی نہ رہی جو تھی آشیاں کیلئے

لہٰذا جب بنیاد ہی نہ رہی تو دیوار کہاں سے ثابت ہوگی۔۔۔آپ نے خود صحیح بخاری کے حوالہ سے ثابت فرمادیا کہ فجر میں تو قنوت صرف ایک ماہ پڑھی گئی بعد میں ترک کر دی گئی۔اور جس راوی سے آپ نے ہاتھ اٹھانا ثابت کیا اسی راوی سے آپ نے جھوٹ کا لفظ بھی نقل کر دیا جب قنوت ہی نہ رہی تو اس میں ہاتھ اٹھانا بھی نہ رہا۔نہ رہا بانس نہ بجے بانسری

اور اب دیکھئے یہ وہی حدیث ہے یعنی قراء کے واقعہ والی اور ان دونوں احادیث کے صحابی بھی ایک ہیں۔یعنی انس بن مالک اور اس بخاری کی حدیث میں واضح طور پر فقنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شھرا۔۔۔(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت کی) کے لفظ ہیں اور ان دونوں احادیث کو ملانے سے معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع یدین ''دعائے قنوت'' میں تھا۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۲۸)

جب آپ مان رہے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی روایت ہیں تو جب ایک چیز کا نسخ ثابت ہو گیا تو دوسری اب تک کیوں قائم ہے؟ جب یہ رفع یدین بقول آپ کے دعائے قنوت میں تھا تو جب دعا ہی نہ رہی تو رفع یدین کیسے رہ گیا۔جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ آپ خود ہی مان گئے ہیں کہ یہ حکم صرف ایک مہینہ تک تھا اب نہیں،نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کیا بلکہ ترک فرمادیا اب یہ سنت نہ رہا۔

اور آپ نے مزید گل کھلائے۔

اس حدیث میں (۱) قنت کا لفظ عام ہے چاہے وہ قنوت فجر میں ہو ظہر میں ہو، عصر میں ہو، مغرب میں ہو، عشاء میں ہو یا وتر میں ہو، ہر صورت رفع الیدین والا حکم آجائے گا کیونکہ قنت کا لفظ عموم پر دلالت کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۸)

جناب جب سوائے وتر دوسری تمام نمازوں میں قنوت سنت ہی نہ رہی تو رفع یدین کا حکم کیسے آجائے گا؟ اور پھر یہ عام والا مسئلہ بھی آپ نے عجیب چھیڑ دیا ہے۔ پہلے آپ اپنی مویدہ حدیث کو ثابت تو کرلیں پھر عمومیت کا دعویٰ بھی فرمالیں۔ قبل از وقت دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ اور پھر جو آپ نے دلیل دی تھی اس میں تو ''قنت'' کا لفظ ہی نہیں ہے تو عام کیسے ہو گیا۔

اور حدیث بخاری میں قنت کا لفظ لیکن اس میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ اور اگر آپ فرمائیں کہ ایک میں قنوت کا لفظ ہے اور دوسری میں رفع یدین کا اور جب دونوں کو ملایا جائے تو قنوت کے وقت رفع یدین ثابت ہو جاتا ہے۔ تو ایسی بات صرف آپ جیسا غیر مقلد ذہن کا آدمی ہی کہہ سکتا ہے کوئی علم حدیث جاننے والا تو نہیں کہہ سکتا۔

اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جو کام نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ کیا اس کے بارے میں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین فرمایا تھا لیکن جو پوری عمر (وتروں میں قنوت) کیا اس میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے نہ دیکھا کہ آپ نے رفع یدین فرمایا تھا۔ آپ کے پاس وتروں کی قنوت میں عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی دلیل صحیح مرفوع حدیث سے ہرگز ہرگز نہیں ہے تو۔ ''ھا تو ا بر ھانکم ان کنتم صادقین''۔ لیکن آپ قیامت تک دلیل نہیں دے سکتے۔

فا ن لـم تفعلو ا ولن تفعلوا فا تقوا النار التی اعدت للکافرین ۔۔۔ یہ اٹکل پچو لگانے سے بات نہیں بنے گی۔ ایسی کچی اور بلا دلیل بات کرنے پر آپ جوش تحریر میں

آ کر لکھ رہے ہیں۔

اب آپ کے اصول سے ہی وتروں کی قنوت میں رفع یدین کا اثبات ہو رہا ہے یا تو اپنے اصول کو غلط کہیں اور حنفیت سے کفر کریں یا پھر اس کا حکم مانیں ۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۸)

کہاں آپ نے ثابت کر دیا بلکہ آپ نے خود ہی اپنے مسلک سے کفر کر دیا کہ ثابت کرنے کی بجائے الٹا اس کا رد صحیح بخاری سے کر دیا۔

اور پھر حضرت آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ حنفیت تو ہے ہی کفر کی ضد، حنفیت سے کفر تو یہود و نصاریٰ کے بعد شائد آپ نے ہی کیا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو خدا کی پاک کتاب اٹھا کر حضرت ابراہیم کے بارے میں پڑھیں کہ وہ حنفی تھے یا کہ نہیں۔ دین حنیف کے ماننے والے تھے یا کہ نہیں۔

ہم الحمدللہ! حنفیت کا حکم مانتے ہیں اس کا یہ قانون بھی صحیح ہے کہ العام کالنص ۔۔۔۔ لیکن آپ اس کے مطابق اس کو ثابت تو فرمائیں۔ پھر ہمارے قانون بھی یاد کرا لینا۔

اور پھر آپ نے قنوت نازلہ پر عمل کے بارے میں لکھا۔

کبھی ہماری مساجد آنے کی تکلیف گوارہ کی ہو تو پتہ چلے آپ کے مذہب میں اہلحدیثوں کی مساجد میں جانا ہی حرام ہے آپ کو کیسے پتا چلے گا کہ اہلحدیث قنوت پڑھتے ہیں یا نہیں۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص ۲۸)

کئی دفعہ اتفاق ہوا اور آپ کے اس عبارت لکھنے کے بعد بھی قصداً کئی مساجد میں صرف یہ دیکھنے گیا لیکن ہر مسجد میں آپ کا جھوٹ ظاہر ہوا۔ اگر یہ سنت ہے تو ہر روز پڑھنی چاہئے۔ اور اگر سنت نہیں تو کبھی بھی نہیں پڑھنی چاہئے۔

اگر آپ پڑھتے ہیں تو منسوخ احادیث پر عمل کر کے اپنے مذہب کا بیڑا غرق کر رہے

ہیں۔اور اگر نہیں پڑھتے تو پھر یہ آپ کی بات غلط ہے۔اگر آپ ہر روز پڑھتے ہیں تو پھر اس کے دلائل کی ضرورت ہے اور کونسی دعا پڑھتے ہیں۔وہی جو آپ نے لعنۃ علی الکفار والی لکھی ہے یا کوئی اور؟ اور وہابیوں کی مساجد میں جانا کیوں حرام ہے اس کے لئے آپ اپنی عقائد کی کتب کا مطالعہ فرما کر دیکھیں۔اور پھر بتائیں۔کہ ایسے عقائد والوں کے پاس جانا جائز ہے یا حرام؟

حضرت ! میرا آپ سے وعدہ رہا آپ ہماری کسی بھی مسجد میں آ کر نماز فجر پڑھیں ہم اسی نماز میں دعائے قنوت پڑھیں گے ۔ بلکہ ہماری کئی مساجد میں فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے۔(آپ کے الفاظ ص ۲۹)

اگر میں آپ کی مسجد میں آؤں تب آپ دعائے قنوت پڑھیں گے۔یہ بھی کوئی اصول ہے؟ کہ اگر فلاں آدمی آئے تب فلاں سنت پر عمل کیا جائے گا وگرنہ نہیں ۔ یہ عجیب بات ہے۔اور پھر ہماری کئی مساجد میں ------ سے کیا مراد ہے اگر سنت ہے تو سب میں کیوں نہیں کئی میں کیوں؟ اور اگر سنت نہیں ہے تو پھر کئی میں کیوں پڑھی جاتی ہے ------۔(واضح فرمائیں)

حرف آخر

! یہ روایت دعویٰ کے مطابق نہیں ہے بات وتروں کی ہے آپ دلیل فجر کی دے رہے ہیں۔یا تو دعائے قنوت کی بھی نماز فجر میں دلیل دیتے وہ تو وتروں کی دی اور رفع یدین فجر کی نماز میں یہ کیا تک ہے۔یا تو آپ وتروں کی قنوت جیسے آجکل آپ حضرات پڑھتے ہیں اس کا ثبوت مہیا فرمائیں یا پھر وعدہ کے مطابق اس پر عمل چھوڑ دیں۔

حدیث کی سند کے رواۃ پر اعتراضات

اس حدیث کی سند کے راویون پر میں نے جرح نقل کی تھی۔

(۱) علی بن صقر بن نصر

اس راوی کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں۔ لیس بالقوی -----

(میزان الاعتدال ص۱۳۲ ج ۳)

اس کا ترجمہ میں نے کیا تھا دارقطنی نے کہا یہ ضعیف ہے۔ جس پر آپ نے اعتراض کیا۔ امام دارقطنی کے لفظ "لیس بالقوی" کا ترجمہ آپ نے کیا ہے کہ "یہ ضعیف ہے" یہ ترجمہ آپ نے کہاں سے کیا۔------ (آپ کے الفاظ ص۲۹)

یہ درست ہے کہ بعض نے ان دونوں میں فرق کیا ہے لیکن کسی نے بھی لیس بالقوی کو الفاظ تعدیل میں شمار نہیں کیا۔ الفاظ جرح میں ہی رکھا ہے لیکن بعض محدثین نے لیس بالقوی کو ضعیف ہی شمار کیا ہے اس لئے میں نے اس کا یہ ترجمہ کر دیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

سالته عن ابی عبدالله الشقری ، قال : لیس با لقوی عند ی هو ضعیف

(کتاب العلل ، لامام احمد ص۲۳۴۔ الدار السلفیہ بومبای الہند)

لہٰذا ثابت ہوا کہ لیس بالقوی ضعیف کو ہی کہتے ہیں اور یہ تو آپ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ درجہ فی حدیث ضعف کے برابر ہے۔ اس کو آپ ثقہ تو ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اور ایسے شخص کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے آٹھویں طبقہ میں رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

الثامنة . من لم یو جد فیه توثیق ،لمعتبر و وجد فیه اطلاق الضعف ولولم یفسرو الیه الاشارة بلفظ ضعیف --- (مقدمہ تقریب ص۱۰)

اور آٹھواں طبقہ وہ ہے کہ جس کے بارے، میں معتبر توثیق نہ پائی جائے اور اس کی تضعیف کی جائے اگرچہ واضح نہ ہو۔ (غیر مفسر ہو) تو اس کیلئے میں نے ضعیف کے لفظ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ (یعنی وہ ضعیف ہے)

اوراس کی شرح کرتے ہوئے استاد احمد شاکر غیر مقلد نے لکھا ہے۔

فما کا ن من الثانية و الثالثة فحديثه صحيح من الدرجة الاولٰی وماکا ن من السابعة الی آخرها فضعيف علی اختلاف درجات الضعف من المنکر الی الموضوع۔۔۔۔۔۔۔۔۔(الباعث الحثیث ص۸۹)

یعنی دوسرے اور تیسرے طبقہ کے رواۃ کی احادیث پہلے درجہ یعنی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوتی ہیں۔اور ساتویں درجہ سے لیکر آخر تک تو یہ تمام ضعیف احادیث گنی جائیں گی ضعف کے طبقات میں اختلاف کے ساتھ منکر سے لیکر موضوع تک۔

یعنی ساتویں سے آخر تک کے رواۃ کی روایات ضعیف گنی جائیں گی کم ازکم منکر اور زیادہ سے زیادہ موضوع کی جرح ان پر ہوگی۔اور یہ راوی آٹھویں طبقہ میں آتا ہے لہٰذا اس کی روایت صحیح ہرگز نہیں کہلاسکتی اور ایسے راوی کی کوئی روایت بطور دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ لیس بالقوی الفاظ جرح میں دوسرے طبقہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔(عام طور پر) اوراس طبقہ کے رواۃ کی احادیث بطور تائید پیش کی جاسکتی ہیں نہ کہ بطور دلیل۔ملاحظہ فرمائیں۔

(علم رجال الحديث ص ۱۳۲ . للدكتور تقي الدين . تدريب الراوی للسيوطی ، اصول التخريج و دراسة الاسانيد للدكتو ر محمود الطحان ص ۱۴۵ ۔ المختصر الوجيز فی علوم الحديث للعجاج الخطيب ص ۱۱۳)

تو ثابت ہوا کہ ایسے راوی کی روایت بطور تائید تو پیش کی جاسکتی ہے۔بطور دلیل نہیں آپ اس کو بطور دلیل پیش کررہے ہیں۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ کے مشیر اس اصول سے ہی ناواقف ہیں یا پھر آپ ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔

آپ نے کسی بھی محدث سے اس راوی کی توثیق بیان نہیں کی۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راوی آپ کے نزدیک بھی قوی وثقہ نہیں ہے۔امام حاکم امام دارقطنی سے نقل فرماتے

ہیں۔ علی بن صقر الشکری ۔ لیس با لقوی ۔ (سوالات الحاکم للدار قطنی ص۱۲۴۔ مکتبۃ المعارف الریاض)

اور یہ تو آپ خود بھی تسلیم فرمارہے ہیں کہ یہ جرح ہے تعدیل نہیں ہے۔

یہ اتنا قوی نہیں کہ جتنا ایک اعلیٰ ثقہ کو ہونا چاہیے نہ کہ یہ ضعیف ہے۔ (آپ کے الفاظ ص۲۱)

اگر یہ ضعیف نہیں تو کیا ثقہ ہے؟ اعلیٰ ثقہ کیلئے تو ثقہ ثقہ، حجۃ، لا بل عنہ وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور جو ان سے کم درجہ کا ثقہ ہو اس کو بھی ثقہ ہی کہتے ہیں لیکن اس کو ثقہ نہیں بلکہ لیس بالقوی کہا گیا ہے۔ جو کہ قوی کی ضد ہے۔

اب آپ کا یہ لکھنا کہ۔

اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ علی بن صقر بن نصر قوی نہیں ۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص۳۰)

''اگر ہم تسلیم کرلیں'' اس اگر سے کیا مراد ہے یعنی ابھی آپ پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس بات پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ یہ راوی قوی اور ثقہ ہے۔ آخر آپ کے پاس اسکو قوی تسلیم کرنے کی دلیل کیا ہے؟ بغیر کسی دلیل کے آپ کا ابھی بھی یہ لکھنا کہ ''اگر'' صاف ظاہر ہے کہ آپ حق کے متلاشی نہیں ہیں بلکہ پرلے درجے کے ہٹ دھرم ہیں یا جاہل مطلق۔

اس کا قوی نہ ہونا اس کی حدیث میں قادح نہیں ہوگا۔ (آپ کے الفاظ ص۳۰)

کیوں قادح نہیں ہوگا صرف اسلئے کہ اب آپ کو اس سے مطلب ہے حالانکہ یہ بالکل اصول کے خلاف بات ہے جب ایک راوی ثقہ نہیں قوی ہے تو پھر اس کی جرح حدیث میں قادح کیوں نہیں ہوگی۔

کیونکہ اس نے یہ حدیث اپنے حفظ سے بیان نہیں کی کہ اس پر اعتراض کیا جاسکے ۔

(آپ کے الفاظ ص۳۰)

جناب عالی اسکے حفظ پر تو جرح نہیں اگر جرح اس پر حافظہ کے قبیل سے ہوتی تب تو

آپ کی یہ بات کچھ وزن رکھتی لیکن اب یہ بات بالکل بے وزن اور غیر متعلق ہے۔ وہ حدیث میں مطلقاً غیر قوی ہے اگر یہ کہا جاتا کہ سئی الحفظ؛ وغیرہ پھر تو کتاب والی بات صحیح ہو سکتی تھی۔ لیکن اب نہیں۔

(۲) عفان بن مسلم :

عفان بن مسلم پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ محدثین نے اس پر حافظہ کے قبیل سے جرح کی ہے جیسا کہ میں نے نقل کیا تھا۔

کان بطیئا ردی الحفظ بطی الفهم

یعنی وہ سست روی حافظہ اور برے ذہن والا تھا۔

اس پر آپ نے فرمایا۔ آپ نے اس مقام پر پھر علمی خیانت کی ہے۔ کامل ابن عدی کا حوالہ دیکر یہ بتانے کی کوشش کی ہے جیسے یہ الفاظ ''الکامل'' کے مصنف نے کہے ہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۳۰)

اصل آئینہ میں اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے یہاں کونسی خیانت ہے۔ کیا میں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ الفاظ ابن عدی کے ہیں اگر آپ نے ایسا تاثر لیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے جرح تو ثابت ہو گئی اگر چہ وہ ابن عدی سے نہ سہی سلیمان بن حرب سے ہی سہی اور جرح ہے بھی ''مفسر'' اور آپ خود تسلیم فرما چکے ہیں کہ جرح جب مفسر ہو تو وہ تعدیل پر مقدم ہو گی۔ (دیکھئے اپنا مراسلہ ص ۱۴)

اور اگر آپ کہیں کہ تعدیل کرنے والے زیادہ ہیں جبکہ جرح کرنے والے کم بلکہ صرف ایک تو بھی بات وزنی نہیں کیوں کہ جرح ایک آدمی سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جیسا علامہ امام باجی مالکی نے فرمایا ہے۔

یکفی فیه قول الواحد العدل ویعمل به۔۔۔ (احکام الفصول ص ۳۰۶)

اور امام قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (جمع الجوامع مع حاشیہ البنانی ص۱۶۳ ج۲)

آپ مجھے تو بار بار علمی خیانت اور یہودیوں سے بھی بازی لے جانیوالا فرما رہے ہیں۔ ذرا اپنا دامن بھی دیکھا ہے۔ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں تا کہ اپنے بارے میں بھی نظر آئے۔

آپ نے لکھا۔

ذہبی کا فیصلہ سنیے۔

عفان اجل واحفظ من سلیمان(۱) هو نظیره .و کلام (۲)النظر اء والا قران ینبغی ان یتأمل ویتانی فیه ۔(میزان)

ترجمہ:۔ عفان، سلیمان سے زیادہ جلیل القدر اور حافظ ہے اور وہ (سلیمان) اس (عفان) کا ساتھی ہے اور ساتھیوں کی (۱) ساتھیوں کے متعلق کلام میں غور وفکر کرنا چاہیے۔

یہ عبارت آپ نے امام ذہبی سے نقل فرمائی ہے۔ جبکہ امام ذہبی کی عبارت اسطرح نہیں ہے۔ آپ نے اس میں ہیر پھیر کر دیا، اصل عبارت اسطرح ہے۔

''عفان اجل واحفظ من سلیمان اوهو نظیره ، کلام النظیر والاقران ینبغی ان یتأمل یتأتی فیه'' ۔(میزان الاعتدال ص۸۱ ج۳)

اب اگر میں آپ کی زبان میں گفتگو کروں تو پھر آپ کو برا تو نہیں لگے گا۔ اور اب ذرا انہی الفاظ کے بارے میں اپنا ہی کلام ص۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔

میرے محترم !اس کے برعکس حافظ صاحب نے تو کوئی قطعی فیصلہ کیا بھی نہیں۔ انہوں نے صرف ''**ینبغی ان یتأمل**'' کے الفاظ بولے ہیں جن کا مطلب ہے کہ ''مناسب ہے کہ اس میں غور وفکر کیا جائے۔'' (ص۱۴)

جناب حافظ صاحب! اگر حافظ ابن حجر کے الفاظ '**ینبغی ان یتأمل**'' کوئی قطعی

فیصلہ نہیں ہے۔ تو یہی الفاظ امام ذہبی کا قطعی فیصلہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ فلیتدبر۔

؎ الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو اپنے ہی دام میں صیاد آپ آ گیا

ایک جگہ ایک بات کا انکار اور دوسری جگہ اسی بات کا اقرار۔ جناب جو کچھ لکھا کریں اس کو یاد بھی رکھا کریں۔

؎ دل لیا ہے تو یاد بھی رکھنا
تم کو عادت ہے بھول جانے کی

ایک ہی مسئلہ میں ایک ہی بات میں تضاد اچھی بات نہیں ہے۔

حرف آخر

المختصر! اس مسئلہ میں آپ نے اپنے مسلک کے ساتھ وفا نہیں کی اور حق نمک ادا نہیں کیا یہ مسئلہ شرائط کے مطابق آپ ثابت نہیں فرما سکے۔

قنوت بعد از رکوع پر آپ نے صرف ایک روایت پیش کی جو کہ سنداً اور متناً مجروح ثابت ہوئی۔

(۱) یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں بادلائل ثابت ہوا۔ آپ کی تسلی کیلئے ایک حوالہ چلتے چلتے اور لکھ دیتا ہوں۔ یہ ہیں آپ کے مایہ ناز محقق جناب ارشاد الحق اثری صاحب آپ فرماتے ہیں۔

رہی امام سفیان بن عیینہ کی متابعت تو یہ بھی شاذ ہے کیونکہ امام ابن عیینہ ہی سے روایت۔ صحیح بخاری (ص ۱۰۹ ج ۱) صحیح مسلم (ص ۱۶۹ ج ۱) جامع ترمذی (ص ۲۰۷ ج ۱) نسائی (ص ۵۰۹ ج ۱) ابن ماجہ (ص ۶۰) دار قطنی (ص ۳۲۱ ج ۱) وغیرہ میں موجود ہے مگر

اس میں ''فصاعدا'' کے الفاظ نہیں ۔۔۔۔(توضیح الکلام ص ۱۲۶ ج ا)

تو جناب،ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ آپ کی مویدہ روایت میں زیادت ''لم یبق الا السجود'' شاذ ہیں کیونکہ یہی روایت ۔عبدالرزاق نے مصنف میں (۴۹۸۵) مسند احمد (ص ۳۰۰ ج ا) ابن ابی شیبۃ (ص ۳۰۰ ج ۲) ابن ماجہ وابن خزیمہ،بیہقی ۔ابن حزم مروزی ترمذی میں موجود ہے مگر اس میں ''اذا رفعت راسی ولم یبق الاالسجود'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

اب تو آپ کے اصول کے تحت بھی یہ روایت شاذ ٹھہری۔

(۲) سنداً یہ روایت ضعیف ہے۔

(۳) اس میں ایک راوی مدلس ہے اور یہ روایت اس نے عن کے ساتھ کی ہے جبکہ مدلس کا عنعنہ مطلقا مردود ہوتا ہے۔

دوسری روایت

دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانا۔

(ا) یہ روایت غیر متعلق ہے بات وتروں کی دعائے قنوت کی ہو رہی ہے اور یہ دلیل ۔نماز فجر میں قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانے کی ہے۔

(۲) یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے اس میں ایک راوی تو بالاتفاق مجروح اور ضعیف لیس بالقوی ہے۔جبکہ دوسرا راوی مختلف فیہ ہے۔

آپ اپنے وعدہ کے مطابق صحیح ،صریح ،مرفوع روایت پیش نہیں فرما سکے لہٰذا اپنے وعدہ کا پاس کرتے ہوئے بلا مشروط بغیر کسی تاخیر کے حق کی طرف رجوع کرتے ہوئے اعلان فرمادیں کہ آپ آج کے بعد وتروں میں قنوت قبل الرکوع پڑھیں گے اور اس میں عام دعا کی طرح ہاتھ نہیں اٹھائیں گے اور بعد الرکوع اور رفع الیدین خودساختہ طریقہ ہے،سنت

صیحہ سے ثابت نہیں ہے۔سچ کہتے ہیں۔کہ

الحق یعلوا ولا یعلیٰ

وماعلی الاالبلاغ

(آپ نے باربار میری تحریر پرتقول لکھا ہے میرے خیال میں تقول کی بجائے قلت ہونازیادہ مناسب ہے۔ فلیتد بر.)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا مسئلہ

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

اس مسئلہ میں آپ نے پہلے مراسلہ کی طرح اس بار بھی کم علمی کا ثبوت دیا اور اپنی غلط روش پر اڑے رہے حالانکہ دانشوروں کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ آپ نے ناف کے اوپر پیٹ کے حصہ کو بھی سینہ ہی تصور کیا۔ اور اس پر لا حاصل بحث کی۔ ضروری تھا کہ آپ ناف کے اوپر والے سارے حصہ کو سینہ ثابت کرنے کے لئے کوئی حوالہ پیش کرتے، لیکن آپ نے روایتی ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے خواہ مخواہ تقریباً ایک صفحہ کالا کر دیا اگر ناف کے اوپر سینہ کے نیچے کوئی حصہ بغیر سینہ کے نہیں آتا۔ تو برائے مہربانی ان عبارات کا مفہوم ہمیں بھی سمجھا دیں۔

امام نووی فرماتے ہیں۔

ان مذ هبنا ان المستحب جعلها تحت صدره فوق سرته وبهذا قال سعيد بن جبير وداود .وقال ابو حنيفه والثورى واسحاق يجعلها تحت سرته وبه قال ابواسحق المروزى من اصحابنا وحكاه ابن المنذر عن ابى هريرة والنخعى وابى مجلز وعن على بن ابى طالب ــــــ(المجموع شرح المهذب ص۳۱۳ ج۳ للنووی)

نماز میں ہاتھ باندھنا۔ ہمارا (شوافع کا) مذہب یہ ہے کہ سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھنے مستحب ہیں ــــــــــــــــــــــــ

امام ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن شافعی تحریر فرماتے ہیں۔

واختلفوا فى محل وضع اليدين فقال ابو حنيفة تحت السرة وقال مالك والشافعى تحت صدره فوق سرته ــــــــــ (رحمۃ الامۃ فی

اختلاف الائمۃ ص ۳۲)

ہاتھ رکھنے کی جگہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ نے ناف کے نیچے فرمایا۔ اور امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا کہ سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر

والمستحب عندالشافعية ان يجعلها تحت الصدر فوق السرة ۔

شوافع کے نزدیک سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر مستحب ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۶۸۷، للدکتور وھبۃ الزحیلی)

جناب! اب بتائیں کہ شوافع کہاں ہاتھ باندھتے ہیں۔ سینہ کے اوپر یا نیچے کیونکہ آپ کے نزدیک تو ناف کے اوپر سینہ ہی ہے جسم کا اور حصہ کوئی نہیں ہے ۔ یہ شوافع ناف کے اوپر لیکن سینہ کے نیچے بھی جسم کے ایک حصہ کا تعین کر رہے ہیں کیا وہ عربی سے ناوقف تھے اب آپ جو مجھ سے یہ سوال کرر ہے ہیں۔ کہ

تو جناب !اس فاصلہ کی وضاحت کیجئے۔ اور مجھے بتایئے کہ اس فاصلہ میں جسم کا کونسا عضو آتا ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۳۴)

اب آپ امام شافعی اور انکے مقلدین محدثین سے پوچھیں کہ جب سینہ اور ناف کے درمیان فاصلہ ہی نہیں تو آپ ہاتھ کہاں باندھتے ہیں۔ اے کاش کہ آپ اتنا شعور رکھتے کہ اس کے درمیان پیٹ کا کچھ حصہ آتا ہے۔ دیکھئے۔

السرة : الوقبة فی وسط البطن ۔۔۔۔۔۔ (لاؤوس ص ۶۵۸) مکتبہ لاروس کذا

ناف بطن کے وسط میں ہے۔ جبکہ آپ فرمار ہے ہیں کہ ناف کے متصل سینہ ہے تو جناب یہ وسط البطن کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ سب آپ کی کم علمی پر مبنی ہے۔ آگے آپ نے لکھا۔

لہٰذا آپ کا یہ اعتراض اس وقت ہی واضح ہوگا جب سینہ کا حدود اربعہ بتائیں گے لہٰذا آپ کا (۱) ذمہ یہ قرض ہے کہ مجھے بتایئے کہ عربی لغت میں ''صدر'' (سینہ) کسے کہتے ہیں۔

اس کی حدود کیا ہیں۔ جب آپ سینہ کی حدود بتلائیں گےتو خود بخود ہی فاصلہ کا بھی تعین ہوگا اور پھر اس اعتراض کا جواب بھی خود بخود سامنے آجائے گا۔۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۳۴)

میں نے پہلے معتبر کتب سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر ایک جگہ ہے جہاں شوافع وبعض مالکی حضرات ہاتھ باندھتے ہیں اس جگہ کو نہ تو ناف کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی سینہ بلکہ ان دونوں کے درمیان جسم کا حصہ ہے۔

اب آیئے سینہ کا حدود اربعہ دیکھیں اور آپ کے مسلک کی بے چارگی کا نظارہ کریں۔

لغت کی معروف ومشہور کتاب لاروس میں لکھا ہے۔ صفحہ ۵۴۷

الصدر : جزء من الهيكل العظمي يحضن القلب والرئتين يقع بين العنق وعظم القص وهو قفص عظمي مو لف من ضلوع عدة مقوسة ملتحمة الاطراف

کیوں جی اب میرا اعتراض اور پختہ ہوا یا آپکے کہنے کے مطابق کہ اعتراض کا جواب خود ہی سامنے آجائیگا۔ یقیناً میرا اعتراض ان حوالوں کے ساتھ مزید مستحکم ہوا ہے جسکا آپ کے پاس جواب نہیں۔ اصل میں آپ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ سینہ تو ناف تک ہے،ہم بازو پر ہاتھ باندھ کر ناف کے بالکل متصل رکھ کر بھی سینہ پر ہی رکھتے ہیں۔

حدیث هلب اوراس پر اعتراضات

آپ نے اپنے پہلے مراسلہ میں ایک حدیث لکھی جس کے الفاظ آپ نے اسطرح نقل فرمائے۔

قال الامام احمد فی مسنده حدثنا یحییٰ بن سعید عن سفیان قال حدثنا سماک عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رأیت رسول الله ﷺ ینصر ف

عن بیمینہ وعن یسارہ ورایتہ یضع یدہ علی صدرہ ووصف یحییٰ الیمنی علی الیسری فوق المفصل (مسند احمد ص ج)

قبیصہ بن ہلب اپنے باپ ہلب سے بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دائیں اور بائیں دونوں جانبوں سے پھرتے میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ کو سینے پر رکھتے یحییٰ نے بیان کیا کہ دائیں کو بائیں کے اوپر جوڑ پر۔
(آپ کے الفاظ ص ۴ مراسلہ نمبر ۱)

اب میں اگر آپ ہی کے الفاظ نقل کر دوں تو میرے خیال میں آپ بُرا محسوس نہیں فرمائیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ اس پر تو آپ تورات میں تحریف کرنے والے یہودیوں سے بھی بازی لے گئے اگر آپ کی یہ تحریف ان یہودیوں کے سامنے رکھی جائے تو ان کے سر شرم سے جھک جائیں۔۔۔۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۳۲)

حالانکہ اس میں کوئی تحریف نہیں تھی آپ نے تہذیب سے حوالہ نقل کیا جب کہ میں نے سرے سے تہذیب کا حوالہ ہی نہیں دیا تھا۔ تو پھر میری طرف اتنا بڑا الزام کس لئے اب اپنی عبارت اپنے آپ پر فٹ فرمائیں۔ اگر ثابت ہو بھی جائے بالفرض محال تو ایک عام عبارت تھی۔ لیکن آپ نے تو حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف فرمادی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ پر جھوٹ بولنا عام لوگوں کی طرح جھوٹ نہیں (اوکما قال) یا پھر فرمایا ''من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار'' (اوکما قال)

تخریج حدیث: تاریخ بغداد، عن عمر بن حصین ۱۴/۲۲۵/عن سعد بن ابی وقاص ۵/۳۱۹/عن معاویہ ۴/۱۳۰/عن ابو عبیدۃ ۱۱/۲۸۲/عن ابن مسعود ۱/۲۶۵ و ۳/۵۰ و ۱۳/۴۳۹ و ۱۴/۳۰۷ /عن عمار بن یاسر ۲/۸۴/عن علی ۵/۱۱۵/عن طلحہ ۳/۲۵۰/عن ابو بکر ۱۲/۵۱/عن ابو موسیٰ

۲/۸۴/عن ابو سعید ۲/۱۸۴، ۱۹/۲ و ۱۱/۲۲۹/عن ابن عمر ۳/۳۸ و ۷/۴۱۸/عن عمر ۴/۱۰۷ و ۷/۵۵/عن سلمان ۸/۳۳۹/عن عبداللہ بن عمرو ۱۳/۱۵۷/عن عثمان ۲/۲۲۱/عن معاذ ۵/۳۷۹/عن انس ۵/۲۲۲/مسند ابویعلی ۱/۳۷۔۲۵۹۔۲۶۰۔۴۹۶۔۵۸۸۔۶۳۱۔۶۶۷۔ ۶۷۴/۲/۱۲۲۹۔۳/۱۶۳۶۔۱۷۵۱۔۱۸۴۷۔۱۹۵۲۔۵/۲۹۰۹۔۱۳۴۷۔۶/۱۶۔۳۷۔ ۷/۳۹۰۴۔۴۰۰۱۔۴۰۲۵۔۴۰۶۱۔۴۰۶۲۔۴۰۷۰۔۴۰۷۶۔۴۰۷۷۔/۹/۵۲۵۱۔ ۵۳۰۴۔۵۳۰۷۔۱۲/۶۸۶۸۔(باقی آئندہ اسی حدیث مبارکہ کے تحت حوالہ جات دیکھیں۔ارشد مسعود عفی عنہ)

اب آئیں حدیث کے اصل الفاظ درج کرتا ہوں تاکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی تحریف واضح ہو سکے۔

وعن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رایت النبی ﷺ ینصرف عن یمینه وعن یساره ورایته یضع هذه علی صدره ووصف یحییٰ الیمنی علی الیسری فوق المفصل ۔۔۔۔(مسند احمد ج۵ ص۲۲۶ برقم ۲۲۳۱۳)

اب دیکھیں اصل حدیث اور آپ کے تحریر کردہ الفاظ میں کتنا فرق ہے آپ نے رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا دیا آخر کس دلیل کے تحت لفظ نبی کی جگہ رسول اور لفظ رسول کی جگہ لفظ نبی بدلنا کیا جائز ہے؟ آیئے دیکھیں علامہ عراقی فرماتے۔

وان رسول بنبی ابدلا فالظاهر المنع کعکس فعلا (الفیۃ الحدیث مع شرح فتح المغیث ص۲۹۹ ج۲)

اور لفظ رسول لفظ نبی کے ساتھ تبدیل کرنا ظاہر ہے کہ یہ منع ہے جیسا کہ اس کے برعکس منع ہے۔یعنی جیسا کہ لفظ نبی کی جگہ لفظ رسول بدل کر لے آنا۔

اور اگر آپ فرمائیں کہ یہ تحریف نہیں بلکہ روایت بالمعنی ہے تو یہ بھی درست نہیں جیسا کہ امام سخاوی نے تصریح فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں۔

وان جازت الروایۃ بالمعنی ،لان المعنی ھنا مختلف یعنی بناء علی القول بعدم تساوی مفھمو مھما ۔۔۔۔ (فتح المغیث ص ۲۹۹ ج ۲)

اگر چہ روایت بالمعنی جائز ہے لیکن یہاں معانی مختلف ہیں یعنی اس قول پر بناء کی گئی ہے۔ کہ ان دونوں کا مفہوم مختلف ہے۔

تو ثابت ہوا کہ آپ نے ان الفاظ میں ہیر پھیر کر کے کوئی اچھی روایت قائم نہیں کی اور پھر آپ نے اسی حدیث میں ایک اور بڑی واضح تحریف کی ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ ھذہ کو یدہ بنا دیا ہے۔ اور یہاں تو روایت بالمعنی کا اشتباہ بھی نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں تو اسکا سرے سے ثبوت ہی نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سینہ پر رکھے لیکن آپ نے ''یدہ'' اپنی طرف سے لکھ کر ثابت کر دیا کہ اصل محرف آپ ہیں جو کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف سے بھی نہیں چوکتے۔ اور اگر یہودیوں کے سامنے رکھی جائے تو ان کے سر شرم سے جھک جائیں۔ اگر ایسی تحریفات دیکھنے کا شوق ہو تو تفسیر ابن کثیر مترجم ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کے بزرگوں نے احادیث میں کیسی کیسی تحریفات کی ہیں۔ یا پھر امام بخاری کی ''الادب المفرد'' (ص ۲۹۰، برقم ۹۶۴۔ مکتبہ اثریا سانگلہ ہل) دیکھیں، جس میں صاف ''یا محمد'' کے الفاظ تھے۔ لیکن آپ حضرات نے لفظ ''یا'' حذف کر دیا۔ مصنف ابن ابی شیبہ مطبوعہ ملتان دیکھیں۔ کہ صاف الفاظ تھے۔ **کان لا یقراء فی الجنازۃ** : کہ حضرت عبداللہ بن عمر نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ کے بزرگوں نے ''لا'' کاٹ کر عبارت بالکل الٹ بنا دی کہ **کان یقراء فی الجنازۃ** یا پھر آپ دور نہ جائیں مولوی صادق سیالکوٹی کی ''صلاۃ الرسول'' میں دیکھ لیں جو کہ ہر اہلحدیث کے گھر

موجود ہوتی ہے۔ کتنی کتنی سنگین تحریفات ہیں۔ اگر تتبع فرمائیں تو چکرا جائیں۔ کہ آپ لوگوں نے اہلحدیث کے نام پر احادیث کے ساتھ کیا کیا برتاؤ کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ موقع نہیں اتنی تحریفات ہیں آپ لوگوں کی کہ اس کیلئے پوری ایک کتاب بن سکتی ہے۔

ے نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

اس لئے کسی پر ایسا سنگین الزام لگانے سے پہلے ذرا اپنی چارپائی کے نیچے لاٹھی گما لیا کریں۔ اب آیئے آپ کے استدلال کی طرف، میں نے عرض کیا تھا کہ

آپ نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں یہ تو ذکر ہی نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہاتھ سینہ پر رکھے تھے۔۔۔۔۔۔(میرا مراسلہ ص ۱۱)

اصولی طور پر آپ پر فرض تھا کہ دلائل سے ثابت کرتے کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر ہے لیکن آپ نے جاہل مسخرے کی طرح عجیب بھونڈا سا اعتراض کر دیا۔ کہ

اگر یہ نماز نہیں تھی تو کیا ''ختم شریف'' میں ہاتھ باندھتے تھے۔(آپ کے الفاظ ص ۳۴)

اب آپ بتائیں کیا یہ اہل تحقیق کا طریقہ ہے۔ کیا ختم شریف میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں۔ اور بجائے میرے علمی سوال کے جواب دینے کے الٹا مجھ پر سوال کر دیا۔

سبحان اللہ !اگر آپ مجھے کسی بھی صحیح حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت کر دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے علاوہ کسی اور موقع پر بھی سینہ پر ہاتھ باندھے تھے تو نماز کا لفظ بتانا میری ذمہ داری ہوگی۔ جب ہاتھ باندھے ہی نماز میں جاتے ہیں تو پھر اس پر یہ اعتراض کہ اس میں نماز کا ذکر نہیں جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۳۴)

جناب میری ایک دلیل تو یہی روایت ہے جو کہ آپ نے پیش کی ہے کہ یہاں بھی ذکر

ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے علاوہ سینہ پر ہاتھ رکھے تھے اور اگر آپ مسند امام احمد کا مطالعہ فرمائیں۔ تو یہی روایت ذرا قدرے تفصیل سے آئی ہے۔ جس میں صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ واقعہ غیر صلوٰۃ کا ہے۔ میرا اب بھی الحمدللہ یہ دعویٰ ہے کہ یہ نماز کے بارے میں نہیں ہے۔ اور اس کا قرینہ میں نے اپنے پچھلے مراسلہ میں بیان کر دیا تھا لیکن آپ کی سمجھ شریف میں نہ آیا اور بے مقصد عبارت لکھ ماری سیدھی سی بات تھی کہ آپ نماز کا ذکر دکھا دیتے۔ جہاں یہ لکھا تھا وہاں فی الصلوٰۃ بھی لکھ دیتے۔ آپ کا کسی نے ہاتھ پکڑا ہوا تھا؟ خیر آپ کا یہ لکھنا کہ

کیا اس حدیث میں یہ ذکر ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ''پھرنا'' نماز میں تھا۔ اس نماز میں شامل کر کے الزام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ لگا رہے ہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۳۵)

جناب یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ یہ ''پھرنا'' نماز میں نہیں ہو سکتا لیکن آپ بضد ہیں کہ یہ نماز میں ہے۔ اور آپکا یہ فرمانا۔

حضرت ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دائیں بائیں پھرنا یہ نماز کے بعد کا انصراف ہے۔ (آپکے الفاظ ص ۳۵)

تو اب آپ نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لی ہے بلکہ یوں کہئے۔

؎ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا وہ ناپائیدار ہوگا

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھرنا نماز کے بعد کا ''انصراف'' ہے تو پھر تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ اب آپ اپنا کیا ہوا ترجمہ ہی پڑھیے۔

قبیصہ بن ھلب اپنے باپ ھلب سے بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دائیں اور بائیں دونوں جانبوں سے پھرتے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ کو اپنے سینہ پر رکھتے۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص ۴ مراسلہ نمبر ۱)

اب بتائیں کہ اس روایت میں "وراَیتہ یضع" جس کا آپ نے ترجمہ کیا اور میں نے آپ کو دیکھا۔ یہ "واؤ" کونسی ہے۔

آپ کے ترجمہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے۔ کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھرے بعد میں حلب رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ کہ آپ کے (ہاتھ) سینہ پر ہیں۔ پھر آپ نے کہا یہ نماز کے بعد کا انصراف ہے۔ تو سینہ پر ہاتھ خود بخود ہی سے معلوم ہو گیا کہ اس کے بعد ہی انہوں نے دیکھے تو یہ بھی بعد از نماز ٹھہرا۔ تو آپ کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ اور الحمد للہ آپ کے ہی قلم سے ہمارا موقف ثابت ہو گیا۔ اور پھر آپ نے فرمایا۔ کیا ایک حدیث میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو الگ الگ مسائل بیان نہیں کر سکتا۔ ایک کا تعلق نماز سے ہو اور دوسرے کا نہ ہو؟

کیوں نہیں کر سکتا۔ بالکل کر سکتا ہے۔ بلکہ کرتے ہیں لیکن مذکورہ بالا روایت میں ذرا نحوی ترکیب کے ساتھ یہ ثابت تو فرما دیں۔ کہ جو پہلے بیان ہوا یعنی "پھرنا" یہ تو بعد از نماز ہے۔ اور اس کے بعد والا عمل" سینہ پر ہاتھ یہ نماز کے ساتھ ہے۔ برائے مہربانی آپ کسی عالم کے ساتھ مزید رابطہ فرمائیں۔ میرے خیال میں آپ کے پہلے مشیر بھی آپ جیسے ہی ہیں۔ ان کو بھی علم حدیث کی ہوا تک نہیں لگی۔ آگے آپ نے حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نسائی ص ۱۷۰ ج ۱ سے بیان فرمائی۔

"رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشرب قائماً وقاعداً ویصلی حافیاومنتعلا وینصرف عن یمینه وعن شمائله ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اب مجھے بتایئے

کہ اگر کوئی آپ پر اعتراض کر دے کہ یہ کیسی نماز ہے کہ آپ پانی بھی پی رہے اور نماز بھی پڑھ رہے ہیں۔آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۳۵)

واہ کمال کر دیا جناب آپ نے جو اعتراض آپ پر ہونا تھا وہ آپ نے مجھ پر کر دیا اسے کہتے ہیں۔علم اور عقل دیانت میں پورے کامل لوگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جناب عالی ! میں تو یہ جواب دوں گا کہ اس میں پانی پینے کا جو ذکر ہے وہ نماز کے ساتھ نہیں کیوں کہ اس میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔ویسے میرا ایک مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ کسی دارالعلوم میں داخلہ لے لیں۔تاکہ علم حدیث کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔یہی تو میرا اعتراض تھا کہ اگر اس میں نماز کا ذکر ہے تو دیکھائیں اگر نہیں تو الزام نہ لگائیں۔آپ نے خود ہی اپنے آپ پر ایک اعتراض اور پیدا کر لیا۔اس حدیث میں تو صاف بیان ہے۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد دائیں اور بائیں دونوں طرف پھرتے تھے کیونکہ اس میں نماز کا بیان ہے۔اور اس کے بعد یہ نہیں کہ پھرنے کے بعد آپ کے ہاتھ سینہ پر ہوتے تھے۔اور پھر آپ نے اپنے خلاف ایک اور دلیل خود ہی پیش کر دی ہے آپ نے (ترمذی ص ٦٦) سے اسی راوی قبیصہ بن ھلب سے حدیث بیان فرمائی۔

''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمنا فینصرف علی جانبیہ جمیعاً علی یمینہ وعلی شمالہ ۔۔۔۔۔۔'' (آپ کے الفاظ ص ۳۵)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کراتے تھے پھر دائیں بائیں دونوں جانبوں سے پھرتے تھے۔

اب اس کے بعد آپ نے خود ہی مسئلہ حل فرما دیا اور مشکل آسان کر دی۔آپ نے لکھا۔ لیجئے۔اس حدیث میں ''فاء'' آ گئی ہے جو کہ تعقیب وتراخی کا تقاضا کرتی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ''انصراف'' نماز ختم کرنے کے بعد ہوتا تھا۔۔۔۔۔ (آپکے

الفاظ ص ۳۶)

اب میرے خیال میں مسئلہ تو آپ نے خود ہی حل فرمادیا میرا تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ آپ نے خود ہی فرمادیا کہ اس میں ''فا'' آگئی ہے جو کہ تعقیب وتراخی کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن اس حدیث میں ''فاء'' کہاں تھی جس سے آپ بعد کا ترجمہ کرسکیں۔ اور پھر اختلاف تو یہ ہے کہ ہاتھ سینہ پر پھرنے کے بعد کا معاملہ ہے اگر پھرنا نماز کے بعد کا ہے تو پھر ہاتھ سینہ پر باندھنا بھی بعد کا معاملہ ٹھہرا کیونکہ اس کی ترتیب بھی یہی ہے پہلے انصراف بعد میں سینہ پر ہاتھ باندھے ہوئے دیکھنا۔ اور اگر آپ فرمائیں کہ یہ وہی روایت ہے تو پھر اور بھی مسئلہ آسان ہوجاتا ہے۔ اور جھگڑا ہی کوئی نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر یہ وہی روایت ہے تو پھر اس میں علی صدرہ کے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

پھر آگے آپ نے مزید انصراف بعد از نماز کے دلائل میں بعض محدثین کے باب کی بات کی ہے تو جناب میں انصراف بعد از نماز کا منکر نہیں ہوں بلکہ میں تو انصراف فی الصلوٰۃ کا منکر ہوں جس کو آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر بعد والا انصراف آپ اس حدیث میں مراد لیں تو پھر سینہ پر ہاتھ بھی بعد از نماز میں ثابت ہونگے نہ کہ یہ تو فی الصلوٰۃ ہیں۔ اور جو اس سے پہلا عمل ہے۔ وہ بعد از صلوٰۃ۔

ع...... ایں چہ ابوالعجبی است۔

حرف آخر:

(۱) یہ حدیث مسئلہ مذکورہ میں غیر متعلق ہے لہذا اسکو حجت بنانا اصول کے مطابق غلط ہے۔ اس حدیث میں :علی صدرہ: کے الفاظ صحیح نہیں ہیں۔ یہ کسی راوی کا وہم ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ روایت۔ دار قطنی ج۱ ص ۲۸۷ برقم ۱۰۸۷۔ ترمذی ج۱ ص ۳۴۔

ابن ماجہ ص ۵۹ و مسند احمد ص ۲۲۶ جلد ۵ میں اس کے علاوہ مروی ہے لیکن کسی میں یہ زیادت نہیں ہے۔لہذا یہ زیادت غیر محفوظ ہے۔

اس روایت کی سند پر اعتراض

یہ روایت متن کے ساتھ ساتھ سنداً بھی صحیح ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں کئی روات پر کلام ہے۔اس میں ایک راوی ہے۔سماک بن حرب : اس پر بہت سارے جلیل القدر محدثین نے کلام کیا ہے جیسا کہ میں نے اپنے پہلے مراسلہ میں باحوالہ تحریر کر دیا ہے۔جس کے جواب میں آپ نے کچھ اس طرح کلام فردیا ہے۔

قبل اس کے کہ میں سماک بن حرب پر آپ کی بیان کردہ جرح کا جواب دوں میں سماک بن حرب کی ثقاہت بیان کر دیتا ہوں تا کہ اس کی روشنی میں آپ کی جرح کا جائزہ لے سکیں۔۔۔۔ ابن حجران کے متعلق اپنا فیصلہ صادر فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔صدوق : (تقریب ص ۱۳۷)(آپ کے الفاظ ص ۳۶)

کیا ابن حجر نے صرف ''صدوق'' ہی کہا ہے یا اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہماری طرف سے ایسا معاملہ ہو تو آپ فوراً ''خیانت'' کا سر ٹیفکیٹ عطا فرما دیتے ہیں۔حالانکہ میں ۔۔۔۔۔۔نقاط۔۔۔ڈال دیتا ہوں لیکن آپ نے تو ایسا معاملہ بھی نہ فرمایا۔آیئے میں بتاتا ہوں کہ ابن حجر نے کیا کہا۔

صدوق وروایته عن عکرمة خاصة فانه مضطربة وقد تغیر بآخره فکان ربما یلقن (ص ۱۳۷)۔۔۔۔۔

کیوں جی حافظ صاحب کیا صرف صدوق اور قد تغیر بآخرہ اور فکان ربما یلقن ایک ہی طبقہ کے الفاظ ہیں۔نہیں تو پھر آپ نے ان کو نقل کیوں نہ فرمایا ؟

آپ نے ابن حجر سمیت تقریباً آٹھ آدمیوں سے اس کی ثقاہت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اوران بھی سے اکثریت نے صرف صدوق جائز الحدیث وغیرہ ہی کہا ہے جوکہ ثقاہت میں صریح الفاظ نہیں ہیں بلکہ تیسرے یا چوتھے درجہ کے الفاظ ہیں۔

اور پھر آپ نے جرح کوتو غیر مفسر کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کیا آپ نے جو تعدیل بیان کی ہے وہ بھی غیر مفسر نہیں ہے؟۔۔ممکن ہے آپ فرمائیں کہ تعدیل کیلئے مفسر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔اور ہم یہ بات مان جائیں لیکن آپ اپنے گھر کی تو خبر لیں آپ کے حافظ محمد گوندلوی صاحب فرماتے ہیں۔

''صرف ثقہ کہہ دینا کافی نہیں، خصوصاً ایسے موقع پر کہ جرح مفصل ومفسر ہو شرح الشرح نخبۃ فارسی ص ۱۴۱ میں ہے۔مجرد وصف بودن وی ثقہ یا حافظ یا فاضل یا ضابط غیر کافی است۔زیرا کہ عدالت بلکہ میان عدالت وحفظ وضبط عموم وخصوص من وجہ است زیرا کہ عدالت بدون ایشاں می شود وآں ہر دو بدوں عدالت نیز یافتہ میشود واجتماع ہر سہ نیز تواند شد چنانچہ ابن ابی شیبہ در بارہ احمد بن عبداللہ گفتہ ثقہ ولیس بحجۃ۔۔۔۔۔۔۔'' (التحقیق الراسخ ص ۱۲۶ گجرات)

کیوں جی حافظ صاحب اب یہاں بھی تعدیل پر بھی اس طرح بحث کریں جسطرح جرح پر کر رہے ہیں جبکہ بعض جرحوں کو آپ خود مفسر تسلیم فرما چکے ہیں۔

پہلی جرح حضرت سفیان ثوری کی تھی انہوں نے فرمایا تھا۔

'' **انه ضعيف** '' (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۲)

اورآپ نے فرمایا کہ یہ جرح غیر مفسر ہے لہٰذا یہ قبول نہیں ہوسکتی۔دوسری جرح جریر الضبی کی تھی۔

وقال جرير الضبی أتیت سما کافرأیته یبول قائما فرجئت ولم اسئله فقلت خرف۔۔۔۔۔۔۔(میزان الاعتدال ج۲ص۲۳۲)

لیکن آپ نے کیا فرمایا کہ۔

یہ جرح ہے ہی نہیں کیونکہ اس جرح کا دارمدار اس بات پر ہے کہ (کھڑے ہوکر پیشاب کرکے) غیرشرعی فعل کا مرتکب ہوا تھا۔ جناب پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا غیرشرعی ہے۔۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۳۸)

سبحان اللہ! اس کو کہتے ہیں تقویٰ کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جرح ہے ہی نہیں کیا یہ مسئلہ جریرالضبی کو معلوم نہ تھا کہ انہوں نے ایک آدمی کو آپ کے نزدیک عین شرعی کام کرنے کی پاداش میں بے وقوف اور کم عقل کہہ کر مجروح کر دیا۔ اگر یہ غیرشرعی فعل نہیں تھا۔ تو علامہ ذہبی نے یہ جرح نقل ہی کیوں کی۔ اور اگر نقل کر دی تھی تو اس کو قائم کیوں رکھا۔ اس کی تردید کیوں نہیں کر دی کہ یہ تو جرح ہے ہی نہیں۔ اگر یہ کام غیرشرعی نہیں ہے تو کیا شرعی ہے؟ اور اگر شرعی ہے تو شرعی افعال تو مطلوب ہیں کیا یہ بھی مطلوب ہے۔ کیا اس کے بارے میں حکم آیا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرو؟

یہ کہیں آپ لوگ انگریز کا حق نمک تو ادا نہیں کرر ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو شرعی فعل قرار دیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ آپ کے نزدیک تو تعدیل ہو لیکن آئمہ وفقہاء اسلام کے نزدیک تو یہ جرح ہی ہے جس کا بیان جریرالضبی کے بیان سے معلوم ہوا مزید دیکھئے۔

امام مالک کے بارے میں الشیخ بدران الدمشقی تحریر فرماتے ہیں۔

کمن یری انساناًیبول قائماً بذلک ۔(المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۲۰۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اور جیسے کہ وہ کسی انسان کو کھڑے ہوکر پیشاب کرتے دیکھتے تو فوراً اس پر جرح کرتے۔

اورعلامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

وقد قال کثیر من الناس یجب ان یکو ن المحدث والشا هد مجتنبین لکثیر من المبا حات نحو التبذل ولجلوس للتنزه فی الطرقات ...... والبول علی قوارع الطرقات والبول قائما..... ان فعل هذه الامور یسقط العدالة، ویو جب ردالشهادة ۔۔۔۔ (الکفایۃ فی علم روایۃ ص۱۳۹)

اور بہت سے لوگ (فقہاء وعلماء) نے کہا ہے کہ محدث اور شاہد پر ضروری ہے کہ وہ اکثر مباحات سے بھی بچے جیسے کہ فرحت حاصل کرنے کیلئے راستوں میں بیٹھنا ۔۔۔۔ اور راستوں پر پیشاب کرنا اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اگر یہ کام کرے تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور ان کی شہادت رد کر دی جائے گی۔

تو ثابت ہوا کہ یہ جرح ہے اور ایسا کام کرنے والے کی خبر (روایت) اور گواہی رد کی جائے گی اور اگر عدالت ثابت ہو گئی ہو تب بھی اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی چہ جائیکہ آپ اس کو جرح ہی تسلیم نہ کریں۔

اس راوی پر تیسری جرح کہ

امام شعبہ اس کی تضعیف کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

یہ جرح بھی غیر مفسر ہے لہٰذا قابل قبول نہیں۔

چوتھی جرح

قال احمد سماک مضطرب الحدیث. (میزان الاعتدال ج۲ ص۲۳۳)

آپ نے فرمایا۔

یہ آپ کی جرح ''مفسر'' ہے۔

الحمدللہ ! کچھ تو آپ نے تسلیم کیا اس ایک جرح کو آپ نے تسلیم کرلیا ہے۔ تو اب مسئلہ آسان ہو جایگا لیکن یہ تسلیم کرنے کے ساتھ ہی آپ نے ایک اور بے تکا پلٹا کھایا۔ کہ

لیکن سماک بن حرب ''مضطرب الحدیث'' اس وقت ہوتا ہے جب وہ عکرمہ سے بیان کررہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن المدینی کا ہی قول آپ نے اس کی تائید میں پیش کیا۔

روایۃ عن عکرمہ مضطرب ------- (آپ کے الفاظ ص ۳۹)

جب آپ یہ تسلیم کررہے ہیں کہ اس کو عکرمہ کے ساتھ مضطرب الحدیث: کہنے والے ابن المدینی ہیں۔ اور مطلق مضطرب الحدیث کہنے والے حضرت امام احمد بن حنبل ہیں۔ تو پھر اعتراض کیسا۔ امام احمد نے اس کو مطلق مضطرب الحدیث کہا ہے اور یہ آپ تسلیم کرچکے ہیں۔ کہ یہ جرح مفسر ہے۔ اب غیر عکرمہ کی بات کرنا تو تب صحیح ہو جبکہ ابن المدینی کا قول بطور حجت پیش کیا جارہا ہو یہ راوی امام احمد کے نزدیک مطلقاً مضطرب الحدیث ہے۔ اور پھر جب ایک ثقہ راوی (عکرمۃ) سے یہ مضطرب ہے تو ایک مجہول: راوی سے روایت کرنے میں کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

پانچویں جرح :۔

وقال صالح جزرہ یضعف . (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۳)

یہ جرح غیر مفسر ہے لہٰذا قابل قبول نہیں۔

چھٹی جرح جس کو آپ نے پانچویں جرح: لکھا ہے۔

وقال النسائی اذاانفرد باصل لم یکن بحجة (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۳)

یہ جرح ''مفسر جرح'' ہے اور اس سے میرے خیال میں آپ کو بھی فرار کی گنجائش نہیں ہے۔۔لیکن آپ نے اس کو ٹالنے کا ایک عجیب اور بے ڈھنگا طریقہ اختیار کیا ہے۔

آپ نے لکھا:

جہاں تک امام نسائی کے اس قول کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ امام نسائی: جرح: میں متشدد شمار ہوتے ہیں۔کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اسے آئمہ جرح وتعدیل ثقہ سمجھتے ہیں لیکن امام نسائی کی نظر میں وہ ضعیف ہی ہوتا ہے۔ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ۔۔۔۔۔

ترجمہ : ابوفضل بن طاہر نے بیان کیا کہ میں نے سعید بن علی زنجانی سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کو ثقہ قرار دیا، میں نے کہا کہ امام نسائی تو اس سے حجت نہیں پکڑتے تو اس نے کہا اے ''بیٹے'' رواۃ کے بارے میں امام نسائی کی شرطیں بخاری ومسلم سے زیادہ سخت ہیں۔(آپکے الفاظ ص ۳۹)

اس پوری عبارت میں کونسی ایسی چیز ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ امام نسائی کی جرح ہر راوی پر مردود ہو گی۔شرائط سخت ہونا تو بڑی بات نہیں ہے اور پھر ابھی آپ اسی مراسلہ میں امام نسائی کا قول امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بطور حجت پیش فرما چکے ہیں جو امام چند صفحات پہلے حجت تھا اب وہ متشدد کیسے بن گیا۔اور اگر یہ امام واقعی متشدد ہے تو پھر چند صفحات بیشتر یہ قابل حجت کیسے تسلیم کر لیا گیا۔

میرے بھائی !امام نسائی کا قول متشدد کہہ کر صرف آپ اس وقت رد کر سکتے ہیں۔ کہ جبکہ کسی راوی کی توثیق پر اجماع ہو اور امام نسائی اس پر جرح کرنے میں متفرد ہوں۔لیکن سماک بن حرب پر صرف امام نسائی کی نہیں بلکہ امام نسائی کے ہم پلہ بلکہ زائد اور سخت شرائط والے محدثین اور کم یعنی نرم شرائط والے محدثین بھی امام نسائی کے ہم خیال ہیں اور اس راوی کو ضعیف مضطرب الحدیث کم عقل اور بے وقوف کہہ رہے ہیں۔اور آپ کا کہنا کہ۔

کئی آئمہ جرح وتعدیل نے اس کو ثقہ وصدوق کہا ہے۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۴۰)

وہ کئی آئمہ جرح وتعدیل کون ہیں ذرا ان کے نام بھی گنوا دیئے ہوتے تو معاملہ آسان ہوجاتا لیکن آپ نے ان کے نام نہ لکھے آخر کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔"

آیئے! صرف آخر کے طور پر سماک بن حرب کے معدلین اور جارحین کے بارے میں دوبارہ تھوڑی سی نظر ڈالیں۔تاکہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے۔

جارحین

(۱) سفیان ثوری (۲) جریرالضبی (۳) شعبہ (۴) امام احمد

(۵) صالح جزرہ (۶) نسائی (۷) ابوالاسود

(۸) ابن عمار (۹) یعقوب بن شیبہ (۱۰) ابن المدینی

(۱۱) عبداللہ بن مبارک (۱۲) ابن خراش (۱۳) سنان (۱۴) امام ترمذی

معدلین

(۱) یحییٰ (۲) ابوحاتم (۳) عجلی (۴) یعقوب بن شیبہ

اب دیکھیں! کہ جرح کرنے والے تقریباً چودہ آئمہ اور تعدیل کرنے والے صرف چار اور ان میں سے بھی امام عجلی تو صرف جائز الحدیث کہہ رہے ہیں۔جبکہ امام یعقوب صرف صدوق کہہ رہے ہیں بلکہ ساتھ ہی ''لیس من المثبتین ''(میزان الاعتدال ج۲ص۲۳۴) بھی کہہ رہے ہیں۔

اب آپ کا کہنا۔

لہٰذا آپ کی جرح دوسرے آئمہ کے مقابلہ میں تشدد پر محمول ہوگی۔(ص۴۰)

کیسے ہوسکتا ہے۔کیا امام نسائی اس پر جرح کرنے والے اکیلے آدمی ہیں؟ یہاں تو

جناب عالی ایک جم غفیر جرح کر رہا ہے جبکہ تعدیل کرنے والے صرف چار حضرات ہیں۔
جبکہ قاعدہ ہے کہ جرح کرنے والے اگرچہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں جرح تعدیل پر مقدم ہو
گی۔جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔(باحوالہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں۔

وممن یضطرب فی حدیثہ۔ اور وہ رواۃ جو کہ مضطرب الحدیث ہیں۔

اور امام ترمذی نے اس باب میں سب سے پہلے جس راوی کا نام لکھا ہے وہ ہے۔

سماک بن حرب !

اور علامہ ابن رجب حنبلی اس کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد ذکر الترمذی ان ھولا ء وامثالھم ممن تکلم فیہ من قبل حفظہ وکثرۃ خطئہ لا یحتج بحدیث احدمنھم اذا انفرد یعنی فی الاحکام الشرعیۃ والامور العلمیۃ ....(شرح علل الترمذی لابن رجب ص۱۴۱ج۱)

اور امام ترمذی نے اس باب میں ان راویوں کا ذکر کیا ہے کہ جن کے حافظہ یا کثرۃ خطاء
کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی جبکہ
وہ منفرد ہو یعنی احکام اور علمی امور میں۔

تدلیس کی بحث

حدثنا یحییٰ بن سعید عن سفیان قال حدثنا سماک عن قبیصۃ بن ھلب عن ابیہ (آپ کا مراسلہ نمبر۱،ص۴)

یہ روایت بھی اس راوی نے عن کے ساتھ بیان کی ہے لہٰذا یہ روایت قابل احتجاج
نہیں ہو سکتی۔چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہیں ہے اس لئے میں نے حوالے نہیں دیئے۔

کیونکہ یہ بات ہسول کی ہر کتاب میں مرقوم ہے۔لہٰذا اگر آپ اس راوی کو زبردست ثقہ بھی ثابت کر دیں (جو کہ ناممکن ہے) تب بھی آپ اس روایت کو صحیح قرار نہیں دے سکتے۔لہٰذا اگر اس حدیث کے متن اور سند پر کوئی اور کلام نہ بھی ہو تب بھی یہ روایت اس راوی کی وجہ سے درجہ صحت سے گر چکی ہے۔صحیح ہرگز نہیں ہو سکتی جو اس کو صحیح کہتا ہے وہ ہٹ دھرمی سے کام لے رہا ہے یا پھر اصطلاح محدثین سے جاہل ہے۔

اس روایت کے دوسرے راوی پر جرح

قبیصہ بن ھلب : اس راوی کے بارے میں نے نقل کیا تھا کہ۔

"قال ابن المدینی مجھول لم یر وعنه غیر سماک"

وقال النسائی مجھول (بحوالہ میزان ج ۳ ص ۳۸۴ وتہذیب ج ۸، ص ۳۵۰)

اور اس پر آپ نے اس طرح تبرا فرمایا۔

اب آپ کو مجھول راوی کا ہی پتہ نہیں تو میں کیا کروں؟ (آپ کے الفاظ ص ۴۱)

جناب آپ طعنہ مجھے دے رہے ہیں۔آپ یہ کم علمی کا طعنہ، امام نسائی، امام ابن المدینی، امام ذہبی اور امام ابن حجر عسقلانی وغیرہ کو دیں کیونکہ اس کو مجھول تو انہوں نے قرار دیا ہے۔نہ کہ میں نے۔میں نے تو صرف نقل کیا ہے اور یہ راوی ہے بھی واقعتاً مجھول جیسا کہ محدثین نے اس کو کہا ہے۔کیونکہ اس سے سوائے سماک بن حرب کے کسی اور نے روایت نہیں لی۔جیسا کہ امام مسلم نے بھی بیان فرمایا ہے۔

وممن تفرد عنه سماک بن حرب بالروایة . (ص ۱۴۲)

(۴۳۱) وقبیصة بن ھلب ، واسم ھلب : یزید بن قنافة والھلب لقب

(المنفردات والوحدان ص ۱۴۳ للمسلم دار الکتب العلمیة بیروت)

اور آپ نے اس راوی کی جہالت دور کرتے کرتے اپنی جہالت ثابت کر دی ہے۔

آپ نے اس کے معروف ہونے کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ اس کو امام عجلی نے ثقہ کہا ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔

جب عجلی کی طرف سے ثقہ قرار دے دیا گیا تو اس کی جہالت ختم ہوگئی۔ (ص ۴۲)

جب جہالت ختم ہوگئی تو آپ کا جہالت والا سوال بھی ختم ہوگیا۔۔۔۔۔۔

جناب عالی! شائد آپ کو علم نہیں ہے کہ امام ابن حبان اور امام عجلی جس راوی کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو اور نہ ہی تعدیل یعنی مجھول الحال ہو تو اس کو ثقہ لکھ دیتے ہیں۔لہٰذا کسی مجھول کو ان دونوں حضرات کا ثقہ لکھنا ان کی جہالت ختم نہیں کر سکتا جیسا کہ آپ کے ہی ہم مسلک بھائی جناب غازی عزیز صاحب لکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر امام عجلی اور امام ابن حبان (توثیق المجھولین کے معاملہ میں) بہت زیادہ متساہل ہیں۔ (ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت ص ۴۷،۴۸)

اور اگر اسکا تجربہ کرنا ہو تو ملاحظہ فرمائیں۔مندرجہ ذیل رواۃ کو محدثین نے مجھول قرار دیا لیکن امام عجلی نے ان سب کو اپنی کتاب ''تاریخ الثقات'' میں ثقہ کہا۔

(۱) عبدالعزیز بن قیس۔۔۔۔(ص ۳۰۵) (۲) عبدالرحمٰن والد عمر (۳۰۱) (۳) عبدالرحمٰن بن مریح الخولانی (۲۹۹) (۴) عبداللہ بن ابی بصیر (ص ۲۵۱) (۵) عاصم بن شمیخ (ص ۲۴۱) (۶) عمران بن قیس (ص ۳۷۴) (۷) عبدالرحمٰن بن ابی جعفر (ص ۲۹۰) (۸) عبداللہ بن عاصم (۳۱۷) (۹) علی الاسدی مکی (ص ۳۵۱) (۱۰) عمر بن صالح (ص ۳۶۵) (۱۱) عمران بن قیس (ص ۳۷۴) (۱۲) عمران بن یزید العطار (ص ۳۷۴) (۱۳) الفضل بن مؤتمن (ص ۳۸۳) (۱۴) قاسم بن مہران (ص ۳۸۷) (۱۵) کعب مولی عامر (ص ۳۹۷) (۱۶) الولید بن عنبسۃ (ص ۴۶۵) (۱۷) عبداللہ بن قیس القیسی (ص ۲۷۲)

یادرہے کہ اس آخری راوی کو آپ کے حافظ عبدالمنان صاحب ۔مجہول قرار دے چکے ہیں ۔جبکہ امام عجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے ۔ (ملاحظہ فرمائیں ۔تعداد تراویح للحافظ عبدالمنان ص ۱۰۲)

یہ نام میں نے اختصار کے ساتھ لکھے ہیں ۔وگرنہ اس سے بھی زیادہ نام مل سکتے ہیں ۔ لیکن اتنے ناموں سے بھی یہ ظاہر ہوگیا کہ امام عجلی مجہول راوی کو ابن حبان کی طرح ثقہ قرار دے دیتے ہیں ۔لہٰذا ان کے ثقہ کہہ دینے سے کسی راوی کی جہالت دور نہیں ہوسکتی ۔

اور پھر محدثین کے نزدیک تو دو راوی اعلیٰ درجہ کے ثقہ کسی راوی سے روایت کریں ۔ تب ہی اس سے جہالت مرفوع ہوگی جیسا کہ امام ترمذی نقل فرماتے ہیں ۔

وقال یعقوب بن شیبة !قلت لیحییٰ بن معین . متی یکون الرجل معروفا ؟ اذا روی عنه کم ؟ قال : اذا روی عن الرجل مثل ابن سیرین والشعبی وهولاء اهل العلم فهو غیر مجهول : قلت فاذا روی عن الرجل مثل سماک بن حرب وابی اسحاق ؟ قال هو لاء یرون عن مجهولین

-------(علل الترمذی ص ۸۱، ۸۲ ج ۱ ۔ دارالملاح للطباعة والنشر ۱۹۷۸ء)

امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں ۔کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ آدمی کب معروف گردانا جاتا ہے اس سے کتنے آدمی روایت کریں ۔تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی شخص سے ابن سیرین اور امام شعبی اور ان جیسے اہل علم حضرات روایت کریں تو وہ راوی مجہول نہیں رہتا ۔میں نے کہا جس سے سماک بن حرب اور ابواسحاق جیسے روایت کریں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مجہولین سے روایت کرتے ہیں ۔

اور اس کی شرح میں ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں ۔

وهذا تفصیل حسن : وهو یخالف اطلاق محمد بن یحییٰ الذهلی الذی

بعه علیه المتاخرون انه لا یخرج الرجل من الجهالة الابروایة رجلین فصاعداعنه ۔۔(ص۸۲،ج۱)

اور یہ تفصیل بڑی خوبصورت ہے اور یہ اس تعریف کے خلاف ہے جو کہ محمد یحییٰ الذھلی نے کی ہے اور جس کی متاخرین نے اتباع کی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی جہالت سے اس وقت تک نہیں نکلے گا۔ جب تک کہ اس سے دو یا زیادہ آدمی روایت نہ کریں۔

یعنی ان کے کہنے کے مطابق سماک بن حرب اور ابو اسحاق جیسے دو راوی بھی اگر روایت کریں تب بھی راوی جہالت سے بری نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو مجہولین سے روایت کرتے ہیں۔ ہاں امام شعبی و ابن سیرین جیسے روایت کریں تب اس راوی کا اسم رفع ہوگا۔لہذا ثابت ہوا کہ یہ راوی مجہول ہے اور آپ کا یہ لکھنا۔

چنانچہ ملاحظہ ہو۔حافظ ابن حجر مجہول کی تعریف کرتے ہیں۔

”من لم یروعنه غیر واحد ولم یو ثق“ تقریب (آپ کے الفاظ ص۴۱)

جناب عالی! حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مجہول کی تعریف نہیں کی بلکہ ایسے راوی کے بارے میں بتایا کہ نویں درجہ میں شمار ہوگا۔آپ نے جس صفحہ سے یہ عبارت نقل کی ہے اس صفحہ پر طبقہ سابقہ میں بھی مستور یا مجہول الحال کے بارے میں لکھا ہے کیا وہ بھی تعریف ہی ہے؟ اور پھر توثیق ہو تو سہی یہاں تو عجلی نے ثقہ کہا ہے اور وہ اس سلسلہ میں متساہل ہیں۔ جیسا کہ گذرا۔لہٰذا اس سلسلہ میں ان کی توثیق قابل اعتماد نہیں ہے۔ابن حبان اور عجلی کے علاوہ اس کی توثیق ثابت فرمائیں۔تب آپ کہیں کہ یہ راوی مجہول نہیں ہے۔

حرف آخر

المختصر یہ کہ یہ روایت کسی بھی لحاظ سے قابل احتجاج اور صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۱) متن کے لحاظ سے یہ روایت غیر متعلق ہے۔ کیونکہ نہ تو یہ نماز کے بارے میں ہے نہ ہی اس میں نماز کا ذکر ہے۔

اعتراض :

اگر یہ نماز کے بارے میں نہیں تو پھر آپ نے کیوں سینہ پر ہاتھ باندھے۔

جواب :

یہی روایت مسند میں موجود ہے اور اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا قرینہ بھی موجود ہے۔ جو کہ نماز کے علاوہ ہے۔

حدثنا عبداللّٰہ حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر الورکانی ثنا شریک عن سماک عن قبیصہ بن ھلب عن ابیہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال سألتہ عن طعام النصاری فقال لا یختلجن اولا یحیکن فی صدرک طعام ضارعت فیہ النصرانیۃ قال وکان ینصرف عن یسارہ وعن یمینہ ویضع احدی یدیہ علی الاخریٰ۔۔۔ (مسند احمد۔ ص۲۲۶ ج۵ ۔ دارالفکر بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، سینہ کی بات کر رہے تھے۔ اس لئے ہاتھ سینہ پر رکھ کر فرمایا کہ تمہارے سینہ میں عیسائیوں کا کھانا خلجان پیدا نہ کرے۔

(۲) اس روایت میں ''علی صدرہ'' کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ اور ان الفاظ کے بیان کرنے میں سماک سے یحییٰ متفرد ہے۔ کیونکہ یحییٰ کے علاوہ جن حضرات نے اس کو بیان کیا ہے۔ اس میں :علی صدرہ کے الفاظ نہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ (مسند امام احمد ص۲۲۶ ج۵، ص۲۳۶ ج۵، ترمذی ص۳۴ ج۱۔ وابن ماجہ ص۵۸)

(۳) اس روایت میں ایک راوی سماک بن حرب ''مدلس'' ہے اور وہ یہ روایت ''عن'' کے

ساتھ بیان کررہا ہے۔اور مدلس کی ''معنعن روایت مردود'' ہوتی ہے۔بالاتفاق محدثین۔

(۴) یہ روایت بلحاظ سند بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس میں ایک راوی ''سماک بن حرب''ضعیف ہے۔

(۵)اس روایت میں ایک راوی ''قبیصہ بن ھلب'' مجھول ہے اور مجھول کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

حرف دیگر

کیا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا غیر شرعی فعل نہیں ہے؟ یہ فعل یقیناً غیر شرعی ہے اور حضور نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے منع فرمایا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

مختصر عرض کرتا ہوں۔

عن عبد اللّٰہ بن بریدۃ عن ابیه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال :ثلاث من الجفاء ان یبول الرجل قائماً اویمسح جبهته قبل ان یفرغ من صلاته اوینفخ فی سجودہ . اخرجه البزار فی مسندہ بسندصحیح کماقال العینی فی العمدۃ (بزار فی مسندہ کشف الاستار۔ج ا ص ۲۶۶، برقم ۵۴۷۔طبرانی فی المعجم الاوسط ص ۱۹۸ ج ۶ برقم ۵۹۹۸ و ہیثمی فی المجمع الزوائد ج ۲، ص ۸۳ وقال رجال البزار رجال الصحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین باتیں جفا،بے ادبی سے ہیں اول یہ کہ آدمی کھڑے ہوکر پیشاب کرے---------

حدیث دوم

عن عمر قال رانی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ابول قائمافقال یا عمر لا

تبل قائما فما بلت قائما بعد ۔۔۔۔۔۔۔۔(ترمذی فی الجامع۔ج۱ص۴ لفظ لہ، ابن ماجہ فی السنن ص۲۶،بیہقی فی السنن الکبریٰ ج۱۔ص۱۰۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا؛اے عمر ! کھڑے ہوکر پیشاب نہ کیا کرو۔اس دن سے میں نے کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔

حدیث سوم

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان یبول الرجل قائما۔۔۔۔(ابن ماجہ فی السنن ص۲۶،بیہقی فی السنن الکبریٰ ج۱۔ص۱۰۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث چہارم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه ۔۔۔(دارقطنی فی السنن [عن انس] ج۱ص۱۲۸برقم ۴۵۳،حاکم فی المستدرک ج۱ ۔ص۱۸۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عذاب قبر اسی سے ہے۔

اور یہ لازمی ہے کہ کھڑے ہو پیشاب کرنے سے کپڑوں پر چھینٹے پڑنے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ''غیر شرعی فعل ہے''۔اور ایسے راوی کی حدیث قبول نہیں کی جاسکتی جو کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرتا ہو۔اب میرے خیال میں آپ کی

اس عبارت کا جواب ہو گیا ہو گا جو کہ آپ نے لکھی تھی کہ

جناب پہلے یہ تو ثابت کریں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا غیر شرعی ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۳۸)

تو اب ثابت ہو گیا کہ یہ فعل ''غیر شرعی فعل'' ہے۔

حدیث نمبر۲ :

سہل بن سعد کی حدیث

آپ کی طرف سے اس حدیث کے پیش کرنے پر میں نے چند علمی اعتراضات کیے تھے۔ کیونکہ آپ نے لکھا تھا۔

اس حدیث میں ''ذراع'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ''ذراع'' کا لفظ بڑی انگلی کی طرف سے لیکر کہنی تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے۔ اب اگر دائیں ہاتھ بائیں کہنی والے جوڑ تک پہنچایا جائے۔ تبھی مذکورہ بالا حکم پر عمل ہو گا۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ مراسلہ نمبرا ص ۴)

تو اس پر میں نے لکھا تھا۔

پہلی حدیث میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے جوڑ پر رکھنا سنت ہے اور اب آپ بازو پر بازو رکھنے کو سنت قرار دے رہے ہیں۔ ان میں سے کونسی بات درست ہے۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

جناب دونوں باتیں درست ہیں۔ دونوں طریقے سنت ہیں۔ دایاں ہاتھ چاہے مفصل پر رکھ لیں یا ذراع پر دونوں درست ہیں کیونکہ دونوں طریقے صحیح حدیث میں آئے ہیں صحیح حدیث کے سامنے ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں کیونکہ ہم اہل حدیث ہیں۔۔۔۔۔ (آپ کے

الفاظ ص ۴۲،۴۳)

جناب دونوں باتیں درست کیسے ہو گئیں۔ دونوں طریقے سنت کیسے ہو گئے۔ جبکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک پر عمل کرنے سے دوسرے پر عمل نہیں ہو سکتا۔ دونوں طریقے کس صحیح حدیث سے ثابت ہیں؟ حدیث ''قبیصہ'' کو اب بھی اگر آپ صحیح فرمائیں تو پھر یا تو آپ جاہل ہیں اصول حدیث سے یا پھر ہٹ دھرم اور ضدی اور حق کے خلاف اڑ جانے والے ہیں۔ حدیث بخاری ویسے ہی آپ کے مطلب پر پوری نہیں اترتی آپ اسے کھینچ تان کر مطلب نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اس میں آپ قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک آپ کے اہلحدیث ہونے کا تعلق ہے تو یہ ہم سب جانتے ہیں کہ آپ کیسے اہلحدیث ہیں اور یہ نام آپ کو کس سرکار کی عنایت سے کب عطا ہوا ہے۔

میں نے عرض کیا تھا۔ کہ

آپ کا یہ کہنا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کہنی تک پہنچایا جائے یہ کس نے شرح کی ہے------ (میرے الفاظ ص ۱۳، مراسلہ نمبر ۱)

آپ پر یہ ضروری تھا کہ اس محدث کا نام لیتے جس نے بخاری کی شرح کرتے ہوئے مندرجہ بالا حدیث کی شرح میں یہ الفاظ لکھے ہوں لیکن چونکہ آج تک کسی معتبر محدث نے یہ شرح کی ہی نہیں۔ لہٰذا آپ اس شارح کا نام نہ لکھ سکے اور اپنی من مرضی کی شرح کو صحیح منوانے کیلئے عجیب وغریب چکر چلانے لگے، آپ نے لکھا۔

جناب آپ نے میری عبارت غور سے نہیں پڑھی جبھی یہ اعتراض کیا میں نے کہا تھا کہ حدیث میں ''ذراع'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ذراع کہتے ہیں بڑی انگلی سے لیکر کہنی تک کے حصہ کو یہ شرح میں نے نہیں کی بلکہ یہ عربی کی سب سے مشہور اور قابل حجت لغت ''لسان العرب'' نے کی ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۴۳)

جناب عالی! میں نے آپ کی عبارت کوغور سے پڑھا تھا۔تبھی تو یہ اعتراض کیا تھا۔کیا ''ذراع'' کی یہ تعریف علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، علامہ کرمانی رحمہم اللہ نہیں جانتے تھے؟یقیناً جانتے تھے لیکن یہ کسی نے نہ کہا کہ اس میں دائیں ہاتھ کی انگلی کو بائیں ہاتھ کی کہنی تک پہنچایا جائے، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اوران کے لاتعداد مقلدین فقہاء محدثین کسی کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہ آیا۔آیا تو صرف موجودہ دور کے چند غیر مقلدین کی سمجھ شریف میں آیا۔کیا وہ عربی لغت سے ناآشنا تھے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھرانہوں نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ اور اگر یہی شرح ہے تو پھر پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ذراع کے مقابلہ ''ذراع'' کا لفظ کیوں نہ بولا۔ذراع کے مقابلہ میں ''ید'' کا لفظ کیوں استعمال فرمایا۔''ذراع اور ید'' میں کوئی فرق ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو آپ کا مسئلہ اخذ کرنا غلط ثابت ہوا اور اگر نہیں تو دلائل سے واضح کیجئے۔''ذراع'' کے معنی میں تو اختلاف نہیں، اختلاف تو صرف یہ ہے کہ کیا پوری ذراع پر ہی ذراع کو پھیلانا ہے۔اگر یہ معنی اتنا ہی آسان اور واضح تھا تو حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کی سمجھ میں کیوں نہ آیا۔آپ نے کیوں فرمایا۔ ''ابهم موضعه من الذراع''۔(فتح الباری ج۲ص۱۷۸)

کہ ذراع کی کس جگہ ہاتھ رکھنا ہے وہ جگہ مبہم ہے۔اس کا بیان نہیں ہوا۔

اور اگر آپ کے نزدیک ہاتھ بھی کہنی تک ہے اور ذراع بھی کہنی تک اور اسی پر عمل تبھی ہوسکتا ہے جبکہ پوری ذراع پر کہنی تک انگلیاں جائیں تو ذرا ان احادیث پر عمل کر کے دکھا دیں بندہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

عن عبد الله بن الزبير ، قال كانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم اذاقعد يدعو وضع يده اليمنى على فخذه اليمنى ويده اليسرى على فخذه اليسرى

______(مسلم ج۱۔ص۲۱۶ دار قطنی ص۳۵۰، سنن الکبریٰ ص۱۳۱ج۲، ابن ابی شیبہ

ص ۲۲۵ ج ۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں تشہد بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے۔

اب ہاتھ آپ کے نزدیک کہنی تک ہے اور "فخذ" کہتے ہیں۔ "ما بین رکبة درک' گھٹنہ سے لیکر چیتڑ تک۔

تو اب آپ کے اصول کے مطابق تشہد میں آدمی اپنی پوری رانوں پر کہنی سمیت بازو کو پھیلا دے تبھی اس حدیث پر عمل ہوگا؟ ورنہ تو اس حدیث پر عمل ہو نہیں سکتا۔ آپ اپنے اصول اور اپنی کی ہوئی شرح کے مطابق اس حدیث پر عمل کر کے دکھائیں۔ تب معلوم ہوگا کہ آپ کی شرح کہاں تک صحیح ہے۔ اب آئیں جو میں نے لکھا تھا کہ۔

" ہاتھ اور ذراع میں فرق ہوتا ہے۔"

تو ہم اسکو بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن ابن عباس ،قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم : امرت ان اسجد علی سبعة اعظم : علی الجبهة ...... والیدین، والرکبتین واطراف القدمین ----------۔ (متفق علیہ مسلم فی الصحیح ج ۱ ص ۱۹۳ و بخاری فی الصحیح ج ۱ ص ۱۱۲ اللفظ لہ واحمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۹۲ برقم ۲۶۵۸)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی ہر دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں پر اور قدموں کی انگلیوں پر۔

اس حدیث شریف میں دونوں ہاتھوں پر سجدہ کرنے کا حکم ہے تو کیا کہنی سمیت ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے گا؟ ہرگز نہیں کیونکہ ہاتھوں کا ذکر ہے اور ذراع۔ کو ہمارے محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس سے علیحدہ فرما دیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

عن انس : قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : اعتدلو افی السجود ،ولا یبسط احدکم ذراعیہ انبساط الکلب ۔

تخریج حدیث : مسلم فی الصحیح ج ۱ ص ۱۹۳ لفظ لہ و بخاری فی الصحیح ج ۱ ۔ص ۱۱۳، سنن الکبرٰی ص ۱۱۳ ج ۲ و احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۱۰۹ برقم ۱۲۰۸۹ وص ۱۱۵ برقم ۱۲۱۷۳ وص ۱۷۷ برقم ۱۲۸۴۳ ص ۱۹۱ برقم ۱۳۰۲۲ وص ۲۰۲ برقم ۱۳۱۲۲ وص ۲۱۴ برقم ۱۳۲۶۵ وص ۲۳۱ برقم ۱۳۴۵۳ وص ۵۸ برقم ۱۳۹۳۳ تا ۱۳۹۳۷ وص ۲۷۹ برقم ۱۴۰۱۸ وص ۲۹۱ برقم ۱۴۱۴۳۔

رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سجود میں اعتدال کیا کرو اور کتے کی طرح بازو زمین پر نہ بچھا دیا کرو۔

اب جناب عالی! ''ذراع اور ید'' کا فرق ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اس حدیث شریف میں لفظ ''ذراع'' ہے۔جس کو زمین پر رکھنا سجدہ میں منع کیا گیا ہے۔اب ''زراع'' انگلی سے لیکر کہنی تک ہے۔تو کیا صرف ہاتھ گٹ تک رکھنا بھی منع ہو جائیگا۔جبکہ آپ کے نزدیک تو ہاتھ بھی کہنی تک ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔کہ ایک مقام پر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو حکم خداوندی کہیں اور دوسری جگہ اس کو کتے کے ساتھ تشبیہ دیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہاتھ گٹ تک ہی عام طور پر مستعمل ہے جبکہ عام طور پر ذراع یعنی کلائی گٹ سے اوپر کے حصہ پر بولا جاتا ہے اگرچہ کبھی کبھار ہاتھ بھی اس میں شامل ہوتا ہے لیکن جب ید کا لفظ ذراع کے مقابلہ میں بولا جائے تو ''ید'' گٹ تک اور ذراع گٹ سے اوپر تک جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا اور اسی طرح جب اکیلا لفظ ''ید'' بولا جائے تو پھر وہ

''الید : الکف اومن اطراف الاصابع الی الکتف'' ۔(لاروس ص ۱۳۰۴،

والسان ص ۴۱۹، ج ۱۵)

یعنی ہاتھ ہتھیلی کو کہتے ہیں یا پھر انگلیوں کے پوروں سے لیکر کندے تک۔

اب میرے خیال میں میرے ان الفاظ کی آپ کو سمجھ آ گئی ہوگی جن میں میں نے کہا تھا۔

''جب ذراع کے ساتھ ''ید'' کا لفظ استعمال ہو تو پھر گٹ تک شمار ہوگا۔''

اگر آپ اس کو نہیں مانتے تو پھر دائیں ہاتھ کو یعنی سمیت بائیں ذراع پر باندھ کر ذرا اہلحدیث ہونے کا ثبوت تو مہیا فرمائیں۔آپ نے مجھے فرمایا۔

اب جبکہ اس پورے حصہ کو ''ذراع'' کہا گیا ہے اور حدیث میں بھی الذراع کا لفظ استعمال ہوا تو حدیث پر عمل اسی وقت ہی ہوگا نا جب دائیں کو پوری ''الذراع'' پر رکھا جائے اور اب پوری الذراع پر رکھ کر مجھے ناف سے نیچے باسانی لیجا کر دکھائیں (فان لم تفعلوا ولن تفعلوا)۔۔(آپکے الفاظ ص ۴۳)

جناب عالی! جب لغت سے معلوم ہو گیا کہ ''فخذ'' کا لفظ گھٹنے سے لیکر چیتڑ تک بولا جاتا ہے۔اب پوری ''فخذ'' پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھ کر تو دکھائیں۔تاکہ آپ کی اہلحدیثی ثابت ہو سکے۔میں نے لکھا تھا کہ یہ شرح آپ کی من گھڑت ہے کہ ہاتھ پوری ذراع کو گھیرے ہوئے ہوں جبکہ محدثین نے تو اس کے خلاف ثابت کیا ہے جیسا کہ میں نے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ

اس حدیث شریف میں۔الحمدللہ ہمارا ہی مسلک بیان ہو رہا ہے نہ کہ آپ کا اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

(قوله علی زراعه) ابهم موضعه من الذراع وفی حدیث وائل عندابی داؤد والنسائی ثم وضع یده الیمنی علی ظهر کفه الیسری والرسغ من الساعد۔۔الخ (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷۸)

تو ثابت ہوا کہ بازو کو بازو پر نہیں باندھنا بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھنا ہے۔۔۔۔۔۔(میرے الفاظ مراسلہ نمبر ا ص ۱۳)

میری اس عبارت پر آپ نے حسب عادت اس طرح تبصرہ فرمایا۔

اس عبارت میں آپ نے پھر ''علمی خیانت'' سے کام لیا ہے۔ پہلے تو آپ نے ابوداؤد اور نسائی کی حدیث میں ردوبدل کہ جس سے معنی میں لامحالہ تبدیلی ہوگئی۔ حدیث میں اصل لفظ تھے۔''علی ظهر كفه اليسرى والرسغ والساعد '' آپ نے لکھا 'علی ظهر كفه اليسرى والراسغ من الساعد '' مجھے بتایئے واو کی جگہ ''من'' کہاں سے آ گیا۔

لعنة الله على الكاذبين: میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کیونکہ آپ کی تو عادت ہے کہ ہمیشہ مجھ پر ''علمی خیانت'' کا الزام دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ اپنی کم علمی پر نہیں روتے۔

جناب عالی! کیا میں نے براہ راست ابوداؤد اور نسائی کا حوالہ دیا تھا۔ میں نے تو حضرت علامہ ابن حجر کا نام لیکر ان کے حوالہ سے لکھا تھا اور فتح الباری کا صفحہ وجلد بھی لکھی تھی لیکن آپ نے اتنی تکلیف ہی گوارا نہ کی کہ آپ فتح الباری کا مطالعہ مذکورہ صفحہ وجلد فرما لیتے۔ بجائے اس کے کہ آپ مطالعہ کریں آپ نے مجھ پر علمی خیانت کا گھناؤنا الزام لگا دیا۔ حضرت اب بھی میرا دعویٰ ہے کہ ''فتح الباری'' میں واو نہیں بلکہ من ہے۔ آپ نے کہا ''من'' کہاں سے آ گیا۔ تو یہ سوال آپ علامہ ابن حجر سے کریں اگر محرف کہنا ہی ہے تو پھر علامہ ابن حجر کو کہیں۔ میں تو صرف ناقل ہوں۔

اور یہی لفظ ''من'' حضرت بدرالدین عینی نے بھی روایت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وفي حديث وائل عند ابى داؤد والنسائى ''ثم وضع يده اليمنى على

ظهـر كـفـه اليسـرى والـرسغ مـن السـاعـد "(عمدة القاری شرح صحیح بخاری ص۲۷۸ ج۵ ملتان)

اور یہی روایت امام بیہقی نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

عن وائل بن حجر .... ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ من الساعد ـــــ (سنن الکبریٰ ص۲۸ ج۲)

لہٰذا ثابت ہوا کہ اس روایت میں "من" بھی صحیح ہے جس سے یہ ثبوت واضح طور پر ملتا ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھنا نہ کہ بازو کو بازو پر باندھنا۔

اگر یقین نہ آئے تو اپنے ہی گھر کی خبر لیں۔ میں حق واضح کرنے کیلئے حوالہ پیش کر رہا ہوں۔اگر آپ کے دل میں حق کے قبول کرنے کا مادہ ہے تو آپ یقیناً اس کے بعد حدیث سہل بن سعد کا مفہوم بگاڑ کر من مرضی کا مسلک نہیں اپنائیں گے۔اور آئندہ مسلک حق اہل سنت کے مطابق ہاتھ زیر ناف باندھ کر عنداللہ ماجور ہوں گے تو دیکھئے یہ ہیں آپ کے ایک مایہ ناز محقق یعنی ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام المبارکپوری غیر مقلد آپ اس حدیث بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ابهـم سهـل بـن سـعـد مـو ضـعـه من الذراع.... والمراد انـه وضع يده اليـمـنـى بـحـيـث صـار وسـط كفه اليمنى على الرسغ ، ويلزم منه ان يكون بعضهاعلى الكف اليسرى والبعض على الساعد ..... واعلم انه لم يروفى رواية وضع الذراع على الذراع ، فما يفعله بعض العوام من وضع الذراع عـلى الذراع بحيث انهم يضعون الكف اليمنى على مرفق اليد اليسرى او قـريـبـاًمـنـه ثـم يا خدونه باصابع اليداليمنى هو همالا اصل له ... تنبية : لم يـذكـر سهـل ابـن سـعـد فـى حديثه محل وضع اليدين من الجسد ــــــ

(المرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ص۲۹۹،۲۹۸ ج۲۔ازمبارکپوری غیر مقلد)

سہل بن سعد نے بازو کے حصہ میں ابہام رکھا ہےاوراس سے مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اس حیثیت سے رکھے کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے اوپر آجائے اور لازم ہے کہ کچھ حصہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہتھیلی پراور کچھ حصہ بازو پر آئے ۔۔۔۔اور جاننا چاہئے کہ کسی روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں ۔کہ بازو پر بازو باندھا جائے اور بعض (جاہل)عوام جو یہ کرتے ہیں کہ بازو پر بازو اس طرح جارکھتے ہیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں کہنی تک یا اس کے قریب پہنچ جائے پھر دائیں انگلیوں سے اس کو پکڑتے ہیں یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تنبیہ : سہل بن سعد نے اپنی حدیث میں جسم کے کسی حصہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا۔

کیوں جناب حافظ صاحب: اب بتائیں کہ آپ نے یہ ترجمہ کہ بازو پر بازو باندھا جائے کہاں سے اخذ کیا ہے کہیں دانستہ طور پر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں معنوی تحریف کا تو ارادہ نہیں ۔خدارا انصاف چاہئے۔جہلاء کے پیچھے لگ کر احادیث رسول کا حلیہ نہیں بگاڑنا چاہئے۔اس حوالہ کو بار بار پڑھیں۔

ع۔۔۔ شائد اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اور پھر میری اس عبارت پر کہ۔

ثابت ہوا کہ بازو کو بازو پر نہیں بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھا ہے۔۔۔۔۔(میرے الفاظ)

آپ نے یہ تبصرہ فرمایا۔

یہ صرف گٹ پر رکھنا اس حدیث سے کیسے ثابت ہوا وہ علی ظہر کفہ الیسری“ اور الساعد کا کیا بنے گا؟ان کا ترجمہ کس نے کرنا ہے۔حضرت خدارا اتنا بھی آگے نہ بڑھئے کہ حدیث

کی تحریف شروع ہو جائے۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص ۴۵)

اس حدیث سے کیسے ثابت نہیں ہوا۔اب اگر آپ ابتدائی اسباق بھی نہیں پڑھے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔آپ ذرا اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر باندھ کر دیکھیں۔علیٰ ظہر کفہ الیسری۔اور الساعد کا کچھ بنتا ہے یا کہ نہیں۔پورا ہاتھ ان تینوں اشیاء پر پورا فٹ آتا ہے کہ نہیں۔اسطرح کہ دائیں ہاتھ کے گٹ کا اندرونی حصہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اور دائیں ہتھیلی بائیں گٹ پر اور دائیں ہاتھ کی انگلیاں کلائی پر۔الحمدللہ حدیث شریف پر عمل ہو گیا۔اور جہاں تک تحریف کی بات ہے تو ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ایسے فعل سے یہ کام آپ لوگوں کو ہی بھاتا ہے آپ ہی کرتے جائیں۔

پھر آگے آپ نے ایک بچگانہ بات لکھ دی کہ

آپ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، گٹ اور ساعد (کلائی) پر رکھ کر بآسانی ناف سے نیچے نہیں لے جا سکتے۔آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔(آپ کے الفاظ ص ۴۶)

الحمدللہ! ہم تو ہر نماز میں تجربہ کرتے دیکھتے ہیں۔آپ نہ جانے ہاتھ کس کو کہتے ہیں ہاتھ گٹ تک ہی بولا جاتا ہے۔آپ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ آپ کو ہاتھ کی ھیت کا پتہ چل سکے۔آپ تو ہتھیلی گٹ اور کلائی پر دایاں ہاتھ باندھتے ہی نہیں بلکہ ہتھیلی پر کہنی آتی ہے۔اور کلائی پر کلائی جبکہ بائیں کہنی پر آپ کی ہتھیلی یا انگلیاں آتی ہیں۔یہ ہے اصل تحریف حدیث میں، کیونکہ یہ تعریف پوری امت مسلمہ میں سے کسی نے بھی نہیں کی جیسی آجکل کے غیر مقلدین کر رہے ہیں۔(جیسا کہ ابھی ابھی مبارکپوری کے حوالہ سے گذرا) میں نے آپکی خود ساختہ تعریف پر یہ کہہ کر اعتراض کیا تھا کہ

آپ کے فرمان کے مطابق ہاتھوں کے زیر ناف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو جناب عالی ایسے ہاتھ باندھے جائیں تو کیا سینہ پر جانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا۔

جناب عالی! اس کیفیت میں سینہ پر ہاتھ چلے جاتے ہیں۔ الحمدللہ تجربہ کر کے دیکھ لیں اصل میں آپ کے اس اعتراض کی بنیاد بھی آپ کے ذہن میں جو سینہ کا حدود اربعہ ہے اس پر ہے، اسے بیان کیجئے۔ جواب خود بخود واضح ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ ص ۴۵)

اصل میں آپ لوگ سینہ کے زور پر پورے پیٹ کو ہی سینہ قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں جس آدمی کو سینہ کے حدود اربعہ کا ہی علم نہ ہو وہ اپنے آپ کو نہ جانے کیا کچھ سمجھ رہا ہے۔ آپ کسی ان پڑھ شخص سے پوچھئے وہ آپ کو سینہ کا حدود اربعہ واضح کر دے گا۔ میرے نزدیک سینہ پیٹ کے اوپر ہڈیوں والے حصہ پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کے نیچے جو حصہ ہڈیوں سے خالی ہے وہ پیٹ ہے سینہ نہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں میں بیان کر آیا ہوں۔

حرف آخر

یہ حدیث غیر متعلق ہے۔ اس حدیث سے جو آپ اپنی سینہ زوری سے مطلب نکال رہے ہیں وہ قطعاً غلط اور مردود ہے جیسا کہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی اور مبارکپوری کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ یہ حدیث شریف ہماری دلیل ہے نہ کہ آپ کی۔ اگر ایسا ہوتا تو آئمہ اربعہ میں سے کسی کا تو اس حدیث صحیح پر عمل ہوتا اور کوئی محدث تو بیان کرتا کہ اس سے سینہ پر ہاتھ باندھنے ثابت ہوتے ہیں۔ جبکہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا۔

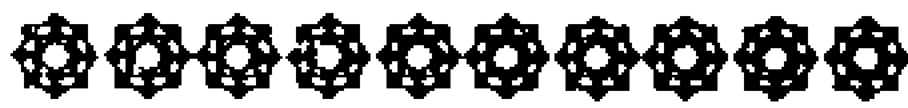
ابھم موضعہ من الذراع۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۷۸)

جبکہ حضرت علامہ بدرالدین عینی نے فرمایا۔

لکن وضع المظهر موضع المضمر۔(عمدۃ القاری ص ۲۸۷ج ۵)

اورامام نووی نے اسکوشرح المہذب میں بیان فرمایا۔لیکن اس کوسینہ پر ہاتھ باندھنے میں مویدنہیں کیا۔اورعلامہ مبارکپوری غیرمقلد نے کہا لم یذکر سھل بن سعد فی حدیثه محل وضع الیدین من الجسد اورامام شوکانی نے لکھا۔

ابھم ھنا موضعه من الذراع (نیل الاوطار ص ۱۸۷ج ۲دارالکتب العلمیہ بیروت)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علی من اتبع الھدی

جناب حافظ محمد مقیت صاحب

آپ کا مراسلہ بدست محترم ومکرم جناب محمد ارشد صاحب قادری موصول ہوا۔

حسب توقع آپ نے پورے مراسلہ میں ضد اور عناد کا بھرپور مظاہرہ فرمایا ہے جو کہ ھدایت کے متلاشی لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔آپ نے مراسلہ کو محض طول دینے کیلئے پھر از سر تو میرے پہلے مراسلوں کی عبارات نقل کرنا شروع کر دی جو کہ ختم ہو چکی تھی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ محض اپنا وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب بجائے تحریر پر وقت ضائع کرنے کے آمنے سامنے بیٹھ کر انہی دوستوں کے ساتھ مسئلہ پر گفتگو ہو جائے اور ابھی تک جو تحریر لکھی جا چکی ہے ان کے سامنے پڑھ کر ان سے فیصلہ لے لیا جائے۔تا کہ حق ظاہر و واضح ہو سکے۔میں نے تو اسی دن سمجھ لیا تھا کہ آپ تقریر کی بجائے تحریر پر اس لئے زور دے رہے ہیں کہ کہیں آپ کے مسلک کی بیچارگی آشکار نہ ہو جائے اور تحریر میں کونسا کسی نے ہاتھ پکڑ لینا ہے جو چاہا لکھ دیا۔

میرے علمی اعتراضات کے آپ نے تسلی بخش جوابات نہ دیئے اور محض وقت گذارنے کیلئے آپ غیر متعلق تحریر میں الجھ گئے۔

حدیث مستدرک حاکم شاذ ہے

اس پر میں نے چند محدثین کی عبارات لکھی تھیں۔جس کے جواب میں آپ نے عجیب سی بات لکھ دی۔

جناب رضوی صاحب ! آپ نے اتنی ساری تعریفات اور حوالہ جات نقل کر دیئے

ہیں لیکن یہ تو آپنے بیان ہی نہیں کیا کہ ان شاذ کی تعریفات میں سے کونسی تعریف کو مانتے اور حجت سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ جب تک آپ خود شاذ کی تعریف نہیں کریں گے بات آگے نہیں بڑھے گی۔ (آپ کے الفاظ ص ۶)

اب آپ خود ہی بتائیں کہ کیا میرے ماننے نہ ماننے سے تعریفات بدل جائیں گی۔ یہ تعریفات محدثین کی ہیں آپ فرمارہے ہیں۔ کہ آپ خود تعریف فرمائیں کیا عقل مندی ہے یعنی ہر کوئی شخص اپنی مرضی کی تعریف کرے گا؟ یہ کیسا مسئلہ ہوا۔

جناب عالی! اصولی بات تو یہ تھی کہ آپ ان تعریفات کو غلط ثابت فرماتے یا یہ فرماتے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث ان تعریفات کے تحت شاذ نہیں ہے یا خود کسی محدث سے نقل فرماتے کہ ایسی حدیث شاذ نہیں ہوتی آپکی حدیث تو ہر تعریف کے لحاظ سے شاذ ہے اور اس کا آپ کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

البانی اور عبدالرؤف کی تحقیق

یہ آپ نے ایک عجیب کام پکڑا ہے کہ یہ فلاں کی تحقیق ہے یہ میری تحقیق ہے آخر آپ محقق کب کے بن گئے۔ بخاری شریف تو پڑھنی نہیں آتی۔ محقق و محدث بن گئے۔ بات ان کی تحقیق واقوال کی نہیں بات ان کے دلائل کی ہے۔ آپ نے ان دلائل کا کیا جواب دیا۔ ایک حدیث علامہ ابن حجر نے پیش کی اور ایک البانی نے، آپ نے ان دونوں احادیث کا کیا جواب لکھا؟ صاف ظاہر ہے کہ آپ محض بات کو لمبا کرنا چاہتے ہیں۔

اور پھر میں نے کہاں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بطور راوی پیش کیا ہے کہ آپ ان پر جرح فرمارہے ہیں۔ یہ کہاں کا اصول ہے؟

آپ کی پیش کردہ حدیث شاذ کی تعریف کے لحاظ سے شاذ ہے۔ کبھی تو آپ ابن حجر کی

بات کو دلیل مانتے ہیں اور کبھی یہ کہ ٹھکرا دیتے ہیں۔ کہ یہ ان کی تحقیق ہے اور یہ میری تحقیق، عجیب آدمی اور شتر بے مہار ہیں۔ اب ان تمام باتوں کا فیصلہ انشاء اللہ آمنے سامنے بیٹھ کر ہی کیا جائے گا۔

اور پھر آپ نے ص ۱۵ پر صدوق کو طبقہ رابعہ میں شمار کیا۔ لیکن اب آپ کو کون بتائے یہ کہ تقریب میں طبقات تعدیل نہیں ہیں بلکہ طبقات محدثین ہیں۔ آپ محقق وقت بن گئے لیکن اتنی سی تمیز نہ ہو سکی۔ کہ طبقات جرح وتعدیل وطبقات محدثین میں کیا فرق ہے۔

لہٰذا انہی چیزوں کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جاہلوں کو سلام ہی بہتر ہے۔ اور اگر آپ کی بات مان لی جائے تو کیا پھر چوتھے طبقہ والوں کو زبردست ثقہ کہا جائے گا۔

لہٰذا دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ روایت غیر مقلدین کے نزدیک بھی شاذ معلول ہے اور سنداً بھی صحیح نہیں ہے۔ اور آپ نے چونکہ دوبارہ وہی باتیں لکھ دی ہیں جن کا جواب ہو چکا ہے۔ لہٰذا دوبارہ اس پر بحث کرنا لایعنی ہے۔ ہشام بن عروہ پر جرح کا جواب آپ نے دینے کی کوشش کی ہے۔

آخر عمر میں حافظہ متغیر ہونے پر میں نے خطیب بغدادی کا حوالہ لکھا لیکن اس کے باوجود آپ نے فرما رہے ہیں۔ کہ "جناب کون سے محدثین۔"

کیا خطیب بغدادی محدث نہیں ہیں۔ پھر آپ خود ہی تو ابو بکر بن عیاش کے بارے میں حافظہ متغیر ہونے کو عیب تصور فرما چکے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت بالکل قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔ اس پر انشاء اللہ مراسلات کی روشنی میں بالمشافہ گفتگو ہوگی۔

وتروں کی دعائے قنوت میں عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا

اس پر بھی آپ نے شرائط کے مطابق صریح حدیث پیش نہیں کی۔ لہٰذا غیر متعلق

احادیث پر بحث ضروری نہیں۔

میزان الاعتدال کی عبارت

جب آپ نے خود ہی تسلیم فرمالیا۔ کہ ہاں میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ان یتامل ویتانی قلم کی تیزی سے یتاتی بن گیا تو اب فوٹو کاپی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

حرف آخر

چونکہ آپ نے اس مسئلہ پر کوئی نئی چیز نہیں لکھی۔ اس لئے لمبا چوڑا جواب لکھنے پر وقت کا ضیاع ہوگا۔ لہٰذا میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ یہ مسائل بالمشافہ گفتگو کی ذریعے ہی حل ہو سکتے ہیں اور ان تمام احباب کا بھی یہی تقاضہ ہے۔ جن کیلئے ان تمام مسائل پر گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ اب آپ کی طرف سے تاریخ کا انتظار رہے گا کہ آپ کب وہاں اسی جگہ تشریف لاتے ہیں تاکہ ان دوستوں کو حق کا علم ہو سکے۔

مسئلہ نمبر۲:

نماز میں سینہ پر ہاتھ

اس مسئلہ میں بھی آپ نے شرائط کے مطابق صحیح صریح مرفوع حدیث نقل نہیں کی۔ جس سے الحمدللہ مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے تو چونکہ آپ غیر مقلد ہیں۔ اپنے باپ کی بات بھی یہ کہہ کر ٹالتے ہیں کہ یہ ان کی تحقیق ہے اور یہ میری بہرحال آپ مذکورہ شرائط کے مطابق حدیث پیش فرمائیں۔

حدیث میں تحریف

میں نے عرض کیا تھا کہ آپ نے حدیث ہلب میں تحریف کی ہے جس میں سے ایک کا

آپ نے اعتراف ص ۱۴۱ پر فرمالیا۔ اور جہاں تک آپ کا اس کے بعد یہ فرمانا کہ یہ تحریف نہیں بلکہ اس کو تحریف کہنا ظلم ہے تو اس سلسلہ میں میں سابقہ مراسلہ میں فتح المغیث سے حوالہ دے چکا ہوں کہ یہ تبدیلی جائز نہیں ہے۔

اور دوسری تحریف کے بارے میں آپ نے ایک پھر عجیب بات لکھی ہے۔ کہ

جناب عرض یہ ہے کہ میں نے یہ حدیث ایک حنفی عالم مولانا محمد حیات سندھی کی کتاب ''فتح الغفور'' سے نقل کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اگر یہ جھوٹ نہیں ہے تو پھر آپ ایک اور علمی ڈکیتی اور چوری کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ عبارت ''فتح الغفور'' سے نقل کی تھی تو اس کا آپ نے حوالہ کیوں نہیں دیا تھا۔

اب آپ یہ فرمائیں گے کہ یہ بھی علمی خیانت نہیں ہے تو اس سلسلہ میں آپ ''بستان المحدثین'' کا مطالعہ فرمائیں۔ اور پھر ''فتح الغفور'' بھی غیر مقلدین نے شائع کی ہے اس کا کیا ثبوت ہے کہ انہوں نے تحریف نہیں کی ہوگی۔

اور پھر علامہ حیات سندھی بھی تو حقیقت میں غیر مقلد ہیں۔ حنفی تو نہیں۔ اس سلسلہ میں آپ تاریخ نجد و حجاز کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

سماک بن حرب :

آپ نے فرمایا۔ باقی آپ نے جو چار احادیث نقل کی ہیں ان میں سے کسی کی سند اور صفحہ نمبر نقل نہیں کیا۔۔۔۔ سند بھی بمعہ صفحہ نقل فرمائیں۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ)

سبحان اللہ ! آپ نے اپنے مراسلے دیکھے کتنی احادیث کی سندیں اور صفحے دیئے ہیں ایسا مطالبہ کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی۔ کتب کے حوالہ لکھے ہیں۔ آپ سندیں اور صفحات ڈھونڈ لیں۔

جارحین جن کی جرح درحقیقت جرح ہی نہیں۔

(۱) جریرضبی؛ **یبول قائما** (۲) ابن عمار : **کان یغلط** (آپ کے الفاظ)

آپ لوگوں میں یہی ایک خوبی ہے کہ ہر غلط بات پر اڑ جانا اور حق کی ہمیشہ مخالفت
کرنا۔ یہ کون کہہ رہا ہے۔ کہ یہ جرح ہے ہی نہیں۔ آپ نے کس محدث کا نام پیش کیا۔ کیا
غلطیاں کرنا جرح نہیں؟ اور پھر جریرضبی کی جرح کے بارے میں میں نے شیخ بدران کے
حوالہ سے امام مالک سے اس کا جرح ہونا بیان کیا ہے۔ آپ نے کیا جواب دیا؟
اور حضرت علامہ خطیب بغدادی کا حوالہ مفصل پیش کیا ہے۔ آپ نے اس کا رد کس سے کیا؟

دو جارحین جن کی جرح مفسر ہے۔

(۱) احمد: **مضطرب الحدیث** (۲) نسائی: **اذا انفرد باصل لم یکن**
حجة (میزان الاعتدال ج۲ص۲۳۲۔۲۳۳)

کیا امام ترمذی کی جرح مفسر نہیں تھی ان کا نام کیوں نہ لکھا۔

اور پھر اگر آپ نے دو جرحیں مفسر مان لی ہیں تو پھر ؛**الجرح مقدم علی التعدیل** : کا
اصول یاد فرمائیں۔ بالخصوص جبکہ جرح مفسر ہو اور آپ کے قول کے مطابق جرح مفسر ہے۔

اور جہاں تک اس کے حسن الحدیث ہونے کی بحث ہے تو یہ اگر ہم مان بھی جائیں تب
بھی آپ کو فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ شرائط میں صحیح صریح مرفوع کی قید موجود ہے۔ اور پھر سماک
حسن الحدیث اس وقت ہوگا جب اس پر جرح تو ہو لیکن غیر مفسر ہو۔ اور جرح و تعدیل میں
راجح مرجوع کا پتہ نہ چل سکے۔ لیکن یہاں تو جرح تعدیل پر راجح ہوگی۔

قبیصہ بن ھلب

اس کو باوجود کوشش کے معروف ثابت نہ کر سکے۔ امام عجلی مجهول راوی کو ثقہ کہتے ہیں

متساہل ہیں لہٰذا ان کا ثقہ کہنا راوی کو جہالت سے نہیں نکال سکتا۔اس سلسلہ میں غازی عزیر کی عبارت صراحت کے ساتھ پیش کی تھی اور ہاں (توثیق المجھولین) قوسین کے درمیان والے الفاظ بھی انہی کے ہیں میرے نہیں۔

اور انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ انہوں نے کتب کے حوالے دیئے۔ملاحظہ فرمائیں۔جوکہ انہوں نے اپنی اس عبارت کے ماخذ بتلائے ہیں۔

کتاب التنکیل بمائی تانیب الخطیب للشیخ عبدالرحمٰن معلمی جلد ۱ ص ۶۶، تعلیق الشیخ الیمانی علی فوائد المجموعہ ص ۱۰۷، ۴۸۵۔ انوار الکاشفہ للیمانی ص ۶۱، مقالات الکوثری ص ۶۵، ۳۰۹، لسان المیزان ص ۱۴ ج ۱ مقدمہ کتاب الثقات لابن حبان ص ۱۳ ج ۱ جرح وتعدیل لابولبابہ حسین ص ۱۶۸ ردعلی التعقیب الحثیث ص ۱۸، ۲۱ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ ص ۳۲۔ لالبانی

اب بتائیں کیا صرف میں نے اکیلے ہی یہ بات لکھی ہے۔اور پھر آپ نے یہ فرمایا کہ جتنے میں نے نام پیش کئے ہیں سب ہی جہالت سے نکل جائیں گے۔تو صرف آپ کی جہالت ہے۔آپ ان کے بارے میں جرح وتعدیل کی کتب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

آپ کے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اور آپ نے عبداللہ بن قیس القیسی کے بارے میں کوئی جواب نہ دیا یہ تو ٹھیک ہے کہ عبداللہ بن قیس کئی ہیں۔لیکن میں نے جس عبداللہ بن قیس القیسی کے بارے میں لکھا تھا۔یہ وہی ہے۔جس کو آپ کے حافظ صاحب بھی مجھول قرار دے چکے ہیں۔ القیسی۔دیکھ اور لکھ کر بھی اپ دھوکہ کھا رہے ہیں کہ وہ کون ہے یہ وہی ہے جس کو آپ کے حافظ صاحب مجھول قرار دے چکے اگر آپ کی بات مان لی جائے تو ابن حجر بیہقی، نسائی، یحییٰ بن معین۔ابن ابی حاتم و دیگر محدثین جاہل ثابت ہونگے۔جوکہ یقیناً غلط ہے لہٰذا وہ تو عالم ہیں۔آپ ہی جہالت کا پلندہ ہیں کہا یحییٰ بن معین محدثین میں ہیں۔(آپ

کے الفاظ)

قربان جائیں آپ کے علم پر جناب اسی لئے تو آپ تحریری مناظرہ کرنے پر ضد کر رہے ہیں سامنے نہیں آتے۔ جناب کیا اس مراسلہ میں سینکڑوں محدثین کے حوالے ہونے چاہئے تھے؟

کاش آپ کتب اصول حدیث پڑھے ہوتے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

خطیب بغدادی فرماتے۔

المجهول عند اصحاب الحديث هو كل من لم يشتهر بطلب العلم فى نفسه ولاعرفه العلماء به ومن لم يعرف حديثه الامن جهة راو واحد

_______ (الکفایہ ص ۱۱۱، مقدمہ ابن الصلاح وغیرہ)

کیوں جی آپ کے اعتراض کا جواب ہوا کہ نہیں۔

یحییٰ بن معین کا قول سخت ترین قول شمار ہوتا ہے۔ (آپ کے الفاظ) کیا اس سے بھی ایک سخت قول نہ لکھ دوں؟ آپ کے سوا کسی محدث نے تو ایسا نہیں لکھا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ليس بمجهول من روى عنه اربعة ثقات

(مقدمہ فتح الباری ص بحوالہ توجیہ القاری ص ۱۹۱)

کیوں جی حافظ صاحب ! علامہ ابن حجر تو فرماتے ہیں کہ چار روات اور وہ بھی ثقہ رواۃ ہوں۔ اس سے بھی سخت فیصلہ ہوا یا کہ نہیں۔

حرف آخر

یہ حدیث کسی بھی طریقہ سے ہماری قائم کردہ شرائط پر پوری نہیں اترتی۔ اور اگر یہ صحیح

ثابت ہو جائے تو پھر آپ کے مسلک کا جنازہ ہی نکل جاتا ہے۔اس میں آپکے کہنے کے مطابق راوی حدیث خود ہی بتاتا ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھا جبکہ آپ کلائی پر رکھتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو آپ کا مسلک غلط ہے۔فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔

سہل بن سعد کی حدیث

اس حدیث سے سینہ پر ہاتھ باندھنے پر استدلال چودھویں صدی کی بدعت ہے۔ کسی بھی امام اور محدث نے اس حدیث سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت نہیں کیا سوائے آجکل کے چند جاہل غیر مقلدین کے۔

اس حدیث میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر ہے اور ہاتھ گٹ تک ہے پوری کلائی پر رکھ کر دکھائیں۔یہ نہیں ہوسکتا۔

اس سلسلہ میں میں نے مفصل جوابات دیئے ہیں کوئی نئی بات آپ نے نہیں لکھی۔ اور جہاں تک آپ نے میرے جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔تو وہ آپ نے اپنے اوپر مزید اعتراض پیدا کر لئے ہیں جو کہ انشاء اللہ بالمشافہ مناظرہ میں سامنے آئیں گے۔

آپ نے ہاتھ اور ذراع کا فرق معلوم کرلیا ہے اب آپ میدان میں آئیں اور پھر اس حدیث سہل بن سعد پر عمل کر کے دکھائیں۔انعام دیا جائے گا۔

اس کے بعد آپ نے فتح الباری کی ایک عبارت کی فوٹو کاپی بھیج کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں نے اس میں تحریف کی تھی (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اور آپ نے لکھا۔

لیکن بجائے اس کے کہ آپ اپنی غلطی مانیں ابھی تک اڑے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔

حضرت اگر آپ اب بھی نہ مانیں تو میں کیا کرسکتا ہوں۔(آپ کے الفاظ ص ۱۷)

آپ کی ارسال کردہ فوٹو کاپی دیکھ کر ایک دفعہ تو میں بھی حیران ہوا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے لیکن پھر سمجھ میں آ گئی کہ آپ نے کسی پاکستانی نجدی کی شائع شدہ فتح الباری سے فوٹو کاپی ارسال کی ہو گی جس نے فتح الباری میں دیگر کتب کی طرح تحریف کر دی ہو گی۔

اس لئے میں چند کتب کی فوٹو کاپیاں بھیج رہا ہوں جن سے یہ معلوم ہو گا کہ الحمدللہ میں نے نہ تو کوئی تحریف کی ہے اور نہ ہی ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری کی فوٹو کاپی۔۔۔۔۔۔

☆☆...............☆☆............☆☆

ضروری نوٹ

استاد محترم کے یہ مناظرے ان کی عدم موجودگی میں شائع ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان مناظروں پر اُن کی نظر ثانی نہیں کروائی جا سکی۔ لیکن ہم نے اِن کی تصحیح و ترتیب کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ پھر بھی غلطی کا امکان ہے۔ کیونکہ مسودہ فوٹو کاپیوں کی وجہ سے کافی مدہم تھا۔ اس لئے کہیں کہیں عبارات واضح نہ تھیں۔ لہٰذا اگر کہیں عبارت یا حوالہ غلط ہو تو مطلع فرمائیں۔ تا کہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔

(ارشد مسعود عفی عنہ)

الجزء الثاني
من
فتح الباري

بشرح صحيح الامام ابي عبد الله محمد بن اسمعيل
البخاري لشيخ الاسلام قاضي القضاة الحافظ
ابي الفضل شهاب الدين احمد بن علي بن
محمد بن حجر العسقلاني الشافعي
نزيل القاهرة رحمه الله

الترام عبد الرحمن محمد
بميدان الجامع الازهر بمصر
سنة ١٣٤٨ هجرية
المطبعة البهية المصرية لصاحبها عبد الرحمن محمد

الطبعة الرابعة ١٤٠٨ هـ ١٩٨٨ م
دار
احياء التراث العربي
بيروت

باب وَضع اليُمنى على اليُسرى **حدثنا** عبدُ اللهِ بنُ مَسلمةَ عن مالكٍ عن أبي حازمٍ عن سهلِ بنِ سعدٍ قال كانَ النّاسُ يُؤمَرونَ أن يَضَعَ الرَّجُلُ اليدَ اليُمنى على ذِراعِهِ اليُسرى في الصلاةِ قال أبو حازمٍ لا أعلَمُهُ إلاّ يَنمي ذلكَ إلى النبيِّ ﷺ

عقبة وهذا وصله البيهقي من طريق عمر بن عبد الله بن رزين عن ابراهيم بن طهمان بهذا السند موقوفا نحو حديث حماد وقال آخره وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل ذلك واعترض الاسماعيلي فقال ليس في حديث حماد ولا ابن طهمان الرفع من الركعتين المعقود لاجله الباب قال فلعل المحدث عنه دخل له باب في باب يعني ان هذا التعليق يليق بحديث سالم الذي في الباب الماضي وأجيب بأن البخاري قصد الرد على من جزم بأن رواية نافع لاصل الحديث موقوفة وانه خالف في ذلك سالما كما نقله ابن عبد البر وغيره وقد تبين بهذا التعليق انه اختلف على نافع في وقفه ورفعه لا خصوص هذه الزيادة والذي يظهر أن السبب في هذا الاختلاف ان نافعا كان يرويه موقوفا ثم يعقبه بالرفع فكأنه كان أحيانا يقتصر على الموقوف أو يقتصر عليه بعض الرواة عنه والله أعلم. (قوله باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة) أي في حال القيام (قوله كان الناس يؤمرون) هذا حكمه الرفع لانه محمول على ان الآمر لهم بذلك هو النبي صلى الله عليه وسلم كما سيأتي (قوله على ذراعه) أبهم موضعه من الذراع وفي حديث وائل عند أبي داود والنسائي ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ من الساعد وصححه ابن خزيمة وغيره وأصله في صحيح مسلم بدون الزيادة والرسغ بضم الراء وسكون السين المهملة بعدها معجمة هو المفصل بين الساعد والكف وسيأتي أثر علي نحوه في أواخر الصلاة ولم يذكر أيضا محلهما من الجسد وقد روى ابن خزيمة من حديث وائل انه وضعهما على صدره والبزار عند صدره وعند أحمد في حديث هلب الطائي نحوه وهلب بضم الهاء وسكون اللام بعدها موحدة وفي زيادات المسند من حديث علي انه وضعهما تحت السرة واسناده ضعيف واعترض الداني في أطراف الموطأ فقال هذا معلول لانه ظن من أبي حازم ورد بأن أبا حازم لو لم يقل لا أعلمه الى آخره لكان في حكم المرفوع لان قول الصحابي كنا نؤمر بكذا يصرف بظاهره الى من له الامر وهو النبي صلى الله عليه وسلم لان الصحابي في مقام تعريف الشرع فيحمل على من صدر عنه الشرع ومثله قول عائشة كنا نؤمر بقضاء الصوم فانه محمول على ان الآمر بذلك هو النبي صلى الله عليه وسلم وأطلق البيهقي أنه لا خلاف في ذلك بين أهل النقل والله أعلم وقد ورد في سنن أبي داود والنسائي وصحيح ابن السكن شيء يستأنس به على تعيين الآمر والمأمور فروي عن ابن مسعود قال رآني النبي صلى الله عليه وسلم واضعا يدي اليسرى على يدي اليمنى فنزعها ووضع اليمنى على اليسرى اسناده حسن قيل لو كان مرفوعا ما احتاج أبو حازم الى قوله لا أعلمه الخ والجواب انه أراد الانتقال الى التصريح فالاول لا يقال له مرفوع وانما يقال له حكم الرفع قال العلماء الحكمة في هذه الهيئة انه صفة السائل الذليل وهو أمنع من العبث وأقرب الى الخشوع وكان البخاري لحظ ذلك فعقبه بباب الخشوع ومن اللطائف قول بعضهم القلب موضع النية والعادة ان من احترز على حفظ شيء جعل يديه عليه قال ابن عبد البر لم يأت عن النبي صلى الله عليه وسلم فيه خلاف وهو قول الجمهور من الصحابة والتابعين وهو الذي ذكره مالك في الموطأ ولم يحك ابن المنذر وغيره عن مالك غيره وروى ابن القاسم عن مالك الارسال وصار اليه أكثر أصحابه وعنه التفرقة بين الفريضة والنافلة ومنهم من كره الامساك ونقل ابن الحاجب ان ذلك حيث يمسك معتمدا لقصد الراحة (قوله قال ابو حازم) يعني راويه بالسند المذكور اليه (لا أعلمه) اي سهل بن سعد (الا ينمي) بفتح أوله وسكون النون وكسر الميم قال أهل اللغة نميت الحديث الى غيري رفعته وأسندته وصرح بذلك معن بن عيسى وابن يوسف عند الاسماعيلي والدارقطني وزاد ابن وهب ثلاثتهم عن مالك بلفظ يرفع ذلك ومن اصطلاح أهل

باسمه سبحانه

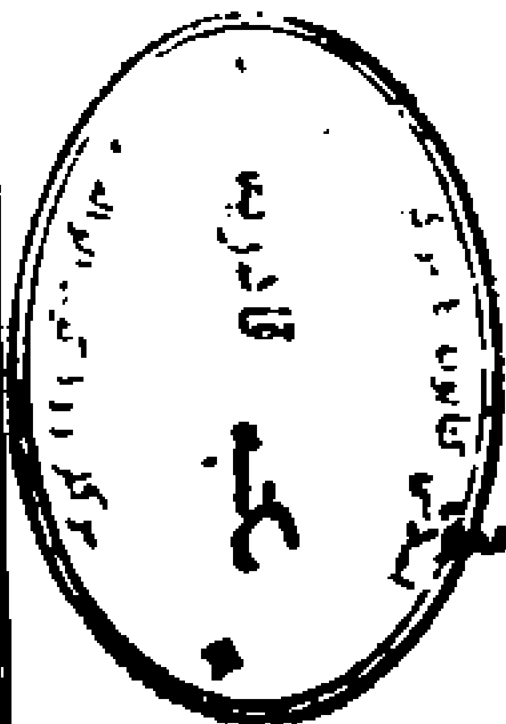
عمدة القاري

شرح

صحيح البخاري

للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبي محمد محمود بن أحمد العيني رحمه الله

المتوفى ٨٥٥



الجزء الخامس

عنيت بنشره وتصحيحه والتعليق عليه شركة من العلماء بمساعدة [illegible]

إدارة الطباعة المنيرية

صورت ثانية [illegible]

طبع على نفقة العلامة الشيخ المقرئ محمد إسماعيل ترنسري

يطلب من المكتبة الرشيدية ○ شارع سركي

كوئٹہ ○ بلوچستان

پاکستان

الطبعة الأولى ١٤٠١

[illegible]

الخفض على الركوع والرفع على الاعتدال والا فحمله على ظاهره يقتضي استحبابه في السجود ايضا وهو خلاف ما عليه الجمهور (قلت) في قوله والرفع على الاعتدال نظر لا يخفى ومع هذا ذهب اليه جماعة منهم ابن المنذر وابو علي الطبري والبيهقي والبغوي وهو مذهب البخاري وغيره من المحدثين •

﴿ ورواه حماد بن سلمة عن أيوب عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ ﴾

وهذا التعليق رواه البيهقي عن ابي عبد الله الحافظ حدثنا محمد بن يعقوب حدثنا محمد بن اسحاق الصغاني حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة حدثنا ايوب عن نافع عن ابن عمر «ان رسول الله ﷺ كان اذا دخل في الصلاة رفع يديه حذو منكبيه واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع» ووصله البخاري ايضا في كتاب رفع اليدين عن موسى بن اسماعيل عن حماد مرفوعا ولفظه «كان اذا كبر رفع يديه واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع» •

﴿ ورواه ابن طهمان عن أيوب وموسى بن عقبة مختصراً ﴾

يعني رواه ابراهيم بن طهمان عن ايوب الى آخره واخرجه البيهقي فقال حدثنا ابو الحسن محمد بن الحسين العلوي حدثنا احمد بن محمد بن الحسن الحافظ حدثنا احمد بن يوسف السلمي حدثنا عمرو بن عبد الله بن رزين ابو العباس السلمي حدثنا ابراهيم بن طهمان عن ايوب وموسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر انه كان يرفع يديه حين يفتتح الصلاة واذا ركع واذا استوى قائما من ركوعه حذو منكبيه ويقول كان رسول الله ﷺ يفعل ذلك وقال الدارقطني ورواه ابو ضمرة عن موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر موقوفا واعترض الاسماعيلي فقال ليس في حديث حماد ولا ابن طهمان بأن الرفع من الركعتين المعقود لاجله الباب لان الباب في رفع اليدين اذا قام من الركعتين وليس هذا في حديث حماد ولا ابن طهمان وانما في حديثهما حذو منكبيه قال الفضل المحدث عن ابي عبد الله يعني البخاري دخل لهذا الحرف في هذه الترجمة واجاب بعضهم بان البخاري قصد الرد على من جزم بان رواية نافع لاصل الحديث موقوفة وانه خالف في ذلك سالما كما نقله ابن عبد البر وغيره وقد تبين بهذا التعليق انه اختلف على نافع في رفعه ووقفه ليس الا •

﴿ باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة ﴾

اي هذا باب في بيان وضع المصلي يده اليمنى على اليد اليسرى في حال القيام في الصلاة •

١٢٨ - ﴿ حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن أبي حازم عن سهل بن سعد قال كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلاة قال أبو حازم لا أعلمه إلا ينمي ذلك إلى النبي ﷺ ﴾

مطابقته للترجمة ظاهرة (ذكر رجاله) وهم اربعة عبد الله بن مسلمة القعنبي ومالك بن انس وابو حازم بالحاء المهملة سلمة ابن دينار الاعرج وسهل بن سعد بن مالك الساعدي الانصاري وفيه التحديث بصيغة الجمع في موضع والعنعنة في ثلاثة مواضع وهو من افراد البخاري قوله «كان الناس يؤمرون» هذا حكمه الرفع لانه محمول على ان الآمر لهم بذلك هو النبي ﷺ قوله «ان يضع» اي بأن يضع لان الامر يستعمل بالباء وكان القياس ان يقال يضعون لكن وضع المظهر موضع المضمر قوله «لا اعلمه الا ينمي ذلك» اي لا اعلم الامر الا ان سهلا ينمي ذلك الى النبي ﷺ قوله «ينمي» بفتح الياء وسكون النون وكسر الميم قال الجوهري يقال نميت الامر او الحديث الى غيري اذا اسندته ورفعته وقال ابن وهب ينمي يرفع ومن اصطلاح اهل الحديث اذا قال الراوي ينميه فمراده يرفع ذلك الى النبي ﷺ ولو لم يقيد قوله «على ذراعه اليسرى» لم يبين موضعه من الذراع وفي حديث وائل عند ابي داود والنسائي «ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ من الساعد» وصححه ابن خزيمة وغيره والرسغ بضم الراء وسكون السين المهملة وفي آخره غين معجمة هو المفصل بين الساعد والكف • ثم اعلم ان الكلام في وضع اليد على اليد في الصلاة على وجوه •



(٦)
سلسلة منشورات
جامعة الدراسات الإسلامية
كراتشي - باكستان

ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

السُّنَن الصَّغِير

لإمام المحدثين الحافظ الجليل أبي بكر أحمد بن الحسين بن علي
البيهقي المتوفى سنة ثمان وخمسين وأربع مئة

السِّفر الأول

وثق أصوله وخرج حديثه وعلق عليه

الدكتور عبد المعطي أمين قلعجي

يصلي ... ، فذكره[٣] .

قال : ثم وضع يده اليمنىٰ على ظهر كفه اليسرىٰ أو الرسغ من الساعد وفي رواية أخرىٰ عنه عن وائل : ثم وضعهما على صدره[٤] .

٣٧٢ ــ وفي حديث أبي هريرة أنَّ النبي ﷺ نهىٰ عن التخصُّر في الصلاة[٥] .

وهو أن يضع يده علىٰ خصره وهو يصلي[٦] .

• • •

١٧ ــ باب افتتاح الصلاة بعد التكبير والقول في الركوع وفي رفع الرأس منه وفي السجود

٣٧٣ ــ أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ، أخبرنا أبو بكر بن إسحاق الفقيه ، حدثنا يوسف بن يعقوب القاضي . وأخبرنا أبو الحسن علي بن محمد المقري ، أخبرنا الحسن بن محمد بن إسحاق ، حدثنا يوسف بن يعقوب ، حدثنا محمد بن أبي بكر ، حدثنا يوسف الماجشون ، حدثني أبي ، عن عبد الرحمن الأعرج ، عن عبيد الله بن أبي رافع ، عن علي بن أبي طالب ، عن رسول الله ﷺ أنه كان إذا قام إلى الصلاة قال : « وَجَّهْتُ وَجْهِيَ للذي فَطَرَ السَّماواتِ والأرضَ حنيفاً وما أنا مِنَ المشركين ، إنَّ صلاتي ونُسُكي ومَحْيايَ ومماتي لله ربِّ العالمين لا شريك له وبذلك أُمرتُ وأنا من المسلمين . اللهم أنت الملك لا إله إلا أنت أنت ربي وأنا عبدك . ظلمتُ نفسي واعترفت بذنبي فاغفر لي ذنوبي جميعاً لا يغفر الذنوب إلا أنت . واهْدِني لأحسن الأخلاق لايهدي لأحسنها إلا أنت . واصرف عني سيئها لا يصرف

(٣) الحديث موضعه في السنن الكبرى (٢ : ٧٢) وأخرجه أبو داود في الصلاة ــ باب « رفع اليدين في الصلاة » عن مسدد ، والنسائي فيه ــ باب « موضع اليمين من الشمال في الصلاة » ــ وابن ماجه في الصلاة ــ باب « رفع اليدين إذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع » .

(٤) من سنن الصلاة أيضاً وضع اليد اليمنى على ظهر اليسرى ، أما صفة الوضع فعند الشافعية والحنابلة : أن يضع يده اليمنى على كوع اليسرى أو مايقاربه ، أما عند الحنفية : فهو أن يجعل باطن كف اليمنى على ظاهر كف اليسرى ، وهذا كله تحت الصدر وفوق السُّرة ، مائلاً جهة اليسار .

(٥) الحديث موضعه في السنن الكبرى (٢ : ٢٨٧ ، ٢٨٨) ، وأخرجه البخاري في آخر كتاب الصلاة ــ باب « الخصر في الصلاة » .

(٦) قاله هشام بن حسان : السنن الكبرى (٢ : ٢٨٧) .

الجزء الأول من كتاب

مسك الختام

شرح بلوغ المرام

ألفه

الشيخ الإمام المحدث المفسر العلامة

صديق بن حسن القنوجي

رحمه الله تعالى

١٢٤٨هـ ——— ١٣٠٧هـ

(باهتمام)

المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل

جامع مسجد اہلحدیث باغ والی

ضلع

شیخوپورہ

شیخ ابن الہمام گفته ثابت نشد حدیثی صحیح که واجب کند عمل را در بودن وضع زیر سینه یا زیر ناف و معهود
از حنفیه زیر سره و از شافعیه تحت صدر ست و از احمد دو قول ست کالمذہبین و تحقیق مساوات ست
میان ہر دو انتہی کلام التنویر و ازینجاست که شوکانی در مختصر ضم مرین گفته و مقید تحت سره و علی الصدر
نه نموده ولیکن در معمولات مرزا مظهر جانجانان حنفی قدس سره نوشته که در صلوة دست برابر سینه
بستندی و فرمودند که این روایت ارجح ست از روایت زیر ناف انتهی اخرجه ابن خزیمة
واخرجه ابوداؤد والنسائی بلفظ ثم وضع یده الیمنی علی ظهر کفه الیسری والرسغ والساعد رسغ بضم را و سکون
سین مہمله مفصل را گویند که در میان ساعد و کف بوده است وعن ابی الولید عبادة
بضم عین مہمله و تخفیف موحده و بعد الف دال مہمله بن الصامت بن قیس الخزرجی الانصاری
السالمی کست حاضر شد بیعت عقبه و بدر و جمله مشاهد را عمر بن خطاب ورا قاضی شام و معلم کسان آنجا
مقرر کرد و وی اول در حمص اقامت نمود پس بسوی فلسطین آمد و در رمله انتقال کرد و گفته اند که در
بیت المقدس در سنه اربع و ثلثین و هو ابن ثلثین و سبعین سنه وی یکی از انهاست که کعب بن
اشرف یہودی را کشتند وی عم انس بن مالک و عبد الرحمن بن ثابت تحمل یوم الیمامة رضی الله
عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا صلوٰة لمن لم یقرأ بام القرآن
نیست نماز مر کسی را که نخواند ام القرآن را و این نیز نام سورهٔ فاتحه است بجهت اشتمال وی بر مقاصد
قرآن که ثنا بر خدا عز اسمه و تعبد با مر و نہی و بیان وعد و وعید ست یا چون مبداء و مفتتح قرآن ست گویا
اصل و منشاء او ست و در روایتی از مسلم و ابوداؤد و ابن حبان فصاعدا آمده یعنی اگر چیزی زیاده
بر فاتحه هم درست ست لیکن ابن حبان گفته که متفرد ست باین زیادت معمر از زهری و اعلال کرده است
آنرا بخاری در جزء القراءة و در روایتی باین لفظ ست لم یقرأ بفاتحة الکتاب عوض لم یقرأ بام القرآن
شیخ در ترجمه گفته تمسک کرد باین حدیث شافعی و احمد در روایتی بر فرضیت قراءت فاتحه در نماز زیرکه
نفی کرد نماز را از کسی که فاتحه نخواند و نزد ما مراد کمال ست بدلیل قوله تعالی فاقرؤا ما تیسر
من القرآن و نیز فرمود آنحضرت اعرابی را اقرأ ما تیسر معک من القرآن پس فرض که نماز بی او
روا نبود خواندن چیزی از قرآن ست هر چه باشد فاتحه یا غیر آن و خواندن فاتحه واجب باشد که نماز
بی وی ناقص بود انتهی گفت مترسل عفی عنه خواندن فاتحه در هر رکعت فرض ست بدلیل این حدیث

سیر صحابہ کی تفصیل دیکھو

اس کے بعد آپ نے سنن نسائی اور ابو داؤد کی فوٹو کاپی بھیجی ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں نے چونکہ ان سے حوالہ نہیں دیا تھا، اسلئے اس کا جواب مجھ پر نہیں ہے۔

حدیث بخاری کے بارے میں میں نے آپ کے علامہ مبارکپوری کی عبارت پیش کی تھی جس کو آپ نے حسب عادت یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ انکی اپنی تحقیق ہے۔ ہمارے لئے ان کی عبارت کو حجت ماننا ضروری نہیں۔ (آپکے الفاظ ص ۷۴)

آپ نے یہ بدعت جاری کی ہے کسی محدث نے آج تک اس حدیث سے وہ چیز اخذ نہیں کی جو آپ کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں۔

لہٰذا آپ کی تحقیق نہیں جہالت ہے اور اجماع امت سے نکل کر آپ گمراہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ علامہ مبارکپوری کی عبارت کا جواب کیا ہے۔

اس ذراع سے مراد پوری ذراع ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۷۵)

ہاتھ تو آپ بھی مانتے ہیں کہ گٹ تک ہی یہاں استعمال ہوا ہے تو اتنے حصہ کو پوری ذراع پر پھیلا کر تو دیکھیں۔

محمد رسول اللہ کا مذہب جو کہ اہلحدیثوں کا مذہب ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۷۷)

استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ جس شخص کو مذہب کا معنی و مفہوم ہی یاد نہ ہو۔ وہ شخص اتنا بے تکا اور غلط دعویٰ یقیناً کرسکتا ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اہلحدیثوں کا مذہب کیا ہے اور اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب کیا ہے۔

ان تمام چیزوں کا تو پتہ چلے گا جب آپ سامنے آئیں گے کون کس مذہب پر ہے۔ اور کون کس دین پر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا مسئلہ

بسم اللہ بالجہر فی الصلوٰۃ

اس مسئلہ پر بھی آپنے صحیح صریح مرفوع حدیث پیش نہیں کی ۔ہاں آپ جھوٹ بول بول کر ہر چیز کو صحیح ثابت ضرور کرنے کی کوشش فرمارہے ہیں۔جو کہ بڑا ظلم وزیادتی ہے۔

آپ نے علامہ ابن حجر عسقلانی کی عبارت کا جواب نہیں دیا کہ یہ روایت جہر میں صحیح نہیں ہے آپ نے صرف اتنا فرمایا۔کہ علامہ صاحب احتمال کی بات کررہے ہیں۔تو آپ شاید یہ نہیں جانتے کہ یہ اصول ہے کہ اذاجاء الاحتمال بطل الا ستدل ۔کہ جب احتمال آتا ہے تو استدلال باطل ہوجاتا ہے ۔لہٰذا اس حدیث سے احتجاج ہی جائز نہیں۔

آپ مجھے تو بار بار فرماتے ہیں کہ کیا یہ میری بات کا جواب ہے ۔کیا آپ نے عبدالرؤف کی بات کا جواب دیا۔یا یہ صرف اس کی تحقیق ہے میں نہیں مانتا یہ نئی آپ کی تحقیق ہے۔جس کو ہم نہیں مانتے۔

آپ اس میں سے جھر کا لفظ دکھادیں یہ آپ قیامت تک نہیں دکھاسکیں گے۔ جناب عبدالرؤف کی عبارت کو صرف اس کی تحقیق کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا۔اس کا جواب دیں۔ شوکانی کی عبارت کا جواب نہیں دیا۔

بہر حال ثابت ہوا کہ یہ حدیث قطعاً اس پر دلالت نہیں کرتی ۔کہ جھراً بسم اللہ پڑھنا سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو علماء ومحدثین یہ نہ فرماتے کہ جھر بسم اللہ میں کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔محدثین وفقہاء کے اقوال۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم پر جرح کذب کی جرح ہے۔جس کا آپ صحیح جواب نہ دے

سکے ہر مجروح راوی پر جرح کسی سبب کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ ہر کذاب راوی کی ہر روایت جھوٹی ہونا ضروری نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کی روایات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا بدعت اور گنواروں کا کام ہے

نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا منع اور بدعت ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے سخت ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

(۱) عن ابن عبد الله بن مغفل قال سمعنی ابی و انا فی الصلوٰة اقول بسم الله الرحمٰن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک و الحدث قال ولم ارا احدا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کان ابغض الیه الحدث فی الاسلام یعنی منه و قال و قد صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم ومع ابی بکر و عمر ومع عثمان فلم اسمع احد منهم یقولها فلا تقلها اذا انت صلیت فقل الحمد لله رب العالمین ۔ (ترمذی ص ۳۳ ج ا لفظ لہ ،ابن ماجہ ص ۵۹ کنز العمال ص ۱۲۰ ج ۸ مسند امام احمد ج ۴ ص ۸۵۔ برقم ۱۶۹۰۹۔ وج ۵ ص ۵۴۔ برقم ۲۰۸۱۹ وص ۵۵ برقم ۲۰۸۲۳۔ مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۸ ج ۲ و ابن ابی شیبۃ فی المصنف ج ۱ ص ۴۴۷۔ ملتان)

یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے سنا تو فرمایا اے میرے بیٹے بدعت سے بچ۔ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ان سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہیں

دیکھا۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر صدیق وعمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی کسی کو بھی بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا، اس لئے تم بھی اسے بلند آواز سے نہ پڑھو۔ جب نماز پڑھو تو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرو، تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اس کو بدعت کہنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہیں اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعتی کون لوگ ہیں افسوس ہے ان لوگوں کی عقل پر جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل اور کام کو تو بدعت کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں اور جن امور کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدعت کہا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگان نجد   دین کو پامال کرتے ہیں وقار کیلئے

(۲) واخرج ابن ابی شیبة عن ابراهیم قال جهر الامام ببسم الله الرحمن الرحیم بدعة ۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۱ ج ۱ وابن ابی شیبہ فی المصنف ج ۱ ص ۴۴۸۔ ملتان)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام کا بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بدعت ہے۔

(۳) وقال بعض التابعین الجهر بدعة (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۵۳۰ ج ۱)

اور بعض تابعین نے کہا ہے کہ بسم اللہ شریف کا جہر کرنا بدعت ہے۔

(۴) عن ابن عباس قال الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم قراءۃ الاعراب (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۸۔ کما فی درمنثور ص ۱۱ ج ۱ جمع الفوائد، کنز العمال ص ۱۱۹ ج ۸، طحاوی ص ۱۴۰ ج ۱، استذکار ابن عبدالبر کمافی جوہر النقی حاشی علی البیہقی ص ۴۸ مصنف عبدالرزاق ص ۱۱۴ ج ۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھنی گنواروں

کی قرأت ہے۔

(۵) ان ابن عباس سئل عن الجهر بسم اللّٰه الرحمن الرحيم فقال كنا نقول هي قراة الاعراب۔ (مجمع الفوائد ص ۱۲۹ ج ۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نماز میں بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ہم کہتے ہیں کہ یہ گنواروں کی قرأت ہے۔

(۶) عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال انا اعرابى ان جهرت ببسم اللّٰه الرحمن الرحيم (بحوالہ فتاویٰ رضویہ ص ۵۸۹ ج ۳۔ سنی دارالاشاعت لائل پور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گنوار ہوں اگر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر سے پڑھوں۔

(۷) اخرج سعيد بن منصور فى سننه حدثنا حماد بن زيد عن كثير بن شنظير ان الحسن سئل عن الجهر بالبسملة فقال انما يفعل ذلك الاعراب۔ (بحوالہ فتاویٰ رضویہ ص ۵۸۹ ج ۳)

یعنی امام حسن بصری سے جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ گنواروں کا کام ہے۔

(۸) ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال قال عبداللّٰه بن مسعود رضى اللّٰه عنه فى الرجل يجهر ببسم اللّٰه الرحمن الرحيم انها اعرابية و كان لا يجهر بها هو ولا احد من اصحابه (جامع المسانید ص ۲۲۲ ج ۱)

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جو کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتا تھا کہ یہ گنوار ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے ساتھی بسم اللہ کو جہر سے نہیں پڑھتے تھے۔

﴿اضافہ﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

﴿حدیث : ۱﴾ عن انس قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم وفى رواية يقول بسم الله .... (مسلم فی الصحیح ج۱ص۱۷۲ واحمد فی مسندہ ص ۱۷۶ برقم ۱۲۸۴۱ و برقم ۳۹۲۹ ودار قطنی فی السنن ج۱ص۳۲۴ برقم ۱۱۸۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابو بکر وحضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ عنھم کے ساتھ نماز پڑھی پس ان میں سے کسی کو بھی میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہیں سنا۔

﴿حدیث : ۲﴾ عن انس ان النبى صلى الله عليه وسلم وابا بكر وعمر وفى رواية زاد عثمان كانوا يفتتحون الصلوة وفى رواية القرأة بالحمد لله رب العالمين (بخاری فی الصحیح ج۱ص۱۰۳ واحمد فی مسندہ ج۳ص۱۰۱ برقم ۱۲۰۱۴ وص۱۱۴ برقم ۱۲۱۵۹ وص ۲۰۵ برقم ۱۳۱۵۶ وص ۲۵۵ برقم ۱۳۷۱۵ وابن حبان فی الصحیح ج ۴ ص۱۴۴ برقم ۱۷۹۵ و برقم ۱۷۹۷ ودارمی فی السنن ج۱ص ۳۱۱ برقم ۱۲۴۰ وترمذی فی الجامع ج۱ص ۳۴ وابن ماجہ فی السنن ص ۵۹ ونسائی فی السنن المجتبیٰ ج۱ص۱۴۳ وابوداؤد فی السنن ج۱ وابوعوانہ فی مسندہ ج ۲ ص۱۲۲ وبوصیری فی اتحاف الخیرۃ المھرۃ ج۲ص۳۳۴ برقم ۱۸۱۷ و۱۸۱۸ ودار قطنی فی السنن ج۱ ص۴۲۶ برقم ۱۱۹۲ وابن ابی شیبہ فی المصنف ج۱ص ۴۴۷ و ۴۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر وعمر (اور ایک روایت میں حضرت عثمان) رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز کی ابتداء اور ایک روایت میں ہے کہ قرأت کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔

﴿حدیث :۳﴾ عن انس قال صلیت خلف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم یجهروا ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم وفی روایة فلم اسمع احدا یجهر ......(ابن ابی شیبہ فی المصنف ج۱ص۴۴۸وابن حبان فی الصحیح ج۴ ص۱۴۴برقم۱۷۹۶اوردار قطنی فی السنن ج۱ص۴۲۵برقم۱۱۸۸ونسائی فی السنن المجتبیٰ ج۱ص۱۴۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ بلند آواز سے بسم اللہ......نہیں پڑھتے تھے ایک روایت میں ہے ان کو بلند آواز سے پڑھتے میں نے نہیں سنا۔

﴿حدیث :۴﴾ عن انس قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وابو بکر وعمر رضوان اللّٰہ علیهما لا یجهرون ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم (ابن حبان فی الصحیح ج۴ص۱۴۵برقم۱۷۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

﴿حدیث :۵﴾ عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وابا بکر وعمر رضوان اللّٰہ علیهما لم یکونوا یجهرون ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وکانوا یجهرون بالحمد للّٰہ رب العالمین۔ (ابن حبان فی الصحیح ج۴ص۱۴۶برقم۱۸۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے اور الحمد للہ رب العالمین کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

﴿حدیث :۶﴾ عن انس انه کان یستفتح القرأة بالحمد للّٰہ رب

العالمین (ابن ابی شیبہ فی المصنف ج ا ص ۴۴۸)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرات کی ابتداء الحمدللہ رب العالمین سے شروع فرماتے تھے۔

﴿حدیث :۷﴾ عن عائشة ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم كان يفتتح الصلٰوة بالتكبير والقرأة بالحمد للّٰه رب العالمين ۔ (ابن ابی شیبہ فی المصنف ج ا ص ۴۴۷ وابن حبان فی الصحیح ج ۴ ص ۱۳۰ برقم ۱۷۶۵ واحمد فی مسندہ ج ۶ ص ۳۱ برقم ۲۴۵۳۱ وص ۱۱۰ برقم ۲۵۳۰۱ وص ۱۷۱ برقم ۲۵۸۹۶ و برقم ۲۶۱۳۵ وص ۲۸۱ برقم ۲۶۹۳۴ ومسلم فی الصحیح ج ا ص ۱۹۴ ودارمی فی السنن ج ا ص ۳۰۸ برقم ۱۲۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ۔ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتداء تکبیر سے فرماتے اور قراۃ کی الحمدللہ رب العالمین سے۔

﴿حدیث :۸﴾ عن الاسود قال صليت خلف عمر سبعين صلاة فلم يجهر فيهما ببسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم (ابن ابی شیبہ فی المصنف ج ا ص ۴۴۹)

حضرت اسود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ستر نمازیں پڑھیں تو آپ نے ان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہیں پڑھا۔

﴿حدیث :۹﴾ ان عليا كان لا جهر بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم (ابن ابی شیبہ فی المصنف ج ا ص ۴۴۹)

بیشک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت امام ابراہیم نخعی کا فتویٰ

عن ابراهيم قال جهر الامام بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم بدعة (ابن ابی

شیبہ فی المصنف ج اص ۴۴۸)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام کا بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بدعت ہے۔

مزید وضاحت انشاء اللہ العزیز ہشت مسئلہ[1] میں کی جائے گی۔ (ارشد مسعود عفی عنہ)

جہر بسم اللہ میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے

(۱) امام و شیخ الوہابیہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔

وقد اتفق اهل المعرفة على انه ليس فى الجهر حديث صحيح ولم يرو اهل سنن من ذلك شيئا ۔(مختصر الفتاوی المصریہ ابن تیمیہ ص ۴۶)

اور اس پر اہل معرفت متفق ہیں کہ جہر بسم اللہ میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور اہل سنن نے جہر بسم اللہ میں کچھ بھی روایت نہیں کیا۔

(۲) امام حافظ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لايصح فى الجهر بالبسملة حديث مسند (کتاب الضعفاء بحوالہ فتاوی رضویہ ص ۵۸۷ ج ۳)

جہر میں کوئی بھی حدیث مسند صحیح نہیں ہے۔

(۳) امام دارقطنی فرماتے ہیں۔ انه قال لم يصح عن النبى صلى الله عليه وسلم فى الجهر (فتح القدیر ص ۲۵۴ ج ۱، روح المعانی ص ۴۶ ج ۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی بھی احادیث جہر بسم اللہ میں مروی ہیں۔ ان میں ایک بھی صحیح نہیں۔

(۴) علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں۔ لم يصح عنه صلى الله عليه وسلم فى

---

[1] ہشت مسئلہ پر علیحدہ کتاب شائع ہوگی۔ (ادارہ)

الجهر شیء (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۵۲۲ ج۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہر بسم اللہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔

(۵) پیشوائے وہابیہ ابن قیم اپنی کتاب بالھدیٰ میں لکھتا ہے۔

صحیح تلک الاحادیث غیر صریح وصریحها غیر صحیح ۔(بحوالہ فتاویٰ رضویہ ص۵۸۸ ج۳)

ان احادیث میں جو صحیح ہیں وہ جہر میں صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

(۶) حضرت علامہ مجد الدین فیروز آبادی شافعی ۔درباب جہر در صلوٰۃ بہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حدیثے صحیح ثابت نشدہ (سفر سعادۃ مع شرح ص۵۳۴، سکھر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جہر میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۷) حضرت امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فالحاصل إن احادیث الجهر لم تثبت عند اهل النقل (تبیین الحقائق ص۱۱۲ ج۱)

خلاصہ یہ کہ جہر کی احادیث اہل نقل (محدثین) کے نزدیک ثابت نہیں ہیں۔

(۸) حضرت علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔

واحاديث الجهر ليس فی صحيح صريح بخلاف حديث الاخفاء فانه صحيح صريح ثابت فی مخرجه فی الصحيح والمسانيد المعرفة والسنن المشهورة (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۲۹۱ ج۵، کوئٹہ)

اور جہر کی احادیث میں کوئی بھی حدیث صحیح اور صریح نہیں ہے بخلاف اخفا کی احادیث کے کہ وہ صحیح صریح اور صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں ثابت ہیں۔

(۹) دوسری جگہ فرماتے ہیں۔فقال ليس فيه حديث صحيح (عمدۃ القاری ص۱۲ ج۶)

کہ جہر بسم اللہ میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۱۰) ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ لم یصح حدیث فی الجهر بالبسملة (رمز الحقائق شرح کنز الدقائق ص۳۲ ج۱)

اور جہر بسم اللہ میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۱۱) حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں۔ ولا یصح فی الجهر شیء مرفوع کما نقل عن الدارقطنی (الدرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ هامش علی الهدایہ ص۱۰۵ ج۱، ملتان)

اور جہر بسم اللہ میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام دارقطنی سے نقل کیا گیا ہے۔

(۱۲) حضرت علامہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں۔ قال بعض الحفاظ لیس حدیث صریح فی الجهر الا وفی اسناده مقال عند اهل الحدیث (فتح القدیر ص۲۵۴ ج۱، کوئٹہ)

اور بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ جہر بسم اللہ میں کوئی حدیث صحیح صریح نہیں مگر اس کی سند میں محدثین کے نزدیک کلام ہے۔

(۱۳) حضرت امام بدرالدین محمود آلوسی فرماتے ہیں۔ روی عن بعض الحفاظ لیس حدیث صریح فی الجهر لا و فی اسناده مقال ۔ (روح المعانی ص۴۶ ج۱)

بعض حفاظ حدیث سے روایت کی گئی ہے کہ جہر بسم اللہ میں کوئی حدیث صریح صحیح نہیں ہے مگر اس کی سند میں کلام ہے۔

اس مسئلہ پر بھی بالمشافہ گفتگو کے وقت آپ کے تمام اشکالات انشاء اللہ رفع ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا مسئلہ

(۳) بسم اللہ جہر سے پڑھنا

آپ نے اس مسئلہ کے تحت جو کچھ لکھا۔الحمدللہ وہی ہمارے موقف کی جیت اور ہمارے مسلک کی حقانیت کیلئے کافی ہے۔جیسا کہ آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ

ہمارا یہ مذہب ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو سری اور مخفی پڑھنا سنت اور زیادہ مستحسن ہے۔(آپ کے الفاظ ص۴۹)

الحمدللہ ثابت ہوا کہ مسلک اہلسنت ہی سنت پر زیادہ مستحسن فعل پر عمل کرتا ہے اور آجکل نام نہاد اہلحدیث اپنے نام کے الٹ حدیث کے خلاف اور غیر مستحسن فعل پر عمل کرتے ہیں۔اور آپ نے اپنی شکست کا اعتراف ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

لیکن اگر کوئی بسم اللہ جہری پڑھ لے تو حرج کوئی نہیں۔(آپ کے الفاظ ص۴۶)

اسے کہتے ہیں۔کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے''کوئی حرج نہیں'' سے کیا مراد ہے آپکی۔
اگر آپ کے نزدیک حدیث ابی ہریرہ ثابت اور صحیح ہے تو پھر بسم اللہ بالجہر سنّت ہونا چاہئے۔
لیکن آپ نے یہ لکھ کر کہ پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں، ثابت کر دیا ہے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث آپکے نزدیک بھی غیر صریح اور غیر صحیح ہے جبکہ ہماری شرائط میں صحیح مرفوع کی قید تھی آپ شروع سے ہی ان شرائط کی خلاف ورزی فرما رہے ہیں۔آپ قیامت تک ان شرائط کے اندر رہتے ہوئے دلائل صحیحہ سے اپنا مسلک ثابت نہیں کر سکتے۔(انشاءاللہ)

آپ نے حدیث پیش کی۔

عن نعیم المجهر قال صلیت وراء ابی هریرة فقرأ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ثم قرأ با م القرآن ....

پہلے نمبر پر تو بات یہ ہے کہ اس میں ''بسم اللہ بالجہر'' کا ثبوت ہی نہیں ۔فمن الدعیٰ فعلیه البیان ۔جیسا کہ مختلف علماء نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں۔

ومما یدل علی ثبوت اصل البسملة فی اول القرأة فی الصلاة مارواه النسائی وابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما وغیرهم من روایة نعیم المجمر قال صلیت خلف ابی هریرة .... والذی نفسی بیده انی لا شبهکم صلاة برسول الله صلی الله علیه وسلم .... ففی هذا رد علی من نفاها البتة وتائید لتاویل الشافعی رضی الله عنه .لکنه غیر صحیح فی ثبوت الجهر لا حتمال ان یکون سماع نعیم لها من ابی هریرة رضی اللہ عنه حال مخا فتته لقربه منه فبهذه تتفق الروایات کلها . (النکت علی کتاب ابن صلاح ص ۷۷۰، ج ۲)

اور وہ جو اصل بسم اللہ کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے نماز میں قرأۃ سے پہلے وہ جو کہ روایت کیا نسائی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نعیم المجمر کی روایت سے انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ....نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تم سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہوں پس یہ اس شخص پر رد ہے جس نے نماز میں بسم اللہ کی مطلقاً نفی کی ہے اور امام شافعی کی تاویل کی تائید میں ہے۔لیکن جہر کے ثبوت میں صحیح نہیں ہے اسمیں یہ احتمال ہے کہ نعیم المجمر نے حضرت ابو ہریرہ کے قریب ہونے کی بنا پر ان کے خفیہ پڑھنے کے باوجود سن لیا ہو، پس اس طرح تمام روایات متفق ہو گئیں۔

تو ثابت ہوا کہ اس حدیث سے جہر با بسم اللہ ثابت کرنا ہر گز ہر گز صحیح نہیں ہے کیونکہ

اس میں جہر کے الفاظ نہیں ہیں ۔ اور یہی بات حضرت زیلعی نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمائی جس کے جواب میں آپ نے کچھ اس طرح خامہ فرسائی فرمائی ۔

حیرانگی ہوتی ہے پہلے علامہ جمال الدین زیلعی پر کہ اتنے بڑے عالم ہو کر کیسی کمزور سی بات کر گئے اور پھر آپ پر کہ انکی کمزور عبارت کو اپنی حمایت میں نقل کر رہے ہیں لیکن اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں کیونکہ آپ مقلد ہیں اور مقلد کا تو یہ فخر ہوتا ہے کہ وہ کسی قول کی صحت دیکھتا ہے نہ ضعف، جو بھی اپنی حمایت میں ملے بیان کر دیتا ہے ۔ (آپ کے الفاظ ص ۴۷)

کیا پدی کیا پدی کا شوربا۔ کہاں حضرت امام زیلعی اور کہاں آپ جیسا ان پڑھ آدمی حیران ہونا چاہئے ۔ آپ کو اپنی عقل پر کہ سیدھی سی بات آپ کی اس ناقص عقل شریف میں نہیں آسکی ۔ حضرت علامہ نے تو ایک علمی بات کی تھی وہ آپ کی سمجھ شریف میں کیسے آتی کیونکہ آپ کا ذوق ہی غیر علمی ہے اور غیر صریح روایات کے سہارے آپ نے ایک خود ساختہ مسلک بنایا ہوا ہے ۔ چلو میں نے مانا کہ میں مقلد ہوں اور صحت وضعف کی آپ کے کہنے کے مطابق تمیز نہیں رکھتا لیکن یہ تو دیکھئے کہ یہ کوئی مقلد نہیں بلکہ ''غیر مقلد محقق ہے اسی عبارت کو اپنی تائید اور آپ کی مخالفت میں پیش کر رہا ہے ۔ یہ ہے مولوی عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو غیر مقلد لکھتا ہے ۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہ کا طریق کار اسرار تھا جہر نہیں محققین نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا جن کے اسمائے گرامی مع حوالجات کتب درج ذیل ہیں ....

مؤلف نے جس حدیث سے بسم اللہ جہراً پڑھنے کی دلیل لی ہے یہ نسائی (ص ۱۳۴ ج ۲) ابن خزیمہ (ص ۴۹۹) ابن حبان (۴۵۰ موارد) دارقطنی (ص ۳۰۵ ج ۱۴) اور مستدرک حاکم (۲۳۲ ج ۱) میں من طریق نعیم المجمر عن ابی ہریرہ ہے اسے ابن حبان، حاکم

اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ مگر اس حدیث سے دلیل لینا صحیح نہیں۔ حافظ ذیلعی فرماتے ہیں۔
کہ ابو ہریرہ کے آٹھ سو شاگردوں میں سے سوائے نعیم مجمر کے کسی نے بسم اللہ ذکر نہیں کی اور
ان کے شاگردوں میں سے کسی ثقہ سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے ابو ہریرہ سے یہ بیان کیا ہو کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ جہراً تلاوت کیا کرتے تھے۔ نعیم کی اس زیادتی پر
طویل کلام کرنے کے بعد زیلعی فرماتے ہیں کہ اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس میں
بسم اللہ جہر کی صراحت نہیں ہے۔ (نصب الرایہ ص ۳۳۵ ج ۱)

(کیوں جی ! حافظ صاحب اب حیرانگی ہوگی اپنے ہم مسلک بھائی پر۔ یہ تو مقلد نہیں
ہے پھر اس نے علامہ زیلعی کی عبارت جو کہ آپ کے نزدیک کمزور سی تھی کیوں من عن تسلیم
کرلی ہے) اور پھر مزید سنئے آپ نے آگے لکھا ہے۔

بسم اللہ اونچی پڑھنے کے بارے میں بعض ضعیف اور کئی من گھڑت روایات سنن
دارقطنی وغیرہ میں ہیں، ابن تیمیہ اور حافظ زیلعی نے بھی ذکر کیا ہے کہ امام دارقطنی جب مصر
تشریف لائے تو بعض مصریوں نے ان سے بسم اللہ کے جہر کے بارے میں ایک مستقل
رسالہ تالیف کرنے کی درخواست کی جب انہوں نے رسالہ تالیف کیا تو ایک مالکی نے ان
سے سوال کیا وہ یہ بتائیں کہ اس رسالہ میں کتنی صحیح روایات ہیں امام دارقطنی نے جواب دیا
کہ اس بارے میں جتنی مرفوع روایات ہیں سب کی سب غیر صحیح ہیں۔ رہے آثار صحابہ تو ان
میں سے بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں۔

الحاصل بسم اللہ جہراً پڑھنے کے متعلق کوئی صحیح صریح حدیث نہیں ہے لہٰذا بسم اللہ آہستہ
ہی پڑھنی چاہیئے..... (صلوٰۃ الرسول از صادق سیالکوٹی ص ۲۳۷، تحقیق عبدالرؤف غیر مقلد)

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری .... کیوں جی حافظ صاحب ہوش ٹھکانے آئی یا
نہیں۔ اب تو بات آپ کا غیر مقلد بھائی کہہ رہا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی صحیح صریح ہی نہیں

لیکن آپ بضد ہیں کہ یہ روایت صحیح بھی ہے اور صریح فی الجہر بھی ہے۔ مزید ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت علامہ بدرالدین عینی اسی حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔

والجواب عنه بوجوه : الاول انه معلول فان ذكر البسملة فيه مما تفرد به نعيم المجمر من بين اصحاب ابی هريرة وهم ثمان مائة ما بين صاحب وتابع ولا يثبت عن ثقة من اصحاب ابی هريرة انه حدث عن ابی هريره انه صلى الله عليه وسلم كان يجهر بالبسملة فی الصلوة .... (فان قلت) قد رواها نعيم المجمر وهو ثقة والزيادة عن الثقة مقبولة (قلت) فی هذا خلاف مشهور منهم لا يقبلها ...... الثانی ان قوله فقرأ اوقال ليس بصريح انه سمعها منه ان يجوز ان يكون ابو هريره اخبر نعيما بانه قرأها سرا ويجوز ان يكون سمها منه فی فما فتته لقربه منه كما روى عنه من انواع الاستفاح والفاظ الذكر فی قيامه وقعوده وركوعه وسجوده ولم يكن منه ذلك وليلا على الجهر (عمدۃ القاری ص ۲۸۵)

اور اس روایت کا کئی وجوہ سے جواب دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ معلول ہے اور اس میں تسمیہ کے ذکر میں نعیم المجمر متفرد ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو اصحاب میں سے جو کہ صحابہ اور تابعین میں سے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کسی بھی ثقہ شاگرد سے یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تسمیہ بالجہر پڑھا ہو (اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی روایت کرتے ہوں) اور اگر تو کہے کہ نعیم ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادۃ قبول ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں اختلاف مشہور ہے بعض علماء اس کو قبول نہیں کرتے۔

دوسرا جواب : کہ اس میں الفاظ ہے قراء یا قال: یہ صریح نہیں ہیں۔ کہ نعیم نے اس کو سنا ہو، ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نعیم کو بتایا ہو کہ میں نے بسم اللہ کو

آہستہ پڑھا تھا اور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے تو سرا پڑھا ہو لیکن نعیم نے ان کے قریب ہونے کی صورت میں سری کو ہی سن لیا ہو جیسا کہ روایت کیا گیا ہے نماز کی دعائے استفتاح اور الفاظ ذکر قیام کی صورت میں اور رکوع وسجود وقعود کی صورت میں (بعض اوقات بعض صحابہ سن لیتے تھے) تو اس سے جہر پر دلیل نہیں لی جا سکتی.......

کیوں جی حافظ صاحب !اب آپ علامہ عینی کی بات کو بھی بے سروپا بات اور کمزور بات کہیں گے۔ جناب حافظ صاحب۔لوگوں سے مراسلہ کا جواب لکھوا لینے سے آدمی عالم نہیں بن جاتا آپ نام کے اہل حدیث ہیں لیکن حدیث کے قبول ورد کے اصول کی آپ کو ابجد کا بھی علم نہیں ہے۔اور خالصاً علمی بحث کو آپ کمزور اور بے سروپا بات کہہ کر حیران ہو رہے ہیں۔اور یہی بات آپ کے ہم مسلک بھائی عبدالرؤف اور شوافع میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی بھی فرما چکے ہیں، جیسا کہ گذرا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ہے (اگر ثابت ہو جائے تو) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کسی حدیث سے اس کے موافق نہیں ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف اس سے زیادہ صحیح مرفوع روایات ہیں۔.........(میرے الفاظ مراسلہ نمبرا ص۱۴)

اس پر آپ نے فرمایا کہ

جہاں تک آپ کی پہلی بات ''یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ہے'' کا تعلق ہے یہ قطعی غلط ہے کیونکہ یہ ''مرفوع روایت'' ہے اس لئے کہ آخر میں' والذی نفسی بیدہ انی لا شبھکم صلوٰۃ بررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 'واضح طور پر دال ہے....(آپ کے الفاظ ص ۴۸)

جناب عالی! یہ صحیح ہے قطعی غلط نہیں ہے یہ صرف آپ کے ذہن کی غلطی ہے میں نے اس چیز کے دلائل دیئے تھے۔ اگر یہ صریح مرفوع ہے تو کیا صحیح سند کے ساتھ آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔ ہرگز نہیں، ہو ہی نہیں سکتا، اور پھر اس حدیث میں تو جہر کے الفاظ بھی نہیں حالانکہ آپ صریح حدیث پیش کرنے کے پابند تھے۔

آپ کا یہ لکھنا کہ

جب اس نسائی کی صحیح حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جہر بسم اللہ پڑھنا سنت ہے تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جہر پر کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی... (آپ کے الفاظ ص ۴۸)

جناب عالی! اس میں جہر کی تصریح ہے کہاں آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ جہر میں صریح ہے اور جہر سے پڑھنا "سنت" ہے۔ یہ تو سراسر ظلم اور تعدی والزام ہے آپ اس میں جہر کے الفاظ تو دکھائیں؟ اس حدیث شریف سے نماز میں بسم اللہ پڑھنے پر تو آپ استدلال فرما سکتے ہیں۔ بسم اللہ بالجہر پر استدلال ہرگز نہیں کر سکتے۔

اور پھر میری اس عبارت پر کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی اس کے خلاف اس سے زیادہ صحیح مرفوع روایات ہیں۔

آپ نے یوں ارشاد فرمایا۔ ،

تو جناب ہم نے کوئی اس کا انکار کیا ہے۔ ہم نے پہلے ہی کہا ہوا کہ سری اور مخفی پڑھنا زیادہ مستحسن ہے۔ ہم نے اس لئے تو زیادہ مستحسن کہا ہے کہ سری پر زیادہ روایات ملتی ہیں۔ .... (آپ کے الفاظ ص ۴۹)

آپ نے انکار نہیں تو کیا اقرار کیا ہے اور پھر آپ نے فرمایا کہ زیادہ مستحسن سری ہے تو

کیا جہری کم مستحسن ہے جبکہ ایک طرف آپ کا دعویٰ ہے کہ یہ سنت صحیح حدیث سے ثابت ہے تو کیا جب ایک سنت صحیح حدیث سے ثابت ہو جائے تو پھر اس کو کم مستحسن سمجھنا اہلحدیثی ہے؟

اور پھر آپ نے سری کو کیوں زیادہ مستحسن کہا۔ کیا سری والی روایت راجح قرار دے کر جہر والی روایت کو مرجوع قرار دیکر۔ اگر ایسا ہے تو پھر آپ جہری کو کم مستحسن بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ مرجوع روایت پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اور مرجوع روایت سے مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا آپ مرجوع روایت کی بنا پر کسی کام کو سنت نہیں کہہ سکتے۔

یا پھر آپ نے سری بسم اللہ پڑھنے والی روایات کو ناسخ اور جہر والی روایت کو منسوخ تسلیم کر لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر بھی آپ منسوخ روایت پر عمل نہیں کر سکتے اور منسوخ روایت سے کسی کام کو آپ سنت کا درجہ نہیں دے سکتے، نہ ہی اس کو مستحسن کہہ سکتے ہیں۔ آخر آپ نے سری کو زیادہ مستحسن اور جہری کو کم مستحسن کس اصول کی بنا پر کہا ہے؟ جواب دیں۔

اور اگر یہ سنت ہے تو پھر اس کو بدعت کہنے والے کون متصور ہونگے۔ جبکہ صحابہ اور تابعین میں سے کچھ حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں۔ جیسا کہ آگے انشاء اللہ بیان ہوگا اور میں نے کہا تھا کہ۔

اگر کہا جائے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ **والذی نفسی بیدہ انی لا شبھکم صلوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** "..........تو اس سے مراد اصل نماز اور اس کی مجموعی ھیت کے بارے میں ہے نہ کہ تمام جزئیات کے بارے میں.... کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے..........

اس پر آپ نے فرمایا کہ

آپ کی یہ ساری عبارت ''مناقشات'' سے بھرپور ہے۔ لہٰذا جواب غور سے پڑھیے گا۔

سب سے پہلے آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان الفاظ (**انی اشبھکم صلوٰۃ برسول**

اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد نماز کی مجموعی ھیت ہے جزئیات نہیں تو جناب کیا اس مجموعی ھیت سے بسم اللہ باہر ہے کیا اس مجموعی ھیت میں بسم اللہ نہیں آتی ؟

جناب میرے خیال میں آپ نے کسی مدرسہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی اور اگر کی ہوئی ہے تو آپ کے نام نہاد اساتذہ نے آپ کو حدیث کے بارے میں کچھ نہیں پڑھایا اس لئے آپ بعض اوقات بالکل جاہلوں والی گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔اب بھلا جس شخص کو اتنے فرق کا علم بھی نہیں وہ چلا ہے فقہی اور اختلافی مسائل سلجھانے (چشم بدور) جناب سنیے، محدثین نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے۔لیکن آپ کو محدثین سے کیا غرض آپ تو غیر مقلد یعنی شتر بے مہار جو مسئلہ جس طرح ذہن میں آیا بیان کر دیا۔کسی اصول وقاعدہ کلیہ کی بات ہی نہیں۔

حضرت ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں۔

والذی نفسی بیدہ انی لا شبھکم صلوٰۃ برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم .... وقد تعقب استدلالہ با حتمال ان یکون ابو ھریرۃ ارادیقولہ اشبھکم ای فی معظم الصلوٰۃ لافی جمیع اجزائھا وقد رواہ جماعۃ غیر نعیم عن ابی ھریرۃ بدون ذکر البسملۃ.......(فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۲ بیروت)

یعنی اس سے استدلال پر تعقب کیا گیا ہے اس احتمال کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ اشبھکم سے ان کا ارادہ نماز کی تعظیم سے ہے نہ کہ تمام جزئیات سے اور تحقیق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک پوری جماعت نے نعیم کے علاوہ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔بسم اللہ کے ذکر کے بغیر۔

اور علامہ شوکانی غیر مقلد نے لکھا ہے۔

ولو سلمنا ان ذكر القرأة فی الصلوٰۃ یستلزم الجهر بها لم یثبت بذلک مطلوب القائلین با لجهر لا ن انهض الا حادیث الوار ۃ بذلک حدیث ابی هریرۃ المتقدم وقد تعقب با حتما ل ان یکون ابو هریرۃ اشبههم صلوٰۃ برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی معظم الصلوٰ ۃ لا فی جمیع اجزائها علی انه قد رواه جماعة عن نعیم عن ابی هریر ۃ بد ون ذکر البسملة (نیل الاوطار ص۲۰۴ج۲ ۔دارالکتب العلمیہ)

اوردوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ان هذه الا حادیث التی استدل بها القائلون با لجهر منها لا یدل علی المطلو ب (ج۲ ص۲۰۴)

اورحضرت علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔

ان التشبیه لا یقتض ان یکون مثله من کل وجه بل بکفی فی غالب الا فعال وذلک متحقق فی التکبیر وغیره بدون البسملة فان التکبیر وغیره من الافعال الصلو ۃ ثابت صحیح عن ابی هریر ۃ وکان مقصوده الردعلی من ترکه واما التسمیة ففی صحتها عنه نظر فینصرف الی الصحیح الثابت دون غیره ویلزمهم علی القول با لتشبیه من کل وجه ان یقول بالجهر با لتعوذ فا ن الشافعی روی .... انه سمع ابا هریرۃ وهو یوم الناس را فعا صوته فی المکتوبة اذا فرغ من ام القرآن ربنا انا نعوذ بک من الشیطان الرجیم فهلا اخذ وابهذاکما اخذ ولجهر البسملة ....

(عمدۃالقاری ص۲۸۵ج۵)

تشبیہ اس بات کی متقاضی نہیں کہ وہ ہروجہ سے اس کے مشابہ ہو بلکہ یہ غالب افعال میں

کفایت کرے گی اور یہ تکبیر وغیرہ میں متحقق ہے۔بسم اللہ کے بغیر کیونکہ تکبیر وغیرہ نماز کے ان افعال میں سے ہیں جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں اور اس سے مقصود اس کا رد ہے جس نے اس کو ترک کر دیا تھا اور بہر حال تسمیہ (بالجہر) تو اس میں نظر ہے پس صحیح اور ثابت شے کی طرف پلٹنا چاہئے غیر ثابت کی طرف نہیں اور اگر اس سے ہر چیز میں تشبیہ مراد ہے تو پھر لازم ہے کہ تعوذ بھی بلند آواز سے پڑھی جائے کیونکہ روایت کیا امام شافعی نے............ کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ نماز پڑھا رہے تھے لوگوں کو فرض نماز میں انہوں نے بلند آواز سے فرمایا جب کہ وہ سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوئے.... **ربنا انا نعوذ بک من الشیطا ن الرجیم** تو کیا اس کو بھی پکڑو گے جیسا کہ بسم اللہ کو پکڑا بالجہر۔

تو جناب عالی۔میری عبارت میں ''مناقشات'' نہیں بلکہ آپ کا ذہن مناقشات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے آپ صحیح اور غلط میں تمیز سے عاری ہو چکے ہیں۔

اتنے محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے تسمیہ بالجہر کا استدلال نہیں کیا حالانکہ شوافع حضرات اس کے قائل ہیں لیکن اسی حدیث کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی بھی فرما رہے ہیں کہ تسمیہ بالجہر کا ثبوت اس سے نہیں ہو سکتا۔

اور پھر یہ حدیث تسمیہ بالجہر میں ''نص'' نہیں ہے اگر ثابت ہو جائے تو تب بھی یہ ''ظاہر'' ہے اور جب نص اور ظاہر میں تعارض ہو جائے تو نص کو ظاہر پر ترجیح ہو گی لہٰذا یہ حدیث پھر بھی مرجوع مرفوع ہی قرار پائے گی۔اور پھر میں نے حدیث صحیح صریح پیش کی تھی۔اور اس میں الفاظ بھی وہی تھے۔جن الفاظ سے آپ استدلال فرما کر اس حدیث کو مرفوع قرار دے رہے ہیں یعنی'' **والذی نفسی بیده ان لا شبهکم صلوٰ ۃ برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم** '' اور اس میں تسمیہ اور سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں آپ کے قاعدہ کے

مطابق تو پھر اب مرفوع حدیث سے معلوم ہوگیا کہ سورۃ فاتحہ بھی نہیں پڑھنی چاہئے۔

اور پھر آپ سے جب اصولی اور علمی جواب نہ بن پڑا تو آپ نے لکھا۔

حضرت ہمارے خلاف یہ احادیث آپ اس وقت پیش کر سکتے تھے جب ہم بسم اللہ سری اور مخفی پڑھنے کا انکار کرتے ہم تو بسم اللہ سری پڑھنے کو زیادہ مستحسن سمجھتے ہیں۔........

(آپ کے الفاظ ص ۵۱)

یہ زیادہ مستحسن کیا ہوتا ہے؟ کیا ایک کام جو صحیح صریح مرفوع حدیث کے ذریعے سنت ثابت ہو جائے تو پھر بھی وہ کم مستحسن یا غیر مستحسن ہی رہے گا۔ آپ ذرا دلائل سے ثابت فرمائیں کہ باوجود کم مستحسن ہی ہے تو پھر قنوت بعد از رکوع تو صرف ایک ہی حدیث سے ثابت ہے وہ زیادہ مستحسن کیسے ہوگیا جبکہ قبل از رکوع قنوت کے دلائل بے شمار ہیں۔

اب آپ کا فرمانا کہ

جب ہم دونوں طرح پڑھنے کو درست سمجھتے ہیں۔..... (آپ کے الفاظ ص ۵۱)

آپ نے دونوں کو درست تسلیم فرمایا۔ سری کو زیادہ مستحسن فرمایا لیکن کس بنا پر: سری والی روایات کو راجح سمجھ کر یا ناسخ سمجھ کر۔ ہر دونوں حالتوں میں آپ جہر والی روایت پر عمل نہیں کر سکتے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ

کیونکہ جہر پڑھنا الٹ کام ہے ہی نہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۵۱)

آپ کے الٹے دماغ کی طرف اشارہ کر رہا ہے اگر جہر ''سر'' کے الٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر آہستہ، بلند، کے متضاد نہیں تو کیا مترادف ہے۔ یہ حدیث سے ثابت ہرگز نہیں ہوا کیونکہ اس میں جہر کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور پچھلے صفحات میں بیان ہوا کہ اس سے جہر ثابت ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔

آگے آپ نے ایک اور بے تکی اور جاہلوں والی بات لکھ دی ہے۔ کہ

تو ہمارا مذہب یہاں بھی وہی ہوگا کہ مخفی پڑھنا زیادہ مستحسن ہے لیکن اگر کوئی اونچی آواز سے پڑھ لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں........(آپ کے الفاظ ص ۹۱)

میرے خیال میں آپ اصول شرعیہ سے بالکل ناواقف ہیں آپ کو مطلقاً پتا ہی نہیں کہ مسائل کیسے ثابت ہوتے ہیں۔ کس کام کو ثابت کرنے کیلئے کیسے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ان اشیاء سے بالکل نابلد ہیں۔

اگر آپ اس طرح مسائل کے حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں تو پھر تمام مسائل میں ایسا ہی رویہ اختیار فرمائیں۔

آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں دونوں فریق حق بجانب ہیں۔ جو لوگ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے وہ بھی سنت پر ہی عمل کرتے ہیں۔ جو لوگ رفع الیدین نہیں کرتے وہ بھی مستحسن فعل پر عمل کرتے ہیں وہ بھی سنت ہے۔ دونوں فعل ہی جائز و درست ہیں۔ جہاں آپ کے پاس بالکل دلائل نہ ہوں وہاں تو دونوں کاموں کو سنت و درست تسلیم کرلیا اور جہاں کچھ ٹوٹے پھوٹے دلائل نظر آجائیں دوسرے لوگوں کی نمازوں کو کالعدم قرار دے کر بے نماز اور بدعتی ہونے کے فتوے جڑ دیئے۔ یہ کیا بات ہے۔

حدیث کی سند پر اعتراض

اس حدیث کی سند میں ایک راوی سعید بن ابی ھلال ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اس کو آپ کے ہی ہم مسلک ''ابن حزم'' نے لیس بالقوی کہا ہے جیسا کہ باحوالہ میرے پچھلے مراسلہ میں گزر چکا ہے آپ نے فرمایا۔

جہاں تک آپ کی مذکور جرح کا تعلق ہے وہ ''غیر مفسر'' ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ

قوی نہیں تو کیوں نہیں۔لہٰذا اصول حدیث کے قواعد کی رو سے اس جرح کا ثقہ راوی میں کوئی اعتبار نہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۵۴)

جہاں تک اصول حدیث کی بات ہے تو وہ با حوالہ دلائل کے ساتھ گذر چکا ہے کہ والجرح مقدم علی التعدیل کہ جرح مطلقاً تعدیل پر مقدم ہو گی لیکن بعض محدثین نے اس قاعدہ کے ساتھ جرح مفسر کا اضافہ بھی کیا ہے۔لہٰذا اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی آپ اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑ سکتے۔آپ نے اصول حدیث کی بات کی ہے تو اگر آپ نے اصول حدیث کی کوئی چھوٹی موٹی کتاب بھی پڑھی ہو گی تو آپ کو اس متفقہ اصول کا بھی علم ہو گا کہ جب مدلس راوی عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ روایت نا قابل احتجاج ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ امام نووی فرماتے ہیں۔

والمدلس اذاقال : عن : من يحتج به لو كا ن عدلا ضابطا . -

(المجموع شرح المہذب ص ۱۰۷ ج ۱)

اور جب مدلس ''عن'' کہے تو اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا۔

اگر چہ وہ عادل وضابط (ثقہ) ہی کیوں نہ ہو۔

تو جب محدثین اصول کا یہ متفقہ اصول ہے تو پھر آئیں دیکھیں کہ آپ نے جو حدیث اپنی تائید میں پیش فرمائی ہے وہ آپ کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

اخبرنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم عن شعيب حدثنا الليث حدثنا خالد عن ابن ابى هلال عن نعيم المجمر قال صليت وراء ابى هريره .... (آپ کے الفاظ ص ۵ مراسلہ نمبر ۱)

تو آپ کی اس نقل کردہ سند میں ایک راوی سعید بن ابی ھلال ہیں جو کہ ''مدلس'' ہے اور اس کا مدلس ہونا حافظ صلاح الدین ابی سعید خلیل بن کیکلدی نے (جامع التحصیل

ص۲۲۴) پر بیان فرمایا ہے۔ اور اس کی یہ روایت عن کے ساتھ ہے لہٰذا ہرگز ہرگز قابل احتجاج نہیں ہے۔تو اس روایت کو دلیل بنا کر تسمیہ بالجہر کا اثبات کرنا، دیوانے کی بڑ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور پھر اس روایت کی سند میں ایک راوی ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم اس کو امام ابن جوزی نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے کہ

کذبہ الربیع بن سلیمان (کتاب الضعفاء والمتروکین)

کہ ربیع بن سلیمان نے اس کو کذاب کہا ہے۔

امام نسائی نے اگرچہ اس کا انکار کیا ہے جیسا کہ ذہبی نے میزان میں ذکر کیا لیکن امام نسائی کا انکار ربیع بن سلیمان کی جرح پر کچھ قدح نہیں کرتا، ہوسکتا ہے کہ امام نسائی کو اس کے عیب کا پتہ نہ چل سکا ہو۔اس لئے تو جرح کو تعدیل پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ جارح وہ بات جانتا ہے جو کہ معلول نہیں جانتا۔

حرف آخر:۔ یہ حدیث تسمیہ بالجہر میں نص اور صریح نہیں ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں حافظ ابن حجر عسقلانی، امام زیلعی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ شوکانی اور عبدالرؤف غیر مقلد سے ثابت کیا گیا ہے۔

نمبر۲ :۔ اس روایت میں سعید بن ابی ھلال اور محمد بن عبداللہ: مختلف فیہ راوی ہیں۔ لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

نمبر۳:۔ اس روایت میں ایک راوی سعید بن ابی ھلال، مدلس راوی ہے اور وہ یہ روایت عن کے ساتھ روایت کر رہا ہے۔لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہیں۔



﴿مسئلہ نمبر ۴﴾

نماز جنازہ کا مسئلہ

اس مسئلہ میں بھی آپ نے اِدھر اُدھر کی باتیں تو بہت کی ہیں لیکن ترتیب جنازہ پر کوئی بھی مذکورہ شرائط کے مطابق روایت پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی انشاء اللہ کر سکیں گے۔

بات اتفاقی اختلافی کی نہیں ہے، بات ہر مسئلہ پر صحیح مرفوع صریح حدیث پیش کرنے کی ہے۔ اس مسئلہ میں آپ نے جو ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ان کا بیان بھی انشاء اللہ بالمشافہ کیا جائے گا۔ آپ خود تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ کا ملانا محفوظ نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کا جنازہ ثابت نہ ہوا، بات صرف سورۃ فاتحہ کی نہیں۔ بلکہ مکمل نماز جنازہ کی ہے۔ اور حدیث ابی امامہ میں ثناء کا ذکر نہیں جو کہ غیر مقلدین پڑھتے ہیں اور پھر اس میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ کا ذکر نہیں جس پر غیر مقلدین کا عمل ہے۔ لہٰذا یہ بھی اس مسئلہ پر صحیح صریح مرفوع روایت نہیں ہے۔

ایک ہی مرتبہ دو چیزیں مخالف ہونے کے باوجود سنت نہیں ہو سکتیں۔ نماز جنازہ پر آپ نے دو روایتیں نقل کیں۔ ایک میں بقول آپ کے جہر سنت ہے جب کہ دوسری میں سراً سنت ہے۔ تو نماز جنازہ سراً سنت ٹھہرا یا کہ جہراً۔ اصول حدیث وفقہ سے ثابت فرمائیں کہ یہ ممکن ہے۔ آپ کے کہنے سے نہیں ہو سکتا۔ آپ اس سلسلہ میں دلیل دیں۔ ایک ہی وقت میں دو متضاد سنتیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس لئے مجھ پر یہ سوال کرنا جہالت وحماقت ہے۔

صحابی کا سنۃ کہنا

اس پر پھر آپ نے لا حاصل بحث کی ہے۔ اختلاف صرف یہ ہے کہ یہ حکمی مرفوع ہے یا

کہ نہیں۔صریح مرفوع نہ ہونے پر اتفاق ہے۔اس پر اختلاف ہرگز نہیں ہے۔اس لئے آپ کا اختلاف سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا سراسر غلط ہے اس طرف میں پہلے مراسلہ میں تفصیلاً عرض کر چکا ہوں آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی۔آپ نے میری کسی چیز کا جواب تو دیا نہیں آگے چلے گئے۔

ابن حزم کی عبارت کا کوئی جواب نہ دیا بالکل ہی ہضم کر گئے کہ جس میں صحابی سنة نبیکم کہہ رہا ہے وہ بھی سنت رسول ثابت نہیں تو جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہی نہیں وہ مرفوع کیسے ثابت ہوگئی۔

اور جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نماز میں اقعاء کوسنت قرار دینا ہے تو یہ بھی کتب آپ کو ملاقات پر دکھادی جائیں گی۔

ویسے آپ ''تحفۃ الاحوذی ص۲۳۶ ج۱'' بھی ملاحظہ فرمائیں۔تاکہ سنت وسنۃ نبیکم میں فرق معلوم ہوسکے۔پھر عبدالرؤف صاحب کی بات آپ بغیر دلیل کے رد کر رہے ہیں۔ جو وہ دلائل دے رہے ہیں۔ان کا رد کرنا آپ پر ضروری تھا۔

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو کہ آپ نے دھوکہ دینے کی غرض سے کچھ حصہ نقل کر کے چھوڑ دیا تھا۔اور مجھے فرمایا ہے کہ

آپ نے اس حدیث کی سند نہیں لکھی۔(آپ کے الفاظ)

تو لیجئے۔جناب اس کی سند ملاحظہ فرمائیں۔

اخبرنا اسمٰعیل بن احمد التاجر ثنا محمد بن الحسین العسقلانی ثنا حربةبن یحییٰ ثنا ابن وهب اخبرنی یونس عن ابن شهاب قال اخبرنی ابوامامة بن سهل بن حنیف .... اخره من رجال من اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الصلوة علی الجنازه ...... هذاحدیث

صحیح علی شرط الشخین (مستدرک امام حاکم ص ج ۲)

اور جو آپنے یہ بات نقل فرمائی کہ سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے تو اسکے بارے میں امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ''ھٰذا خطاء'' کہ یہ غلط ہے۔(علل الحدیث ص ۳۵۷ ج ۱، سانگلہ ہل)

ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین

اس سلسلہ میں ابھی تک تو آپ نے شرائط کے مطابق دلیل بھی نہیں دی تھی۔اب آپ نے لکھا ہے کہ

نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کی صحیح صریح مرفوع اور خاص دلیل ----- (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

اخرج الدارقطنی فی علله عن عمر بن شیبه حدثنا یزید بن ھا رون انباء یحییٰ بن سعید عن نافع عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا صلی علی الجنازہ رفع یدیه فی کل تکبیرة و اذاا نصرف سلم (کتاب العلل الدارقطنی بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۶۵)

جناب عالی! یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی صریح مرفوع یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ آپ ایسے فعل کو جزما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔کہ جس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔جب آپ نے تحفۃ الاحوذی پڑھ کر حوالہ نقل کیا ہے۔جیسا کہ آپ نے خود اقرار فرمایا ہے۔تو پھر آپ اس کو صریح مرفوع کیسے کہہ رہے ہیں۔جبکہ یہ حدیث جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے۔دارقطنی کی کتاب۔العلل الکبیر میں ہے تو کیا آپ علل: کا مطلب جانتے ہیں اگر جانتے ہیں تو پھر اس حدیث کو صحیح صریح مرفوع کیوں کہہ رہے ہیں۔جبکہ اس کو روایت کرنے والا محدث خود ہی فرما رہا ہے کہ۔

هكذا رفعه عمر بن شيبه و خالفه جماعة : فرروه عن يزيد بن هارون موقوفاًو هو الصواب(نصب الرايه ص ۲۸۵ ج ۲)

کہ اس کو عمر بن شیبہ نے ایسے ہی مرفوع روایت کیا ہے اور ایک پوری جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے وہ اس روایت کو یزید بن ہارون سے موقوف بیان کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے.

یعنی یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے اور موقوف روایت ہماری شرائط کے مطابق نہیں ہے لہٰذا آپ مرفوع صحیح روایت تو نقل کریں۔اور پھر یہ سند کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو جس راوی نے مرفوع بیان کیا ہے وہ راوی ہی مجہول ہے لہٰذا یہ روایت صحیح مرفوع نہیں ہے۔

اور وہ راوی ہے عمر بن شیبہ

اس کے بارے میں علامہ ابن جوزی نے نقل فرمایا۔

عمر بن شیبہ قال ابو حاتم الرازی : مجهول (کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۲۱۱ ج ۲، مکۃ المکرمۃ)

لہٰذا ثابت ہوا کہ دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی آپ کے پاس کوئی روایت صحیح صریح اور مرفوع نہیں ہے۔

یہ روایت منکر اور ضعیف ہے اور پھر مرفوع بھی نہیں بلکہ موقوف ہے۔اور اس سلسلہ میں سنیے غیر مقلدین کا فیصلہ:... تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۵٦ ج ۵۔خانیوال)

آپ یقیناً یہاں بھی کہیں گے کہ یہ ان کی تحقیق ہے یہ میری تحقیق ہے۔اس لئے محقق بننے سے پہلے اصول حدیث وفقہ کسی حاذق ولائق استاد سے پڑھنے کی کوشش فرمائیں۔ ویسے الحمدللہ آپ کی بار بار اس بات نے ہمیں بہت فائدہ دیا ہے کہ یہ ان کی تحقیق ہے اور یہ میری تحقیق۔لوگوں کو پتہ تو چل گیا کہ اصل فرقہ پرست کون لوگ ہیں کہ ہر مسجد کے مولوی کی علیحدہ تحقیق ومسلک ہے۔امت میں انتشار وافتراق ڈالنے کیلئے اس دنیا میں کیسے کیسے محقق نام نہاد پیدا ہو چکے ہیں۔

بندہ عاجز بے چینی سے آپکی طرف سے بالمشافہ گفتگو کیلئے پیغام کا انتظار کرے گا۔ اوراس طرح کی رقعہ بازی کہ جس میں آپ بار بار ضعیف شاذ ومنکر روایات کا سہارا لیکر وقت گزارنے کی کوشش کرر ہے ہیں۔ناقابل قبول ہے۔لہٰذا جتنے مراسلہ جات لکھے جا چکے ہیں اتنے ہی کافی ہیں۔اب انہیں دوستوں کے سامنے فیصلہ ہونا چاہئے۔وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے۔ان تمام دوستوں کے سامنے آپ اپنے مراسلات پڑھیں گے اور میں اپنے مراسلہ جات پڑھوں گا اور وہ دوست جن کے پاس یہ بات چلی تھی فیصلہ فرمائیں گے۔جلدی اطلاع دیناہوگی۔

محمد عباس رضوی غفرلہ،

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿چوتھا مسئلہ﴾

نماز جنازہ کا طریقہ

دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی آپ نے دفع الوقتی سے کام لیا ہے۔میرے بار بار اسرار کے باوجود آپ نے اس مسئلہ میں صحیح صریح مرفوع روایت پیش کرنے کی ابھی

تک جرأت نہیں کی، آخر کیا بات ہے؟

آپ نے ترتیب کے بارے میں ھدایہ شریف کی عبارت پیش کی جو کہ آپ جیسے منکرین ھدایہ وھدایت کو زیب نہیں دیتا آپ کا دعویٰ تو یہ تھا۔

عباس رضوی صاحب! ہمارا دعویٰ تھا کہ ہم قرآن وحدیث سے باہر نہیں نکلتے۔

(آپ کے الفاظ ص مراسلہ نمبر۱)

لیکن یہاں قرآن وحدیث کہاں گئے۔ اور اپنی کم علمی کم مائیگی کو چھپانے اور اپنے مذہب کا بھانڈا سر بازار پھوٹتے دیکھتے ہوئے عجیب بہکی باتیں کرنے لگے کہ۔

لہٰذا میں نے جو ھدایہ سے ترتیب نقل کی ہے وہ آپ کے نزدیک حجت ہے اس کے ہوتے ہوئے آپ کو دلیل مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں.........

کیوں دلیل مانگنے کی ضرورت نہیں کیا شرائط میں کوئی ایسی چیز لکھی گئی تھی؟ اگر لکھی گئی تھی تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔

شرائط کے مطابق ہر مسئلہ کیلئے صحیح صریح مرفوع روایت پیش کرنے کے آپ پابند تھے اور آپ نے پورے چاروں مسئلوں میں ایک مسئلہ میں بھی اس معیار کی دلیل نہیں دی۔ بعض مسئلوں میں غیر صحیح صریح اور بعض میں غیر مرفوع، یہ کہاں کا انصاف ہے۔ آپ شرائط کے مطابق ہر مسئلہ میں صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کرنے کے پابند ہیں، نہ کہ ھدایہ شریف کی عبارت نقل کر کے آپ جان چھڑائیں۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ

جناب بات یہ ہے کہ مقابل کو دلیل اس کی مسلمات سے دی جاتی ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۵۷)

کیا صحیح صریح مرفوع روایت ہماری مسلمات سے نہیں ہے۔ اور کیا شرائط میں یہ طے

کی گئی تھی کہ پہلے دلیل مسلمات سے پیش کی جائے گی اور بعد میں حدیث پیش کی جائے گی۔

۔آپ پر اصولاً یہ بات فرض۔..............................

....

میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ

آپ حضرات جس ترتیب سے جنازہ پڑھتے ہیں اس ترتیب کو احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت فرمائیں۔کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ بمعہ سورۃ دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد دعا للمیت، ھدایہ کا حوالہ آپ کیلئے مفید نہیں اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بقول آپ کے سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی تو کس تکبیر کے بعد آپ نے پڑھی اس کا ثبوت ابھی تک آپ کے سر قرض ہے۔(میرا مراسلہ ص ۱۶)

اس کے جواب میں بجائے اس کے کہ آپ صحیح حدیث فوراً پیش فرماتے۔آپ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔اتنی لمبی چوڑی بحث کا کیا فائدہ جب آپ کے پاس دلیل موجود ہے تو پھر پیش فرمائیں۔یہ کہ چونکہ چنانچہ، اگر مگر کیا ہوا؟ بجائے دلیل کے آپ نے فرمایا۔

دیکھئے۔جنازہ میں عموماً چار تکبیریں پڑھی جاتی ہیں۔اس پر ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے اسکے بعد ان تکبیروں میں کیا پڑھنا ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ تین تکبیروں میں بھی ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے لہٰذا ان آخری تکبیروں میں جو کچھ پڑھنا ہے اس پر دلیل مانگنا آپ کو زیب نہیں دیتا کیونکہ یہ اتفاقی مسئلہ ہے ....(آپ کے الفاظ ص ۵۵)

جناب عالی ! جنازہ میں جتنی بھی تکبیریں کہی جائیں احادیث سے ان کا ثبوت پیش کرنا آپ کے لئے ضروری ہے۔کیونکہ آپ غیر مقلد ہیں اور آپ کا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن وحدیث سے باہر نہیں نکلتے۔ہم بھی دیکھیں۔کہ آپ قرآن وحدیث پر کیسے عمل کرتے ہیں۔ کیا احادیث میں تین تکبیریں پانچ اور چھ تکبیریں نہیں آتیں۔آپ ان احادیث پر عمل کیوں

نہیں کرتے۔آپ اچھے اہلحدیث ہیں۔بات اتفاق واختلاف کی ہی نہیں آپ چونکہ غیر مقلد ہیں۔لہٰذا آپ کو حدیث صحیح سے دلیل دینا ضروری ہے۔آپ ہر تکبیر میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس کی دلیل صحیح صریح مرفوع حدیث سے دیں۔نہیں تو پھر حق کو قبول کرتے ہوئے مسلک حق اہلسنت حنفی اپنالیں۔تاکہ دنیاو آخرت میں رسوائی سے بچ سکیں۔

اور پھر آپ نے فرمایا

ہاں البتہ پہلی تکبیر میں ہم سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور آپ نہیں پڑھتے ،لہٰذا یہ اختلافی مسئلہ ہوا۔اس کی دلیل آپ مانگ سکتے ہیں۔اور آپ نے مانگی بھی ہے۔اور اس کو میرے سر قرض گردانا ہے۔لیجئے میں اپنا قرض اتارتا ہوں۔ہم پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں۔اس کی دلیل ابوامامہ بن سہیل کی یہ روایت ہے۔

" السنة فی الصلوٰة علی الجنازة ان یقرأ فی التکبیر الا ولیٰ بام القرآن مخافتة "

ترجمہ : نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ کو پڑھا جائے مخفی طور پر۔

سبحان اللہ۔ اس کو کہتے ہیں۔کہ" دروغ گورا حافظہ نباشد" یا دوسرے لفظوں میں ""جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے"۔پہلے آپ یہ ثابت کر رہے ہیں۔کہ نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنا یہ سنت ہے اور اب آپ ثابت فرما رہے ہیں کہ آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ان دونوں میں سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کونسی ہے۔اس پر بھی کچھ فرما دیتے تاکہ ہمارے لئے آسانی ہو جاتی۔آپ اہل حدیث ہیں۔لہٰذا آپ ایک ہی وقت میں دونوں حدیثوں پر عمل کر کے دکھائیں۔کیونکہ آپ نے اپنی تائید میں پیش فرمائی ہیں۔

اور پھر حضرت صاحب۔حدیث حضرت ابوامامہ تو پیش فرما دی لیکن یہ کس کتاب میں ہے اور اس کی سند کیا ہے، بیان کیوں نہیں فرمائی؟ آپ خود ہی تو فرما چکے ہیں۔اسی

مراسلہ میں کہ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے اس قول کی سند پیش نہیں کی پتا نہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت بھی ہے کہ نہیں (بلا سند کوئی قول نہ لکھا کریں)... (آپکے الفاظ ص ۶۰، ۶۱، مراسلہ نمبر۲)

کیوں جی حافظ صاحب۔ یہ نصیحتیں صرف دوسروں کیلئے ہی ہیں۔ اپنے لئے نہیں۔ کیا فرمان خداوندی نہیں پڑھا۔ یا ایھا الذین امنوا لما تقولون مالا تفعلون . کہ اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔

آپ اس حدیث کی سند پیش فرمائیں۔ پھر اسکو شرائط کے مطابق صحیح صریح مرفوع ثابت فرمائیں۔ تب اسکو دلیل کے طور پر پیش کریں ورنہ آپ اس سے دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ ویسے یہ حدیث مرسل ہے جو کہ آپ کے نزدیک قابل حجت نہیں اور پھر یہ سنداً بھی ضعیف ہے۔ اور اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو پھر بھی یہ آپ کے ہی خلاف ہے کہ اس میں سنت آہستہ کو لیا گیا ہے نہ کہ بلند کو۔

لہٰذا جب یہ ثابت ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ پہلی تکبیر میں پڑھی جائے ...... (آپ کے الفاظ ص ۵۶)

جناب کیسے ثابت ہو گیا کہ آپ صحیح صریح مرفوع حدیث تو پیش فرمائیں سند آپ نے نہیں لکھی حدیث کا حوالہ آپ نے نہیں دیا، تا کہ اس کی سند دیکھ نہ لی جائے اور آپ کی چوری پکڑی نہ جائے۔ اس بے ثبوت اور بلا دلیل دعویٰ کے بعد آپ نے سرخی جمائی کہ

بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنا...... (آپ کے الفاظ ص ۵۶)

اب آپ بتائیں کہ ایک طرف تو آپ حدیث سے بیان فرما رہے ہیں۔ کہ آہستہ پڑھنا سنت ہے اور دوسری طرف آپ فرما رہے ہیں کہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے۔ یہ

ماجرہ کیا ہے۔ کس بات کو سچ مانا جائے اور کس کو جھوٹ آپ ہی راہنمائی فرمادیں۔

ع ..... ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اور پھر آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نسائی شریف کی حدیث شریف بیان فرمائی لیکن یہ بھول گئے کہ یہ صریح مرفوع نہیں ہے گو کہ بعض محدثین نے اس کو حکمی مرفوع کہا ہے۔ لیکن اس کے تو حکمی مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ حافظ صاحب اور صریح مرفوع اور حکمی مرفوع کی اصطلاح سے میرے خیال میں واقف نہیں اور الٹا مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے آپ فرمارہے ہیں کہ

جناب مجھے آپ جیسے پڑھے لکھے شخص کو یہ ''قاعدہ اصول حدیث'' بتاتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے کیونکہ میرے خیال میں یہ بات نہیں تھی کہ آپ یہ اعتراض بھی کردیں گے۔........ (آپ کے الفاظ ص ۵٦)

جناب اس میں شرم والی کوئی بات ہے تو صرف یہ کہ آپ کا علم ہی اتنا ہے آپ کو اس کا پتہ ہی نہیں کہ اس مسئلہ میں زبردست اختلاف ہے۔ یہ اعتراض جو میں نے کیا ہے یہ الحمدللہ صحیح اعتراض ہے کیونکہ میں نے شرائط میں صریح کا لفظ صراحت کے ساتھ لکھا تھا کہ حدیث صحیح بھی ہو اور مرفوع بھی ہو صریح مرفوع۔ کیا آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ حدیث صریح مرفوع ہے۔ اگر آپ دعویٰ فرمائیں تو پھر اس کو ثابت بھی کرنا ہوگا۔ آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ سنئے۔ جمہور فقہاء اور محدثین کا یہ اصول ہے۔ کہ جب صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی عمل کرنے کے بعد یہ کہہ دے کہ ''یہ سنت ہے'' تو وہ حدیث مرفوع ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تدریب الراوی ص ۱۸۸ ج۱)

میرے بھائی ان الفاظ کے ساتھ تو حکمی مرفوع ہونے میں بھی زبردست اختلاف ہے چہ جائیکہ آپ ان الفاظ کے ساتھ صریح مرفوع ثابت فرمارہے ہیں مرفوع کی تعریف

آپ نہیں جانتے۔آیئے آپ کی مویدہ کتاب سے ہی مرفوع کی تعریف دیکھیں کیا اس میں یہ الفاظ ہیں۔

المرفوع : وھو ما اضیف الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاصۃ :

(تدریب الراوی ص۸۳۔دارالنشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

مرفوع وہ ہے جس میں خاص کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت کی گئی ہو۔

کیا اس میں آپ کے مویدہ الفاظ ہیں آپ اصول حدیث کی پوری کتب پڑھ جائیں مرفوع صریح میں آپ کو وہ الفاظ نہیں ملیں گے ہاں ان الفاظ کیلئے علیحدہ باب باندھ کر بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی اتفاقی مسئلہ نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے۔۔آیئے دیکھیں امام غزالی ارشاد فرماتے ہیں۔

اذا قال الصحابی من السنۃ کذا .... قال المحدثون : ھو کقولہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کذا لا نھم یعبرون بہ عن قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھذا تحکم ۔ فا ن السنۃ یعبربہ عن الطریقۃ والشریعۃ بدلیل قولہ تعالیٰ (سنۃ من قدار سلنا قبلک من رسلنا ....)

(المنخول من تعلیقات الاصول ص۲۷۸۔دارالفکر دمشق ۱۹۸۰ء)

جب صحابی کہے کہ ایسے سنت ہے تو محدثین نے کہا کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یعنی مرفوع ہے) کیونکہ اس کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کرتے ہیں۔اور یہ زرا تحکم ہے کیونکہ سنت طریقہ اور شریعت سے تعبیر ہے اللہ کے اس قول کی دلیل کے ساتھ سنۃ من ارسلنا قبلک من رسلنا۔

تو ثابت ہوا کہ یہ حکم مطلق طور پر لگا دینا کہ ہر مرفوع ہے یہ زرا تحکم اور سینہ زوری ہے۔ حقیقت کے ساتھ اس کا تعلق ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا..........

آپ اس کو صریح مرفوع ثابت کرنے پر بضد ہیں حالانکہ اس کے حکمی مرفوع ہونے پر بھی سخت اختلاف ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد نے کہا ہے۔

واذا قال الصحابی السنة کذا ، وامرنا بکذا ، فلیس ھذا مسنداً ولا یقطع علی انه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ولا ینسب الی احدقول لم یروانه قاله ، لم یقم برھان علی انه قاله...... (الاحکام فی اصول الاحکام ص۷۲ جز۲۔ ضیاء السنۃ فیصل آباد)

اور صحابی جب کہے کہ یہ سنت ہے یا ہمیں ایسا حکم دیا گیا ہے تو یہ مرفوع نہیں ہے۔اور نہ ہی یہ قطعی بات ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور کسی ایک سے بھی جو الفاظ مروی نہیں ان کو آپ کی طرف منسوب کیا ہے کہ آپ کا یہ قول ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔

اور اس پر علامہ ابن حزم نے بہت سارے صحابہ سے یہی الفاظ نقل کر کے پھر ثابت کیا ہے یہاں سنت سے مراد مرفوع روایت نہیں ہے اور انہی مثالوں میں علامہ ابن حزم نے آپکی موید حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی پیش کی ہے اور پھر بعد میں اس بارے میں کہا کہ یہ مرفوع نہیں،فرماتے ہیں۔

وھذ امذھب اھل الصدر الاول.... (ص۷۳ جز۲)

اور یہ صدر اول کے علماء کا مذہب ہے۔۔(متقدمین،تابعین وغیرہ)

ہاں محدثین میں سے اکثر نے ان الفاظ کو حکمی مرفوع میں شامل کیا ہے۔لیکن یہ بھی اتفاقی مسئلہ نہیں ہے۔

حضرت امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی فرماتے ہیں۔

اذا قال الصحابی : امرنا بکذا او نھینا عن کذا ،او السنة کذا فا ن الظاھر انه امر من الله ورسوله ،وان السنة سنة النبی صلی الله علیه وسلم ھذا قول اکثر اھل العلم ، قال قوم من اصحاب ابی حنیفة ، والصیرفی وداود : یجب الوقوف (احکام الفصول فی احکام الاصول ص ۳۱۷ ص ۳۱۸)

جب صحابی کہے کہ ہمیں اس طرح حکم دیا گیا ہے یا ہمیں فلاں سے منع کیا گیا ہے یا ایسا سنت ہے۔تو ظاہر ہے کہ اگر حکم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور سنت سنۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ قول اکثر علماء کا ہے اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے ایک پوری قوم اور امام صیرفی شافعی داود ظاہری نے کہا ہے کہ یہ موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔

اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سلسلہ میں کافی تفصیل سے کام لیا ہے اور فرمایا ہے۔کہ یہ مسئلہ عام نہیں ہے کہ جب بھی جو بھی صحابی ایسے لفظ کہے تو وہ مرفوع ہو گی۔ بلکہ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ۔

محل الخلاف فی ھذہ المسألة فیما اذا کا ن قائل ذلک من الصحابة غیر ابی بکر رضی اللّٰه عنه اما اذا قال ابو بکر رضی الله عنه فیکو ن مرفوع قطعاً۔ (النکت علی کتاب الصلاح ص ۵۲۱ ج ۲)

اس مسئلہ میں محل اختلاف تب ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی صحابی ایسا کہے تو اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسا کہیں تو وہ یقیناً مرفوع ہو گا۔

اور پھر آگے فرماتے ہیں۔

حکی ھذا المذھب ابو السعادات ابن الاثیر فی مقدمة جا مع الاصول وھو مقبول .

اور اس مذہب کو حکایت کیا (بیان کیا) ہے ابن الاثیر نے جامع الاصول کے مقدمہ میں

اور یہی مقبول ہے۔

اور پھر آگے اس مسئلہ پر اختلاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس کو مرفوع ماننا صرف امام شافعی کا مذہب ہے۔

ومقابل الا صح خلاف الصیرفی من الشافعیة والکرخی والرازی من الحنفیة وابن حزم الظاهری بل حکاه امام الحرمین فی البرها ن من المحققین۔ (النکت علی کتاب ابن الصلاح ص۵۲۳ ج۲)

اور امام شافعی کے صحیح مقابل جنہوں نے اختلاف کیا ہے ان میں سے امام صیرفی شوافع میں سے اور امام کرخی و امام رازی احناف میں سے اور ابن حزم ظاہری ہیں بلکہ امام الحرمین نے اپنی کتاب البرہان میں محققین علماء سے یہی مذہب بیان فرمایا ہے کہ یہ مرفوع نہیں ہے۔

امام سخاوی نے بھی اس مسئلہ پر بڑی عمدہ اور مفصل بحث کی ہے۔ آپ اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وممن ذهب الی خلاف ماحکیناه فیهما من الشافعیة ابو بکر الصیرفی صاحب الدلائل ومن الحنفیة ابو الحسن الکرخی وفی السنة فقط الشافعی فی احدقولیه من الجدیه ، کما جزم الرافعی بحکایتهما عنه ورجحه جماعة بل حکاه امام الحرمین فی البرها ن عن المحققین .... وهذه احتمالات تمنع کونه مرفوعاً۔ (فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ص۱۱۳۔۱۱۴ ج۱ للسخاوی)

اوران میں سے جو اس کے خلاف گئے ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے۔ شافعیہ میں سے ابو بکر الصیرفی صاحب الدلائل اور حنفیہ میں سے ابو الحسن الکرخی اور صرف لفظ ''السنۃ'' میں امام

شافعی ایک جدید قول کے مطابق جیسا کہ امام رافعی نے اس پر جزم کیا ہے دونوں قول ان سے بیان کرنے کے ساتھ اور ایک پوری جماعت نے اس کو راجح کہا ہے بلکہ امام الحرمین نے تو البرہان میں اس مذہب کو محققین سے نقل کیا ہے (کہ ان الفاظ سے مرفوع ثابت نہیں ہوتا)

اور آپ نے تدریب کی عبارت اپنے مطلب کی نقل تو کی لیکن اصل لفظ ہڑپ کر گئے جو الفاظ آپ نے نقل فرمائے ہیں انہی کے ساتھ یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

وقیل لیس بمرفوع ۔۔ (تدریب الراوی ص ۱۸۸ ج ۱)

اور کہا گیا ہے کہ یہ مرفوع نہیں ہے۔

یہ تو میں نے اختصار سے عرض کیا ہے وگرنہ اس پر تو بیسیوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔ کہ ان الفاظ سے صریح مرفوع کہنا جہالت ہے اور اصول حدیث سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ ان مختصر حوالوں سے معلوم ہوا کہ آپ نے شرائط کے مطابق صحیح صریح مرفوع روایت پیش نہیں کی اور نہ ہی آپ کر سکتے ہیں۔

آپ بڑا زور لگائیں تو آپ اس کو حکمی مرفوع قرار دے سکتے ہیں لیکن ہماری شرائط میں صریح مرفوع کے الفاظ درج ہیں۔ لہٰذا اب آپ کا میرے بارے میں یہ فرمانا کہ،

اب بھی آپ اگر اسے صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل ہی کہیں (یعنی موقوف ثابت کریں) تو یہ بڑی زیادتی ہوگی.......... (آپ کے الفاظ ص ۵۷)

جناب اس کو صرف میں ہی نہیں بہت سارے محققین اور ایک قول جدید کے مطابق امام شافعی بھی موقوف ہی قرار دے رہے ہیں اور جہاں تک زیادتی کی بات ہے تو یہ امام غزالی کے کہنے کے مطابق اس کو مرفوع کہنا سینہ زوری اور زیادتی ہے۔

اور پھر میں نے کہا تھا کہ

آپ نے اگر چہ ترجمہ کرتے وقت ''سنۃ وحق'' کا ترجمہ سنت نبوی کر دیا نہ جانے

کس دلیل سے کیونکہ سنت جب تک کسی کی طرف منسوب نہ ہو اس وقت تک اس کا معنی طریقہ مسلوکہ......ہی کہا جائے گا یعنی ایک راستہ (طریق) یہ بھی ہے۔ (میرے الفاظ ص ۱۶ مراسلہ نمبر ۱)

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ

مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ ''سنۃ'' کا لفظی معنی طریقہ مسلوکۃ ہے لیکن آپ یہ کیسے بھول رہے ہیں کہ یہاں پر سنت کا لفظ صحابی کی زبان سے نکل رہا ہے۔ اور صحابی کی زبان سے جب بھی ''سنۃ'' کا لفظ نکلے گا اس سے مراد سنت نبوی ہی ہوگا۔ (آپ کے الفاظ ص ۵۷، مراسلہ نمبر ۲)

جناب جب آپ یہ تسلیم فرما رہے ہیں کہ ''سنۃ'' کا لفظی معنی ''طریقہ مسلوکۃ'' ہی ہے تو پھر کیا مختلف حضرات کی زبان پر ایک ہی لفظ کے مختلف معانی مُراد لیے جائیں گے جب اس کا معنی ہی یہ ہے تو پھر اس کو صحابی بولے یا تابعی، معنی تو ایک ہی ہونا چاہیے۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ ''اور صحابی کی زبان سے جب بھی سنت کا لفظ نکلے گا اس سے مراد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوگی۔

جناب اگر آپ کے پاس وقت ہو تو ابن حزم کی الاحکام کا مطالعہ فرمائیں۔ اس نے کتنی احادیث لکھی ہیں کہ جن میں ''سنۃ'' کا لفظ صحابی کی زبان سے نکلا ہے لیکن بقول ابن حزم پوری امت کا اتفاق ہے کہ یہ سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور پھر ابن حزم نے تو آپ کی مؤید دلیل حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی احادیث میں ذکر کر کے بعد میں لکھا ہے کہ۔

وخصومنا فی هذا الموضع لا یقولون بشئی من هذا (جز ۲ ص ۷۳)

کہ ہمارے مخالفین اس مقام پر اس طرح کا کوئی قول نہیں کرتے۔

یعنی اس کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں کرتے کہ جنازہ میں سورۃ فاتحہ بالجہر پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دراصل اس وقت تک تو اس کو کوئی بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرار نہیں دیتا تھا لیکن آج کل کے بعض غیر مقلدین جن کو اصول حدیث کے علم کے ساتھ مَس بھی نہیں ہے۔ ایسا قول کرتے ہیں حالانکہ اب بھی کئی غیر مقلدین بالجہر کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سمجھتے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

❖ بلند آواز سے برائے تعلیم سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے ویسے سنت یہی ہے کہ قراۃ آہستہ پڑھی جائے جیسا کہ نسائی میں ہے۔

❖ بلند آواز سے سورۃ فاتحہ جب تعلیم کیلئے ہو تو جائز ہے۔ پھر اس کو فتنہ کہنا صحیح نہیں، ہاں اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں۔۔۔۔۔۔ (الاعتصام جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۱۹)

یعنی اس کو سنت سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ کہ جنازہ بالجہر پڑھا جائے۔ یہ غلط عمل ہے بقول الاعتصام کے اور پھر جناب یہ تو آپ بتائیں کہ آپکے نزدیک نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ بالجہر پڑھنا سنت ہے یا واجب؟ اگر واجب ہے تو اس کی آپ نے دلیل نہیں دی اور اگر آپ سنت کہیں تو اس پر اپنی کسی معتبر کتاب کا حوالہ پیش فرمائیں کہ ہمارے نزدیک واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور پھر آپ خود ہی اس کا سراً پڑھنا سنت قرار دے چکے ہیں اور اب جہر کو سنت کہہ رہے ہیں آخر ان میں صحیح قول کونسا ہے۔

مزید دیکھئے آپ ہی کے ایک اور ہم مسلک لکھتے ہیں۔

جنازہ میں باواز بلند قرات کی صراحت نہ تو صحیح مسلم اور نہ ہی حدیث کی کسی اور کتاب میں ملتی ہے بلکہ جنازہ میں سراً قرأت کرنا نص صریح سے ثابت ہے۔۔۔۔۔۔۔ بعض نے اونچی قرأت پر حدیث ابن عباس سے حجت لی ہے مگر اس سے حجت لینا درست نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فاتحہ کو تعلیم کی غرض سے باواز بلند پڑھا تھا نہ کہ اس اعتقاد سے کہ اس کا

جہراً پڑھنا مسنون ہے.......... اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فاتحہ کو جہراً تعلیم کی غرض سے پڑھا تھا اور دوسری یہ کہ اس کا نماز جنازہ میں جہراً پڑھنا مسنون نہیں ہے۔.........(صلوٰۃ الرسول ص ۴۸۳)

آگے مزید لکھتے ہیں۔لکھا ہے کہ

لہٰذا اگر کوئی نماز جنازہ میں قرأت اور دعائیں سراً پڑھتا ہے تو اس پر انکار نہیں کرنا چاہئے ۔ہاں قرات جہراً پڑھنے والے کو سنت طریقہ سے آگاہ ضرور کرنا چاہئے ... .اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سراً قرأت مسنون ہے ۔لہٰذا جہراً خلاف سنت ہے........(صلوۃ الرسول ص ۴۸۴، تحقیق عبدالرؤف غیر مقلد)

لہٰذا آپ کی نماز جنازہ کا ایک ستون تو اپنے حملوں سے مسمار ہو گیا اور ثابت ہوا کہ بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنے والے سنت پر عمل نہیں کرتے بلکہ بدعتی ہیں۔

اب رہ گیا مسئلہ بلند آواز سے درود و دعا کا تو آیئے اس پر بھی ذرا تھوڑی سی روشنی ڈال لیں ۔تو جناب حافظ صاحب یہ ہیں آپ کے ہی ہم مسلک محقق جناب عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو غیر مقلد یہ لکھتے ہیں۔

رہیں دعائیں تو ان کو باواز بلند پڑھنے پر حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ سے استدلال کیا جاتا ہے............ بظاہر اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دعا کو اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر یہ دعا اونچی آواز سے نہ پڑھی تھی تو عوف بن مالک نے سن کیسے لی.....

مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے کیونکہ مسند امام احمد ص ۲۲ ج ۴ میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں **ففھمت من صلوٰ تہ علیہ اللّٰھم اغفرلہ** ۔یعنی میں آپ کی نماز جنازہ سے یہ کلمات سمجھا۔

بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھیمی آواز سے یہ دعا پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ کے قریب کھڑے ہونگے لہٰذا انہوں نے یہ دعا سن لی...نماز جناہ کی دعاؤں کے بارے میں جو دوسری روایات ہیں ان سے بھی دعاوں کو جہراً پڑھنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے استدلال کی نوعیت ہے۔مگر ان احادیث کو سامنے رکھ کر حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دعاوں کو جہراً پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ استفتاح رکوع سجود اور...دونوں سجدوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں پڑھا کرتے تھے صحابہ نے انہیں بھی بیان کیا ہے تو ان دعاوں کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ انہیں بھی جہراً پڑھنا چاہئے؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اگر انہیں سراً پڑھنا ہوتا تو صحابہ نے یہ کیسے سن لیں اور بیان کردیں۔.......(صلوۃ الرسول ص ۴۸۴، ازعبدالرؤف غیر مقلد)

تو اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں دعائیں بھی بالسرّ پڑھنی ہی سنت ہیں، بالجہر نہیں۔اور جو بالجہر پڑھتے ہیں۔اور مقتدی ساتھ ساتھ صرف ''آمین آمین'' پکارتے ہیں یہ بھی خلافِ سنت و تحقیق ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

سوال :۔ کیا نماز جنازہ میں جب امام دعا پڑھ رہا ہو مقتدی پیچھے آمین بالجہر کرتے رہیں اور آمین بالجہر دعا کی جگہ کفایت کرسکتی ہے۔نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعاؤں میں آمین بالجہر مقتدیوں کیلئے کرنا کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثابت ہے۔

جواب :۔ نماز جنازہ میں نمازی اپنی جگہ دعا کرے صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں۔

(حافظ محمد گوندلوی، الاعتصام جلد ۲۰/شمارہ ۳۰)

ایک اور جگہ اسی قسم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جناب مذکور یوں کہتے ہیں۔

نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ وتابعین سے نہیں ملتا، بنابریں اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا..... (الاعتصام جلد ۲۱ شمارہ ۹)

ثابت ہوا کہ آجکل غیر مقلدین کا جنازہ تقریباً پورے کا پورا خلاف سنت ہے۔

اور پھر سورۃ فاتحہ سے پہلے جو آپ لوگ ثنا پڑھتے ہیں اس کا ثبوت بھی ابھی تک آپ کے ذمہ بھاری قرض ہے کہ اس کے پڑھنے کی کیا دلیل ہے

اس کے بعد آپ نے سنۃ کو مرفوع ثابت کرنے کیلئے صحیح بخاری سے ایک روایت یوں نقل فرمائی ہے۔

اس کی دلیل بخاری شریف سے لیجئے۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب سالم بن عبداللہ بن عمر نے حجاج بن یوسف کو یہ کہا۔

ان کنت ترید السنة جهر با لصلوٰة .

ترجمہ : اگر سنت نبوی کا ارادہ کرتے ہو تو نماز جلدی پڑھو۔ تو عبداللہ بن عمر نے کہا صدق (سالم سچ کہہ رہا ہے) تو اس واقعہ کے سلسلہ میں زہری کہتے ہیں۔...........
(آپکے الفاظ ص ۵۸)

آپ ثابت تو یہ کرنا چاہتے ہیں کہ جب صحابیؓ "السنۃ کذا" کہے تو اس سے مراد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو گی لیکن دلیل آپ دے رہے ہیں کہ "سالم" نے حجاج کو "السنۃ" کا لفظ بولا تو کیا۔ سالم صحابی ہو گئے ہیں۔ اور پھر یہ تو صرف امام شافعی کا قدیم مذہب تھا۔ جدید تو ان سے بھی دو قول مروی ہیں۔ جیسا حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ۔

وفی نقل الا تفاق نظر فعن الشافعی فی اصل المسئلة قولا ن

(شرح نخبہ ص ۹۶).

اوراس میں اتفاق نقل کرنا اس میں نظر ہے اور اصل مسئلہ میں امام شافعی کے دوقول ہیں اوراسی عبارت کے حاشیہ میں مولانا عبداللہ ٹونکی نے تحریر فرمایا۔کہ

ففی القدیم ان ذلک مرفو ع اذا صدر من الصحابی او التابعی ثم رجع عنہ وقال فی الحدیث لیس بمرفو ع .... (حاشیہ نخبۃ الفکر ص ۸۲، ازمولانا عبداللہ ٹونکی)

اورامام شافعی کے قدیم قول میں تھا کہ جب صحابی یا تابعی سے اسطرح (کذاالسنۃ) کے الفاظ ہوں تو وہ مرفوع ہوگی لیکن بعد میں امام شافعی ۔نے اس قول سے رجوع فرمالیا اورکہا کہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔

اورپھر یہاں آپ نے ''سالم'' کا قول نقل کیا جو کہ دراصل ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں ابن حزم نے بخاری سے ایک حدیث نقل فرمائی۔جس میں اس طرح کے الفاظ تھے۔ملاحظہ فرمائیں۔

.... عن الزھر ی اخبرنی سا لم بن عبد اللّٰہ قال کا ن ابن عمر یقول : الیس حسبکم سنۃ نبیکم صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان حبس احدکم عن الحج طا ف با لبیت و بالصفا والمروۃ ثم حل من کل شی حتی یحج عاما قابلا فیھدی اویصوم ان لم یجد ھدیا .

یہ حدیث نقل کی اس میں ''سنۃ'' کے الفاظ ہیں بلکہ ایک طرق میں ''سنۃ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم'' کے بھی واضح الفاظ ہیں لیکن اس کے باوجود ابن حزم نے لکھا۔

ولا خلاف بین احدمن الامۃ کلھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذصدعن البیت لم یطف بہ ولا با لصفا والمروۃ بل احل حیث کان

بالحديبية ولا مزيد وهذا الذي ذكره ابن عمر لم يقطع قط لرسول الله صلى الله عليه وسلم ..... (الاحکام فی اصول الاحکام ص۷۲ ج۲)

اب جناب حافظ صاحب دیکھیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جس کام کو سنت فرمارہے ہیں بقول ابن حزم غیر مقلد پوری امت میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع نہیں ہوا تو یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہوسکتی ہے وہ تو ابہام ہے۔ صرف سنۃ کی یہاں تو سنۃ نبیکم کے بھی الفاظ ہیں جب اتنی صراحت والے الفاظ ثابت ہیں تو جہاں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہی نہیں کررہے وہاں قطعی حکم کیسے لگ سکتا ہے۔

اگر اس جیسی مزید مثالیں دیکھنے کا شوق ہو تو ''الاحکام فی الاصول الاحکام'' للابن حزم میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا اعتراض

اس روایت کے بارے میں دوسری بات میں نے یہ عرض کی تھی یہ روایت ''مضطرب'' ہے کیونکہ کہیں سورۃ کا ذکر ہے اور کہیں نہیں اور کہیں جہر کا ذکر اور کہیں نہیں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

کیا ایک روایت میں ایک لفظ کا ہونا اور دوسری میں نہ ہونا اضطراب ہے؟ کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ حضرت اضطراب کیلئے یہ لازمی شرط ہے کہ دونوں روایتوں میں ایسا اختلاف ہو کہ ان کے درمیان ترجیح نہ ہوسکے اور یہاں اختلاف ہے ہی نہیں کیونکہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔...... (آپ کے الفاظ ص۵۸)

جناب عالی! چلو ہم نے فرض کیا کہ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ ترجیح ہوسکے یہ صحیح ہے تو

جناب عالی آپ ان دونوں روایتوں میں ترجیح تو دیں کہ کس حدیث کو کس وجہ سے ترجیح دیتے ہیں ہمیں بھی پتہ چلے جب آپ حدیث بخاری پر عمل کریں گے تو حدیث نسائی پر عمل نہیں ہو سکے گا اور اگر حدیث نسائی پر عمل کریں گے تو حدیث بخاری پر عمل نہیں ہو سکے گا آپ پہلے ایک طرف کو ترجیح دیں۔ تا کہ ہمیں پتہ چل سکے کہ آپ کے نزدیک راجح حدیث کونسی ہے۔

اور جہاں تک زیادۃ ثقہ کی بات ہے تو اس سلسلہ میں میں تفصیل سے پیچھے عرض کر آیا ہوں۔ کہ یہ مسئلہ آپ کے بزرگوں کے نزدیک ایسا نہیں ہے جیسا کہ آپ بار بار بیان کر رہے ہیں۔ ثقہ کے بارے میں ''النکت علی ابن الصلاح'' ابن حجر اور فتح المغیث للسخاوی کا مطالعہ آپ کیلئے مفید ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ

اور پھر میں نے عرض کیا تھا۔ کہ

اور سنن الکبریٰ میں امام بیہقی نے فرمایا ''ذکر السورۃ غیر محفوظ'' یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ذکر غیر محفوظ ہے (یعنی صحیح نہیں ہے) (میرے الفاظ ص ۱۶)

اس کے جواب میں آپ نے شائد زندگی میں پہلی بار بڑی دل لگتی بات لکھی ہے۔ کاش اسی طرح آپ تمام مسائل میں صحیح بات اور حقیقت کو تسلیم کرتے جائیں تو تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

چلو مان لیا ہم نے کہ ''سورۃ'' کا ذکر غیر محفوظ ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۵۹)

الحمد للہ ! کہ بقول ''کفر ٹوٹا خدا کر کے''۔ کے مطابق بڑی مشکل سے آپ یہ تو تسلیم فرما گئے کہ آپ نے جو روایت نسائی سے پیش فرمائی تھی اس میں کچھ الفاظ غیر محفوظ بھی ہیں۔ لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ ماننے کے باوجود کہ یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں ان پر آپ لوگوں کا عمل کیوں ہے۔ اور یہ حدیث کیا ابھی تک آپکے لئے قابل استدلال ہے؟ اللہ کے فضل و کرم سے آپ نے یہ تو تسلیم فرمالیا ہے کہ جس طرح آجکل غیر مقلدین نماز جنازہ پڑھتے ہیں یعنی

سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ ملا کر یہ خلاف سنت ہے یعنی بقول غیر مقلدین بدعت ہے اور بقول غیر مقلدین چونکہ ہر بدعت ضلالت وگمراہی ہوتی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہوتی ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ بقول آپ کے جو نماز جنازہ میں بدعت کا مرتکب ہوتا ہے۔(آجکل کے تمام غیر مقلدین الا ماشاءاللہ) وہ قطعی آپ کے نزدیک جہنمی ٹھہرے

جناب عالی! اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ جس طرح آجکل غیر مقلدین جنازہ پڑھتے ہیں۔اس طرح صراحت کے ساتھ صحیح حدیث سے اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہے۔(فمن الدعی فعلیہ البیان) اور ساتھ ہی آپکا یہ فرمانا کہ۔

فاتحہ کا ذکر تو محفوظ ہے۔

فاتحہ کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے عمل سے محفوظ ہے لیکن اس کو مرفوع کہنا سینہ زوری اور تحکم کے سوا کچھ نہیں اگر ہے تو بیان فرمائیں۔

اور پھر صرف فاتحہ کا ذکر آپ کو مفید نہیں ہے کیونکہ آپ لوگ سورۃ فاتحہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں اور شرائط میں یہ چیز درج تھی کہ فاتحہ بمع سورۃ لہٰذا آپ سورۃ کو غیر محفوظ مان چکے اب آپ اس روایت سے بھی اپنا مذہب ثابت نہیں کر سکتے۔

اور پھر آپکا یہ لکھنا۔

جہر تو پھر بھی ثابت ہو رہا ہے۔

یہ بالکل غلط ہے کیونکہ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ جہر تو صرف اس لئے کہا گیا کہ لوگوں کو معلوم ہو سکے اور پھر آپ خاص کر ''جہر'' کے بارے میں حدیث سے فیصلہ دے چکے کہ: ابو امامہ بن سہل کی روایت۔

" السنة في الصلو ة على الجنازة ان يقراء في التكبيرة الا ولىٰ بامر القرآن مخافتة "

ترجمہ : نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ کو پڑھنا پڑھا جائے مخفی طور پر ۔ (آپ کے الفاظ ص ۵۵ مراسلہ ا)

اب بتائیں جناب عالی ۔ کہ جہر ثابت ہو رہا ہے ۔ یا ''سر'' ثابت ہو رہا ہے ۔ بلند آواز سے پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا پھر مخفی پڑھنا سنت ہے ۔ کیونکہ دونوں طریقوں کو بقول آپ کے صحابی ''سنت'' فرمار ہے ہیں اور آپ کے کہنے کے مطابق کہ جب صحابی ''سنۃ'' کہے تو پھر وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے اور روایت بھی مرفوع ہوتی ہے تو جناب اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان دونوں روایتوں میں راجح کونسی روایت ہے اور مرجوع کونسی ؟

اور آپ کس پر عمل کریں گے؟

اب اس سلسلہ میں ایک حدیث اور بھی سن لیں کہ جس میں یہی لفظ ''السنۃ'' واقع ہے اور اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔

علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں ۔

عن ابی اما مة بن سهل بن حنيف انه اخبره رجا ل من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان السنة فى الصلو ة على الجنا زة ان يكبر الامام، ثم يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم ويخلص الدعاء فى التكبير ات الثلا ث .ثم يسلم تسليما خفيا . و السنة ان يفعل من ورا ء ه مثل ما فعل امامه ....

(التلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی ص ۱۲۰ ج ۲، مستدرک ص ۳۶۰ ج ۱)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر درود پڑھے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور پھر خلوص سے دعا کرے بقیہ تین تکبیرات میں پھر خفیہ طور پر سلام پھیرے اور سنت یہ ہے جیسے امام کرے مقتدی بھی ویسے ہی کریں۔

اب دیکھیں جناب یہ تین روایات ہیں جن میں لفظ ''السنۃ'' مروی ہے اور ہیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور تینوں ایک دوسرے کے خلاف بھی ہیں آپ ان میں تطبیق دے دیں کیا سورۃ فاتحہ پڑھنا ''سنت'' ہے اور کیا اس کے ساتھ سورۃ ملانا سنت ہے اور پھر کیا ان کو جہر سے پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا ''سر'' پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا پھر مطلقاً سورۃ فاتحہ نہ سراً نہ جہراً پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے احادیث دو آپ نے بیان فرمائیں اور ایک میں نے، اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں لیکن ''انصاف'' شرط ہے۔

اور پھر ایک اور حدیث سنئے جس کے الفاظ پر یقیناً آپ مرفوع ہونے پر انکار نہیں فرما سکیں گے۔

وروی احمد من طریق ابی الزبیر ،عن جابر سا اتاح لنا فی دعاء الجنازۃ رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولا ابو بکر ولا عمر ،وفسر اتاح بمعنی قدر ،والذی وقفت علیہ با ح ای جھر (تلخیص الجبیر ص ۱۲۲)

اور امام احمد نے ابو زبیر کے طریق سے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے لئے اللہ کے نبی اور ابو بکر صدیق اور عمر فاروق نے نماز جنازہ میں کوئی دعا ضروری (جہراً) نہیں فرمائی [اور اتاح بھی ضروری یا مقید طور پر فا'' میں ہے اور جس پر میں واقف ہوا ہوں یہاں لفظ اباح ہے یعنی بلند آواز سے (ابن حجر)]

یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں یہ نہیں فرمایا کہ دعائیں بلند آواز سے پڑھی جائیں اور کچھ حوالے پچھلے صفحات میں اس سلسلہ کے گذر چکے ہیں۔

علامہ شوکانی غیر مقلد نے لکھا ہے۔

"ذهب الجمهور الی انه لا یستحب الجهر فی صلوٰۃ الجنازۃ۔"

(نیل الاوطار ج ۴ ص ۶۱)

اور جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ جنازہ میں جہر مستحب بھی نہیں ہے۔

تو ثابت ہوا کہ آپ کا کہنا کہ ''جہر تو پھر بھی ثابت ہو رہا ہے ایک دیوانے کی بڑ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور آپ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکے اور نہ ہی قیامت تک مذکورہ شرائط کے مطابق آپ ثابت کر سکیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سند پر کلام

اس روایت سے ایک راوی ''ابراہیم بن سعد'' پر بعض محدثین سے کلام واقع ہوا ہے۔ اور وہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں جیسا کہ میں نے پچھلے مراسلہ میں عرض کیا تھا کہ اس راوی کو امام یحییٰ بن سعید القطان نے لین الحدیث کہا ہے۔ (کما فی معرفۃ الرادۃ ص ۵۵ للذہبی)

اور دوسرا راوی اس راوی کا باپ یعنی سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ہے جس کے بارے علامہ عراقی نے نقل فرمایا ہے کہ امام مالک نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (کذا فی میزان الاعتدال ص ۱۹۸)

یعنی اس روایت میں دو راوی متکلم فیہ ہیں اور ان دونوں کے بارے میں میں نے اپنے مراسلہ میں لکھ دیا تھا لیکن آپ فرما رہے ہیں کہ

اس حدیث کی سند میں صرف ایک راوی ابراہیم بن سعد پر آپ نے اعتراض کیا ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۵۹)

جناب اس کے ایک راوی پر نہیں بلکہ دو راویوں پر جرح ثابت ہے اور بعض محدثین

کے نزدیک مطلقاً جرح تعدیل پر مقدم ہوگی وہ جرح مفسر ہو یا غیر مفسر جیسا کہ اس کے کچھ حوالے پیچھے گزر چکے ہیں۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہ

اس کے تحت میں نے پچھلے صفحات میں مختصر مگر سیر حاصل بحث کردی ہے کہ جب صحابی ''من السنۃ'' کہے تو اس سے مرفوع مراد نہیں ہوتا ہاں بعض کے نزدیک وہ روایت حکمی طور پر مرفوع ہوگی لیکن ہماری بحث ''صریح مرفوع'' میں ہے اور جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو آپ نے اقعاء فی الصلوٰۃ کو بھی سنت کہا ہے جب کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عن الاقعاء فی الصلوۃ ..... (سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۰ و حاکم فی المستدرک ج ۱ ص ۲۷۲)

کہ نبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اقعاء سے منع فرمایا ہے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی الاقعاء والتورک فی الصلوٰۃ ...

(بیہقی فی السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۰ و احمد فی مسندہ ج ۳ ص ۲۳۳)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا۔

تو اسی لئے میں نے عرض کیا تھا۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنے معمولات کو بھی سنۃ فرماتے ہیں۔ اس لئے یہاں بھی ہوسکتا ہے کہ کہ ایسا ہو یا پھر آپ کسی بھی صحابی سے اسے مرفوع صریح بیان کریں تا کہ اختلاف ختم ہوسکے۔

اور اسی لئے میں نے جامع الصغیر سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مبارک

نقل کیا تھا۔ کہ

السنة سنتان من نبی و من امام عادل .... (جامع الصغیر ج ۲ ص ۱۷ برقم ۴۸۲۹۔ ودیلمی فی فردوس الاخبار ج ۲ ص ۴۹۰ برقم ۳۳۷۷)

یعنی سنت دو قسم کی ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور امام عادل کی سنت۔

جن پر آپ نے فرمایا۔ کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے اس قول کی سند پیش نہیں کی۔

جناب عالی میں نے کتاب کا حوالہ دے دیا آپ خود اسکی سند تلاش کر سکتے تھے۔ ہم سے تو مطالبہ سند کا اور آپ حدیث پیش فرماتے ہیں اور اس کا حوالہ بھی نہیں دیتے یہ کیسا انصاف ہے۔ حدیث ابوامامہ بن سہل بن سعد کا آپ نے کونسا حوالہ دیا ہے۔ مجھے تو تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ۔

بلاسند کوئی قول نہ لکھا کریں۔

اور خود حدیث شریف بلاسند پیش فرمائی جارہی ہے بلکہ بلاحوالہ پیش فرمائی جارہی ہے۔

''گر ایں گناہ است درشہر شما نیز کنند''۔ اور آپ نے مزید فرمایا۔

اگر ابن عباس رضی اللہ وعنہ سے یہ قول ثابت ہو جائے تو آپ کو اس سے تائید پھر بھی نہیں ملے گی۔ کیونکہ سالم بن عبداللہ کے قول سے ثابت ہو چکا کہ صحابہ مطلق سنت سے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد لیتے ہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۶۱)

جناب عالی! یہ میں ثابت کر آیا ہوں۔ کہ یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے۔ اور پھر مسئلہ جنازہ میں، میں تین مختلف احادیث کی طرف اشارہ کر آیا ہوں کہ تینوں میں یہ لفظ صحابہ سے ثابت ہیں لیکن تینوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور واقعی اسی لفظ سے سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہوتی تو پھر ایسا اختلاف نہ ہونا چاہیے تھا۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے تو اس میں دو سنتوں کا ذکر ہے۔۔(۱) نبی کی سنت (۲) امام عادل کی سنت۔ اب نماز جنازہ کا جہراً پڑھنا یہ شرعی مسئلہ ہے دنیاوی مسئلہ نہیں ہے اور شرعی مسئلہ میں صحابہ کرام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چلتی تھی کسی امام کی نہیں کیونکہ سب صحابہ غیر مقلد تھے (یہ آپ بھی مانتے ہیں) اور تقلید چوتھی صدی ھجری میں شروع ہوئی۔ لہٰذا یہ لائق ہی نہیں کہ وہ شرعی مسئلہ میں کسی امام کی بات کو مانیں............

(آپ کے الفاظ ص ٦١)

جہاں تک آپ کی اس عبارت کا تعلق ہے تو اس سے سراسر جہالت ٹپک رہی ہے۔ آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ صحابہ کے نزدیک امام عادل کون لوگ تھے اور شرعی مسائل میں ان کی پیروی صحابہ کرتے تھے یا کہ نہیں اور ان کے عمل وحکم کو بھی سنت ہی کہتے تھے یا کہ نہیں تو جناب عالی صحابہ کرام کے امام عادل تھے۔ سیدنا صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔ جن کے بارے میں اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

علیکم بسنتی وسنة خلفاء الراشدین ......

کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت ضروری ہے۔

(احمد ص ۱۲۶ ج ۴، ترمذی ص ۹۲ ج ۲۔ ابوداؤد ص ۲۷۹ ج ۲، ابن ماجہ ص ۵۔ ابن حبان ص ۱۶۵ ج ۱، مستدرک امام حاکم ص ۹۵، ۹۷ ج ۱ وغیرہ)

تو کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ان کی سنت کو میرے بعد دنیاوی کام میں لانا دینی کام میں ان کی بات نہ ماننا؟

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابو بکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنة (مسلم شریف ج ۲ ص ۷۲، ابوداؤد، طیالسی ص ۱۳، ودارمی فی السنن ج ۲

ص ۲۳۰ برقم ۲۳۱۲ وابوداؤد فی السنن برقم ۴۴۸۰)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے اور ابوبکر صدیق نے چالیس اور عمر فاروق نے اسی یہ سب سنت ہیں۔

اب بتائیں جناب حافظ صاحب حدود قائم کرنا یہ شرعی مسئلہ ہے یا کہ نہیں اور دو مختلف اقوال کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سنۃ فرمانا امام عادل کی سنت کو شرعی سمجھ کر فرمایا ہے کہ دنیاوی اور پھر میرے بھائی صحابہ رضی اللہ عنہم مجتہد ہیں آپ کی طرح نہیں۔ کہ غیر مجتہد ہو کر بھی غیر مقلد ہوں۔ آپ دو، دو ٹکے کے مولویوں کے مقلد ہیں۔ اگر آپ خود مجتہد ہیں تو پھر ایسی احادیث سے استدلال کا کیا کہنا جن کو صریح مرفوع بھی نہ کر سکیں اور ہر مسئلہ میں اصول محدثین وآراء محدثین سے استدلال کا کیا مطلب خود اجتہاد فرمائیں۔

شریعت میں اگر وہ صرف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو ہی سنت کہتے ہیں تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل فاروق اعظم وصدیق اکبر رضی اللہ عنہما کو سنت کیوں کہا۔ کیا انہوں نے نالائق بات کہی ہے۔ کیوں کہ آپ تو فرماتے ہیں کہ

لہٰذا صحابی کیلئے یہ لائق ہی نہیں کہ وہ شرعی مسئلہ میں کسی امام کی بات کو مانے۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ ادب آپ سکھائیں گے کہ ان کیلئے کیا لائق ہے اور کیا نہیں؟ یہ تو آپ نے بڑی جسارت کی ہے۔

کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ صحابہ کا پورا ماہ رمضان تراویح پر مداومت اور باجماعت شرعی مسئلہ تھا کہ دنیاوی۔

تو اس مسئلہ میں صحابہ نے امام عادل کی سنت پر عمل کیا یا کہ نہیں؟ اور کیا یہ سب ان کے لائق تھا یا کہ نہیں.

جمعہ کیلئے دو اذانیں دینا سنت ہے یا کہ بدعت۔ اگر بدعت ہے تو اس کا مخترع

کون ہے۔اور اگر سنت ہے تو کیا سنت امام عادل ہے یا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے خدارا اصحابہ رضی اللہ عنہم کی ذوات مقدسہ پر ایسے الزام لگانے سے پرہیز ہی کریں تو بہتر ہے اور پھر آپ کا یہ کہنا کہ۔

تو ابن عباس اس حدیث میں ''سنۃ'' کہنے سے سنت نبوی ہی مراد ہے۔سنت امام مراد نہیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۶۱)

جناب عالی! اگر یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے تو آپ صحیح صریح مرفوع حدیث سے اس کو ثابت کیوں نہیں فرماتے۔کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر صرف ایک ہی جنازہ پڑھایا اور وہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اکیلے ہی سنا۔کسی اور صحابی نے اللہ کے نبی سے یہ نہیں سنا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ بالجہر پڑھی تھی۔آپ مہمل باتیں کیوں کرتے ہیں صریح احادیث پیش کیوں نہیں کرتے۔

حرف آخر

(۱) یہ حدیث شریف صحیح صریح مرفوع نہیں ہے۔

(۲) اس سے جہر ہرگز سنت ثابت نہیں ہو رہا۔

(۳) اس میں فاتحہ کے بعد سورہ کا ذکر غیر محفوظ ہے (جس کو آپ تسلیم فرما چکے ہیں)

(۴) اس میں سورۃ فاتحہ کے وقت کی تعین نہیں ہے کہ کس تکبیر کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔

(۵) آپ نے اپنی نماز جنازہ کی ترتیب مذکورہ شرائط کے مطابق ثابت نہیں کی۔حالانکہ یہ شرائط میں داخل تھا۔

(۶) اور پھر بقول آپ کے حدیث کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

صلیت خلف ابن عباس علی جنازہ فقرأ بفاتحة الکتاب ......

اور آپ خود ہی یہ فرما چکے ہیں۔اس سے پہلے ایک اور موقع پر کہ

لیجئے۔اس حدیث میں ''فا'' آ گئی ہے جو کہ تعقیب وتراخی کا تقاضا کرتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا ''انصراف'' نماز ختم کرنے کے بعد ہوتا تھا۔(آپ کے الفاظ ص۳٦ مراسلہ نمبر۲)

کیوں جی جناب حافظ صاحب !اب آپ اپنی مویدہ روایت کو دیکھیں تو کیا اس میں ''فقرأ بفاتحة الکتاب''نہیں ہے یہاں قراۃ پر ''فا'' نہیں ہے اور کیا یہاں یہ ''فا'' تعقیت وتراخی کا تقاضا کرتی ہے۔اگر نہیں کرتی تو کیوں اور اگر کرتی ہے تو پھر مسئلہ آسان ہو گیا۔کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ ختم کرنے کے بعد بطور ایصال ثواب سورۃ فاتحہ پڑھی ہوگی اور فرمایا ہوگا کہ یہ سنت ہے۔اور اس طرح تمام احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور اختلاف بھی مٹ جاتا ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز.....بقصد تبرک خواندہ باشد چنانچہ الآن متعارف است ۔ (اشعۃ اللمعات ص٦٨٦ ج۱)

چنانچہ احتمال ہے کہ آپ نے نماز جنازہ کے بعد جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ آج بھی رواج ہے....

تو عین ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کے بعد برائے ایصال ثواب سورۃ فاتحہ پڑھی ہو اور اسی کو ''سنة'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہو۔اور حرف ''فا'' اس پر واضح دلالت کرتا ہے اور یہ قانون آپ کا اپنا بنایا ہوا ہے۔جیسا کہ اوپر گزرا۔

ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا:

سابقہ مسائل میں تو آپ نے کچھ رطب و یابس پیش کیا اگر چہ وہ شرائط کے مطابق نہیں تھا لیکن اس مسئلہ میں آپ کے مذہب کی بے بسی قابل رحم ہے۔ اور یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح عیاں وواضح ہوگئی ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلہ میں کوئی بھی مرفوع صحیح روایت نہیں ہے۔ سابقہ مسائل میں اگر چہ آپ کی پیش کردہ روایات صحیح صریح مرفوع نہیں تھیں لیکن کم ازکم مسائل میں تو صریح تھیں۔ یعنی دلائل میں مسائل کا ذکر تو تھا سوائے قنوت کے وقت ہاتھ اٹھانے کے مسئلہ میں کہ وہاں بھی آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا اور یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔

اس مسئلہ پر آپ نے دلائل دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ

نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کی دو دلیلیں ہیں ایک عام دلیل ہے اور ایک خاص ہے۔ عام دلیل سنئے۔

قال الامام احمد حدثنا ابی عبد اللّٰہ[1] ثنا وکیع ثنا شعبة عن عمرو بن سمرة عن ابی البختری عن عبد الرحمن بن الیحصبی عن وائل بن حجر الحضرمی قال رائت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرفع یدیہ مع التکبیر.....(مسند احمد ص ۳۱۶ ج ۴)

ترجمہ: وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اللہ اکبر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔......

اب اس حدیث میں لفظ "التکبیر" عام ہے چاہے وہ نماز جنازہ کا اللہ اکبر ہو یا فرض نماز کا۔...... (آپ کے الفاظ ص ۸ مراسلہ نمبر ۱)

---

[1] مراسلہ میں یوں ہی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ نے میری اصولی بات کا جواب نہیں دیا اور بات کو مزید الجھا کر آپ نے بات ٹالنے کی ناکام کوشش کی ہے میں نے عرض کیا تھا کہ

اس حدیث میں جب لفظ ''التکبیر'' عام ہے۔تو پھر اس کو فرض نماز یا نماز جنازہ کی تکبیر کے ساتھ کیوں خاص کیا جا رہا ہے آپ کے کہنے کے مطابق تو جب بھی اللہ اکبر کہے چاہے نماز ہو یا نہ تو رفع یدین کرنا چاہئے جو کہ آپ نہیں کرتے .... (میرے الفاظ ص ۱۷ مراسلہ نمبر ۱)

آپ نے اس کا جواب دیا اور کیا خوب جواب دیا کہ

جناب اس اعتراض کا جواب تو آپ نے خود ہی دے دیا جب آپ نے لفظ ''التکبیر'' کی نام نہاد تخصیص ذکر کی ہے تو اس میں آپ نے واضح طور پر تمام احادیثوں میں نماز کا ذکر کر دیا لہذا جب غیر نماز کو تو آپ نے خود ہی خارج کر دیا تو اس اعتراض کے کیا معنی؟...... (آپ کے الفاظ ص ٦٢ مراسلہ نمبر ٢)

سبحان اللہ ! یہ ہوئی نہ بات جناب حافظ صاب اعتراض آپ کی عبارت پر تھا کہ یہ التکبیر عام نہیں ہے۔جس کو آپ غلط فہمی سے سمجھ رہے ہیں یا پھر جان بوجھ کر اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔جب آپ عام سمجھتے ہیں تو پھر تو مذکورہ بالا اعتراض بنے گا اور آپکو اس کا جواب دینا ہوگا جو کہ ناممکن ہے اور آپ نے جب میری بیان کردہ تخصیص کو (نام نہاد تخصیص) فرمایا ہے تو پھر تو آپ مذکورہ بالا اعتراض کا جواب دیں اور اگر آپ میری تخصیص کو مانتے ہیں تو پھر آپ اس حدیث سے جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین کا استدلال نہیں فرما سکتے اور اگر میری تخصیص نہیں مانتے جیسا کہ آپ کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے تو پھر میرے اعتراض کا جواب دیں کہ جب لفظ ''التکبیر عام'' ہے تو پھر اس کو نماز کے ساتھ خاص کس دلیل سے کیا جا رہا ہے۔

اور پھر میں نے عرض کیا تھا کہ

اور اگر بقول آپ کے اس "التکبیر" کو نماز کے ساتھ خاص کر ہی دیا گیا ہے (جو کہ آپ کے نزدیک بلا دلیل اور نام نہاد ہے) تو پھر آپ سجدوں میں رفع الیدین کیوں نہیں کرتے۔ (میرے الفاظ ص ۱۷)

جس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

تو جناب اس لفظ "التکبیر" سے سجدوں کی تخصیص ہو چکی ہے اس کی دلیل کیا ہے سنیے صحیح بخاری.......... (آپ کے الفاظ ص ۶۲)

جناب عالی! اب آپ کو تخصیص نظر آ گئی اور وہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی موید ہ حدیث سے تخصیص فرمائیں۔ آپ کی موید ہ روایت میں تو اس کی تخصیص ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ اور جہاں تک سجدوں میں رفع الیدین کا معاملہ ہے تو وہ صحیح سندوں سے ثابت ہو چکا ہے اور بہت سارے صحابہ اس کے عامل رہ چکے ہیں اگر اس حدیث سے سجدوں کی تخصیص ہو سکتی ہے تو پھر دوسری اسی جیسی حدیث سے رکوع کی تخصیص بھی ہو سکتی ہے۔

لیکن چونکہ اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے اگر اس طرف دلائل دینے شروع کر دیئے تو ہم مقصد سے دور چلے جائیں گے اور پھر آپ نے فرمایا کہ

اور آپ اس "التکبیر" سے نماز جنازہ کی تکبیرات کی تخصیص کرتے ہیں لہذا آپ کا فرض ہے کہ اس کی دلیل پیش کریں۔ (آپ کے الفاظ ص ۶۳)

جناب عالی! میں نے تو تخصیص پیش کر دی اگر آپ کو نظر نہ آئے تو اس میں میرا کیا قصور ہے کسی حدیث کے ایک طریق کو دیکھ کر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جب کہ اس کے تمام طرق نہ دیکھ لئے جائیں یہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے اور اس حدیث کے جب تمام طرق دیکھے جیسا کہ پچھلا مراسلہ میں گزرا تو اس میں تکبیر کی تخصیص واضح ہو گئی۔

آپ نے پھر فرمایا۔

جناب عالی! ان سے تخصیص کیسے ثابت ہوئی۔ یہ سب تو میرے عموم کے ''موارد'' ہیں۔ میں کوئی ان سے اختلاف کرتا ہوں میں سب کو مانتا ہوں۔........

جناب یہ تخصیص نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا میری پیش کردہ احادیث جو کہ دراصل آپ کی ہی پیش کردہ روایت کے مختلف طرق ہیں ان میں رکوع وسجود، اونچ، نیچ ہے یا کہ نہیں تو کیا نماز . نازہ میں بھی رکوع وسجود ہے۔ جناب جب اس رفع کو رکوع وسجود کے ساتھ بیان کیا ہے تو جس نماز میں رکوع وسجود نہیں ہیں ان میں یہ رفع یدین بھی نہیں ہوگی اور رکوع وسجود کا ہونا ہی تخصیص ہے۔ کاش آپ اس کو سمجھ سکیں لیکن بُرا ہو ہٹ دھرمی کا کہ یہ حق کو قبول کرنے میں ہمیشہ آڑے آتی ہے۔

آپ نے یہ جو چار پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ مجھے بتایئے کہ یہ احادیث صحیح ہیں تو آپ کا ان پر عمل کیوں نہیں.......... (آپ کے الفاظ ص ۶۳)

جناب عالی! جواب دینے سے پہلے میں یہی سوال آپ پر دھراتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا یہ صرف آپ کی ہی پیش کردہ حدیث کے مختلف طرق تھے۔ آپ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے یا کہ نہیں اگر نہیں تو آپ نے اسکو بطور دلیل پیش کیوں کیا اور اگر صحیح ہے تو پھر تمام طرق جو کہ صحت وضعف میں ایک جیسے ہی ہیں ان پر عمل کیوں نہیں۔ کہ صرف "التکبیر" کو عام سمجھ کر پکڑ لینا۔ سجود کو جو کہ اسی سند اسی روایت میں مروی ہوا اس کو ترک کر دینا۔ اگر یہودیوں کا کام ہے تو پھر آپ کون ہوئے۔

اور پھر میں نے اس حدیث کے کونسے ٹکڑے کو مانا ہے۔ اور کس ٹکڑے کو چھوڑا ہے واضح کریں۔ ہاں البتہ آپ سے ایسا ضرور سرزد ہوا ہے کہ آپ نے صرف "التکبیر" کو لے لیا اور اسی روایت میں سے سجود والے رفع یدین کو چھوڑ دیا اب سوچیں کہ آپ کی اس عبارت کا

کون مصداق حقیقی بن سکتا ہے۔میں یا آپ۔کیونکہ میں نے تو اس روایت کے کسی بھی ٹکڑے کونہیں مانا میرے نزدیک تو یہ روایت ہے ہی سرے سے ناقابل عمل جیسا کہ آگے بیان ہوگا لیکن آپ نے ایک طرق کو مان لیا دوسرے کونہیں مانا اب آپ بتائیں کہ اس کا مصداق کون ہے کیونکہ آپ نے خود ہی لکھا ہے کہ

یہ کیابات ہوئی کہ حدیث کا ایک ٹکڑا مان لیااور دوسرے کوچھوڑ دیا۔

مولانا۔یہ تو یہودیوں کا کام تھا مسلمانوں کانہیں ....قرآن نے ان کا عمل ذکر کرتے ہوئے فرمایا.......... (آپ کے الفاظ ص ۶۳)

تو کیوں جی حافظ صاحب یہ تو میں بھی مانتا ہوں کہ یہ یہودیوں کا کام ہے لیکن یہ سرزد کس سے ہوا شاید آپ کوغلط فہمی ہوگئی کہ میں نے یہ تمام طرق بطور اپنی دلیل پیش کئے لیکن ان پرعمل نہیں کرتا تو جناب عالی جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس حدیث کے کسی بھی ٹکڑے پرعمل نہیں کرتا ایک کونسا ٹکڑا ہے جس پر میرا عمل ہے؟اور پیش اس لئے کیں کہ آپ نے علمی طور پر بدنیتی کا ثبوت پیش کیا تھا کہ ایک سند کے الفاظ صرف ایک کتاب سے نقل کر کے اپنا باطل مسلک ثابت کرنا چاہا میں نے تو صرف اس کے طرق بیان کرکے آپ کی راہنمائی کی ہے۔جہاں تک میری بات ہے تو میرے نزدیک جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے ہی نہیں پچھلے مراسلہ میں میں نے اس حدیث کی فنی حیثیت پر اس لئے بحث نہیں کی تھی کیونکہ یہ غیر متعلق ہے اور شرائط کے مطابق نہیں ہے۔لیکن اب جبکہ آپ غلط ضد پر اَڑ گئے ہیں تو پھر سنیے۔

اس حدیث کی فنی حیثیت

آپ نے اس حدیث کی سند اس طرح نقل فرمائی ہے۔

قال الاما احمد حدثنا ابی عبد اللّٰہ حدثنا عبد اللّٰہ حدثنا ابی ثنا وکیع تنا شعبه عن عمر وبن مره عن ابی البختری عن عبد الرحمٰن بن الیحصبی عن وائل بن حجر الحضرمی قال رایت .... (آپ کے الفاظ ص ۸ مراسلہ نمبر ۱)

اس سند میں ایک راوی ہے ''ابوالبختری'' جو کہ اگرچہ ثقہ ہے لیکن زبردست قسم کا مدلس راوی ہے اور مدلس راوی جب لفظ عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ روایت نا قابل قبول ہوتی ہے یعنی مردود ہوتی ہے۔ اور یہ روایت بھی یہ راوی ''عن'' کے ساتھ روایت کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں اور آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ملاحظہ ہو جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۲۲۲۔۲۲۳...... (ارشد مسعود عفی عنہ)

امام نووی فرماتے ہیں۔

قالت طا ئفة من اهل الحديث والاصول ان المدلس لا يحتج بروايته وان بين السماع .... والصحيح الذى عليه الجمهور اذابين السماع احتج به ....(المجموع شرح المہذب ص ۱۵۷، ۱۶۱ ج ۲)

محدثین اور اہل اصول کی ایک جماعت نے کہا کہ مدلس راوی کی روایت سے احتجاج نہیں کیا جائے گا....... اور صحیح بات یہ ہے جس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے اگر مدلس سماع کی تصریح کر دے تو حجت ہے (یعنی حدثنا واخبرنا وسمعت کے لفظ بولے)

آپ مزید فرماتے ہیں۔

محمد بن اسحاق ...يحتج به عند الجمهور اذا قال : اخبرنى : او ؛ حدثنى : او سمعت ولا يحتج به اذا قال "عن" لانه منسوب الى التدليس .... (شرح المہذب ص ۵۴۷ ج ۴)

محمد بن اسحاق جب اخبرنی حدثنی یا سمعت کے لفظ بولے تو اکثر کے نزدیک قابل

حجت ہے۔اور جب ''عن'' کے ساتھ روایت کرے تو حجت نہیں کیونکہ وہ تدلیس کے ساتھ منسوب ہے۔

مزید فرمایا۔

اذا قال المدلس "عن" لا یحتج به .... (صفحہ ۱۳۲،۱۵۸،۲۶۸،۳۷۳ ج ا)

مدلس جب ''عن'' کہے تو اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا یعنی وہ قابل حجت نہیں ہوگا۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

اما المدلسون الذین هم ثقات وعدول فانا لانحتج باخبارهم الا ما بینوا فیه السماع .... (مقدمہ صحیح ابن حبان ص ۱۵۰، ج ا)

وہ مدلسین جو کہ ثقہ و عادل ہوں ہم ان کی روایت سے احتجاج نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ سماع کی تصریح کریں۔

امام ابن حبان مزید فرماتے ہیں۔

فما لم یقل المدلس، وان کان ثقه حدثنی او سمعت فلا یجوز الا حتجاج بخبره ......(کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین لابن حبان ص ۹۲ ج ا)

اور جب تک مدلس اگرچہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو، حدثنی یا سمعت نہ کہے اس کی روایت سے احتجاج جائز نہیں ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔

والحاصل ان من کان ثقة واشتهر بالتدلیس فلا یقبل الا اذا قال حدثنا اواخبرنا او سمعت ....

اور حاصل کلام یہ کہ جو ثقہ راوی ہو لیکن تدلیس کے ساتھ مشہور ہو تو اس کی روایت قبول

نہیں کی جائے گی۔ جب تک وہ حدثنایا اخبرنا یا سمعت کے الفاظ نہ بولے۔ (ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ص ۵۲ ۔اثریہ سانگلہ ہل ۱۳۲۷ھ)

امام حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

(وقد اجمعو اعلی ما ذکرت لک وھوقول مالک وعامة اھل العلم والحمد لله) الا ان یکون الرجل معروفا بالتدلیس فلا یقبل حدیثه حتیٰ یقول حدثنا اوسمعت فھذامالا علم فیه ایضاخلافا ....(مقدمہ التمہید شرح الموطاء ص ۱۳ ج ۱ قدوسیہ لاہور)

مگر جب راوی تدلیس کے ساتھ معروف ہوتو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ حدثنا یا سمعت نہ کہے اور اس میں کسی کا اختلاف میں نہیں جانتا۔ (یعنی اجماع ہے)

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

وقد حکی المعافی فی "الجلیس" عن الشافعی رضی الله عنه انه کان لایری روایة المدلس حجة الاان یقول فی روایته حدثنا او اخبرنا اوسمعت (النکت علی کتاب ابن الصلاح ص ۶۳۴ ج ۲ ابن حجر عسقلانی)

اورامام معافی نے اپنی کتاب (جلیس) میں حضرت امام شافعی سے حکایت کی ہے کہ وہ مدلس کی روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے جب تک کہ وہ اس میں حدثنا یا اخبرنا یا سمعت نہ کہیں۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

قال فلان وعن فلان وان ذلک غیر مقبول من المدلسین دون اثبات

السماع على اليقين۔ (الجامع لاخلاق وآداب السامع ص ۱۷۳ ج ۲۔ مكتبة المعارف رياض ۱۹۸۳ء)

ابن حجر مزید فرماتے ہیں۔

فقلنا لا نقبل من مدلس حديثا حتى يقول : حدثني او سمعت هذا نصه

(النکت ص ۶۳۴ ج ۲)

پس ہم کہتے ہیں کہ ہم مدلس کی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے اور یہ نص ہے۔

حكاه القاضي عبدالوهاب في "الملخص" فقال "التدليس جرح وان من ثبت انه كان يدلس لا يقبل حديثه مطلقاًقال وهو الظاهر من اصول مالك ۔ (ص ۶۳۲ ج ۲)

قاضی عبدالوہاب نے اپنی کتاب "الملخص" میں کہا کہ تدلیس ایک "جرح" ہے اور جس میں یہ ثابت ہو جائے اس کی حدیث مطلقاً رد کر دی جائے گی اور یہ ظاہر ہے کہ امام مالک کے اصول میں سے ۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔

فقلنا: لا نقبل من مدلس حديثا حتى يقول فيه :حدثني او سمعت .

پس ہم مدلس کی روایت قبول نہیں کرتے جب تک کہ وہ حدثنی یا سمعت نہ کہے۔

(الرسالہ ص ۳۸۰ للامام شافعی)

امام عبدالعزیز پرہاردی فرماتے ہیں۔

والمحققون على انه ان صرح با لتحديث و السماع فروايته مقبولة

والا فلا۔ (الکوثر النبی ص۳۰ ج۱)

اور محقق علماء فرماتے ہیں کہ اگر وہ تحدیث اور سماع کی صراحت کرے تو اس کی روایت مقبول ہوگی ورنہ نہیں۔

امام ابن کثیر نقل فرماتے ہیں۔

والصحیح التفصیل بین ما صرح فیه با لسماع فیقبل وبین ما اتی فیه بلفظ محتمل ،فیرد ۔۔ (الباحث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث ص۴۵)

اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے جب وہ سماع کی تصریح کردے تو قبول ہوگی اور اگر ایسے الفاظ سے روایت کرے کہ جن میں احتمال ہو تو مردود ہوگی۔

اور نواب صدیق الحسن بھوپالوی نے لکھا ہے:

والحاصل ان من کا ن ثقة و اشتهر بالتدلیس فلا یقبل الااذاقال حدثنا او اخبر نا او سمعت .... (الحصول المامول ص ۱۰۱ للصدیق الحسن بھوپالوی)

اور حاصل کلام یہ ہے کہ جو تدلیس کے ساتھ مشہور ہو اگرچہ وہ ثقہ بھی ہو تو اس کی روایت اس وقت تک قبول نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ حدثنا اخبرنا یا سمعت نہ کہے۔

جناب حافظ محمد گوندلوی صاحب نے لکھا۔

ثالثا: مالک بن حویرث کی روایت صحیح نہیں وجہ اول یہ کہ اس میں قتادہ مدلس ہے جو عن سے روایت کرتا ہے۔......... (التحقیق الراسخ ص ۶۱)

حوالے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل سے اور بھی بہت ہیں (بعض ان مراسلہ میں پچھلے صفحات میں بھی گذر چکے ہیں) لیکن اب میں انہی حوالوں پر

اکتفا کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا روایت میں ''ابوالبختری'' راوی جو کہ عن کے ساتھ روایت کر رہا ہے۔اس کے بارے میں ''مدلس'' ہونے کی تصریح حضرت حافظ صلاح الدین ابی سعید خلیل بن کیکلدی العلائی نے اپنی مایہ ناز کتاب: جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص۲۲۲ میں کی ہے اور حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصریح: تقریب التہذیب ص ۱۲۵ میں کی ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل قویہ سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور اس سے استدلال کرنا کم علمی کی دلیل ہے۔

نمبر۲:۔

اس روایت میں ایک راوی ہے: عبدالرحمٰن بن تحصی ،اس راوی کی آپ توثیق ثابت فرمائیں۔

امام دارقطنی کی العلل

آپ نے پھر اس بحث کو طول دیا کہ علل کی روایت کی تلاش جاری ہے میرے بھائی کیا کریں گے آپ العلل کو ڈھونڈ کر اس میں آپ کو اس مسئلہ پر کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں مل سکے گی۔انشاء اللہ۔ ویسے آپ کی آسانی کیلئے عرض ہے کہ آپ مولوی عبدالرحمٰن مبارکپوری کی ''تحفۃ الاحوذی'' کا مطالعہ فرمائیں۔انہوں نے اس علل والی روایت پر کافی بحث کی ہے۔شاید آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو سکے لیکن مجھے امید نہیں۔ کہ علامہ مبارکپوری کی بات مان جائیں گے کیوں کہ آپ نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ حق بات کوئی اپنا کرے یا بیگانہ اس کو رد کر دینا ہے۔اگر آپ حق بات قبول کر سکتے ہیں تو آیئے سنئے۔

جادووہ جوسر چڑھ کر بولے۔

یہ ہیں آپ کے مایہ ناز عالم مولوی شرف الدین لکھتے ہیں۔

''تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں۔۔۔۔۔''۔(فتاویٰ ثنائیہ، جلد اول)

کیوں جی ان کو حدیث مسند وائل بن حجر کا پتہ نہیں تھا۔ یا یہ علل کے نام سے ناواقف تھے

جناب حافظ صاحب آپ ضد کو چھوڑیں اور اپنے وعدہ کے مطابق مسلک حق اہل سنت وجماعت بریلوی قبول فرمائیں وگرنہ غلط مسلک کا عتاب تو ہونا ہی ہے۔ وعدہ خلافی کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

فیصلہ آپ پر

جناب حافظ صاحب آپ اللہ کو گواہ بنا کر اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ طور پر بتائیں کہ کیا، آپ نے چاروں مسائل میں ہماری طے شدہ شرائط کے مطابق دلائل دیئے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کس بات کا انتظار ہے کہ آپ کب وعدہ وفائی کرتے ہوئے مذکورہ مسائل پر عمل ترک فرما کر ہمیں اطلاع دیں گے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

محمد عباس رضوی ۸۔۷۔۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدعی صاحب !! محمد عباس رضوی نے اہلحدیث کے دو مسائل کے متعلق لکھا ہے کہ کسی صحیح صریح مرفوع غیر منسوخ حدیث سے ثابت نہیں۔ سب سے پہلے مدعی صاحب صحیح مرفوع غیر منسوخ حدیث کی وضاحت کریں۔ اور ان کی حدود متعین کریں اور کونسے امام ومحدثین جرح وتعدیل کے آپ کے نزدیک معتبر ہیں تناسخ احادیث کی کیا شرائط ہیں۔ وضاحت کریں تاکہ بات آگے شروع کی جاسکے۔

محمد سلیمان مدرس اوٹی

گورنمنٹ مڈل سکول فتومنڈ

۲۷-۳-۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے نزدیک جس حدیث کے کسی راوی پر کسی محدث کی کوئی جرح منقول نہ ہو اور نہ ہی حدیث کے متن پر کوئی جرح منقول ہو اس حدیث کو صحیح حدیث کہتے ہیں۔

جس کا سلسلہ سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صراحت کے ساتھ جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں فعل مبارک یا قول مبارک منقول ہو اس کو صریح مرفوع کہتے ہیں۔ جس حدیث شریف کے بارے میں کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ یہ کام پہلے تھا بعد میں ترک کر دیا گیا یا تاریخ سے معلوم ہو جائے کہ یہ روایت پہلے کی ہے اور مخالف روایت بعد کی آئمہ جرح وتعدیل جن کی جلالت علمی پر امت کا اتفاق ہے۔ مثلاً امام ازدی۔ العجلی، یحییٰ، شافعی، مالک، احمد، دارقطنی، نسائی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کو ہم معتبر سمجھتے ہیں۔

کتبہ

محمد عباس رضوی غفرلہ

۲۷۔۳۔۹۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد عباس رضوی صاحب نے اپنے مراسلہ میں حدیث صحیح صریح غیر منسوخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے نزدیک جس حدیث کے کسی راوی پر کسی محدث کی کوئی جرح منقول نہ ہو اور نہ ہی حدیث کے متن پر کوئی جرح منقول ہو۔ اس حدیث کو صحیح حدیث کہتے ہیں۔

(۱) عرض ہے کہ مولانا صاحب نے یہ تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے نزدیک میرا سوال ہے کہ آپ کا مقام آئمہ حدیث یا فقہاء و مجتہدین میں کیا ہے۔ تا کہ آپ کی بات قابل حجت سمجھی جا سکے۔

(۲) مولانا صاحب نے حدیث صحیح صریح غیر منسوخ کی تعریف کرتے ہوئے کوئی کسی امام جرح و تعدیل کا حوالہ نہیں دیا حالانکہ امام جرح و تعدیل کے۔ انہوں نے ان کے نام بھی اپنے رقعہ میں تحریر کئے ہیں۔

(۳) حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ تعریف غیر درست خود ساختہ اور نہ ہی نسخ کی شرائط ذکر کی ہیں۔ مزید بحوالہ وضاحت کیجئے تا کہ زیر بحث مسائل کی حقیقت کا جائزہ لیا جا سکے۔

محمد سلیمان مدرس او ٹی

گورنمنٹ مڈل سکول فتو منڈ

۲۷۔۳۔۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولانا صاحب میری تعریف پر آپ نے یہ اعتراض کیا کہ یہ کسی محدث سے ثابت نہیں ہے تو جناب عالی آپ کسی محدث کی تعریف لکھ دیں۔ میں اسی تعریف کے مطابق آئندہ اپنی تحریر میں چلوں گا۔

محمد عباس رضوی غفرلہ

۲۷۔۳۔۹۱ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا صاحب نے اپنے مراسلہ میں لکھا ہے کہ آپ کسی محدث کی تعریف لکھ دیں میں اسی تعریف کے مطابق آئندہ چلوں گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب اپنی سابقہ تحریر شدہ تعریف ثابت نہیں کر سکے۔ اور ہم سے تعریف کا مطالبہ کیا ہے۔ اگر آپ کو اصول حدیث کی تشنگی ہے تو تعریف برائے تفہیم مسائل کی خاطر لکھی جاتی ہے۔

بنقل عدل تام الضبط متصل السند غير معلل ولا شاذ .شرح نخبة الفكر ومقدمه ابن صلاح

محمد سلیمان مدرس اوٹی

گورنمنٹ مڈل سکول فتو منڈ

۲۷۔۳۔۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) نماز وتر میں جیسے اہلحدیث علماء عمل کرتے ہیں یعنی دعائے قنوت رکوع کے بعد عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر پڑھنی کسی صحیح صریح مرفوع غیر منسوخ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

(۲) اہلحدیث نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں یہ کسی بھی صحیح صریح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

اگر آپ ان دو مسائل پر مذکورہ شرائط پر حدیث پیش فرمادیں تو میں ان پر عمل شروع کردوں گا۔

محمد عباس رضوی غفرلہ

۲۷۔۳۔۹۱ء

(۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی

محترم جناب محمد سلیمان صاحب !

آپ کا تحریر کردہ مراسلہ بدست محبی ومکرمی جناب مولانا حافظ غلام مصطفےٰ صاحب موصول ہوا۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ غیر متعلق گفتگو میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ اور اصل مسئلہ پر ہی توجہ رکھنے کا قائل ہوں لیکن آپ کی تحریر میں چند ایسی باتیں پائیں۔ کہ افسوس ہوا کہ چونکہ ان باتوں کی وجہ سے آئندہ غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ آپ نے لکھا کہ اگر ثابت کردیں تو میں اہلحدیث ہو جاؤں گا۔ حالانکہ نہ ہی تحریراً یہ بات ہوئی۔ اس لئے آپ کا ایسا لکھنا نامناسب ہے۔ دوسرا آپ نے میرے بارے میں تحریر فرمایا کہ ''مسجد زینت المساجد کا مدرس ہے''۔ یہ بھی خلاف واقعہ بات ہے۔ آپ برائے مہربانی غیر ضروری ابحاث سے پرہیز فرمائیں۔ تاکہ جلد از جلد اصل مسائل پر بحث تمام ہو سکے اور حق وباطل کی پہچان آسان ہو جائے۔

بہرحال آپ کا مراسلہ پڑھا اور آپ کے دلائل (سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق) دیکھے تو معاً یہ شعر زبان پر آ گیا۔

؎ بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　　جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

یعنی دعویٰ تو قرآن وسنت پر عمل کا اور دلیل میں ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث پیش نہ کر سکنا کس چیز کی نشاندہی کرتا ہے؟

آپ نے جو تین روایات لکھیں ہیں۔ یقیناً آپ کے نزدیک ان سے زیادہ صحیح اور واضح دلیل آپ کے پاس نہیں ہوگی ورنہ آپ اس کو نقل کرتے اب آیئے آپ کی تحریر کردہ

روایات کو دیکھیں کہ یہ اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق صحیح ہیں یا کہ نہیں۔

(۱) پہلی روایت ! آپ نے تحریر فرمایا

عن وائل بن حجر رضی اللّٰہ عنه قال صلیت مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فوضع یده الیمنی علی یده الیسری علی صدره . اخرجه ابن خزیمه فی صحیحه (ص۲۴۳ج۱)

کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دائیں ہاتھ بائیں پر سینہ کے مقام پر رکھا۔(بلفظک)

تجزیہ رضوی

معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ حدیث ابن خزیمہ سے نقل کی ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے اس روایت کی سند کیوں نہیں لکھی بہر حال آیئے میں اس کی سند لکھ کر اس کے رواۃ کے بارے میں محدثین کی رائے نقل کرتا ہوں۔

اخبرنا ابو طاهر .نا.ابوموسیٰ نا.مومل.نا. سفیان عن ابن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال صلیت مع ---------(الحدیث)

اس روایت کی سند ضعیف اور متن میں ''علی صدرہ'' کے الفاظ غیر محفوظ ہیں پہلے سند کے بارے میں سنیے۔اس روایت کے راویوں میں ایک راوی ہے۔

مؤمل بن اسمٰعیل ! اس راوی کے بارے میں امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں۔

مؤمل بن اسماعیل صدوق ، وقال البخاری : منکر الحدیث (معرفۃ الراواۃ المتکلم فیھم۔ص۱۸۰،، للذہبی ۔مکۃ المکرمہ ۱۹۸۶ء الطبعۃ الاولیٰ)

مؤمل بن اسماعیل صدوق ہے۔امام بخاری نے کہا کہ منکر الحدیث ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن یمان ومؤمل اذا ختلفا ؟ قال : دع ذا کانه لیّن امرھما .ثم قال . موممل کان یخطی (العلل ومعرفۃ الرجال للا مام احمد ص ۶۰، طبع ب ۱۹۸۸ء الدار السّلفیہ بومبای ھند)

یعنی امام احمد سے یحیٰ بن یمان اور مومل کے بارے میں سوال ہوا جب کہ ان دونوں میں اختلاف ہوتو انہوں نے فرمایا دونوں کو چھوڑ دو گویا کہ وہ دونوں حدیث میں کمزور ہیں پھر کہا۔ مومل حدیث میں خطا کرتا ہے۔

امام دار قطنیؒ نے فرمایا۔

قلت :فمؤمل بن اسماعیل . قال صدوق ، کثیر الخطاء (سوالات حاکم للدار قطنی فی الجرح والتعدیل ص ۲۷۷) مکتبۃ المعارف الریاض ،طبعہ الاولیٰ ۱۹۸۴ء)

امام حاکم نے کہا کہ میں نے امام دار قطنی سے پوچھا۔ مومل بن اسماعیل کے بارے میں توانہوں نے کہا۔ صدوق اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے۔

صحیح ابن خزیمہ کے حاشیہ پر اسی حدیث کے تحت لکھا ہے۔

اسنا دہ ضعیف : لان مومّلا وھو ابن اسماعیل، سیء الحفظ ---

(حاشیہ ص ۲۴۳۔مکتبۃ الاسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۷۵ء)

یعنی اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ مومل بُرے (کمزوری) حافظے والا ہے۔

یہی بات حاشیہ العلل للا مام احمد میں بھی ہے۔

صدوق سیء الحفظ : قال ابوحاتم : صدوق شدید فی السنۃ کثیر الخطاء وقال البخاری ، منکر الحدیث وثقه بعضھم مطلقا .(ص ۶۰)

آپ کا ہم مسلک بھائی ثناءاللہ زاھدی غیر مقلد علامہ ابن حجر عسقلانی سے نقل کرتا ہے

مؤمل بن اسماعیل. فیه، مقال : قال ابو حاتم : صدوق : کثیر الخطاء فی حدیثه عن الثوری ضعف ۔ (توجیہ القاری ص۳۲۱۔جہلم ۱۹۸۶ء)

اس میں کلام ہے ابو حاتم نے کہا۔صدوق اور بہت زیادہ خطاء کرنے والا ہے اور ثوری سے اس کی حدیث ضعیف ہے۔

اور یہ روایت بھی ثوری سے ہی ہے۔

امام ذہبی میزان میں فرماتے ہیں۔

قال ابوحاتم : صدوق شدید فی السنة : کثیر الخطاء . وقال البخاری ، منکر الحدیث وقال ابوزرعة : فی حدیثه خطاء کثیر (میزان ص ۲۲۸ ج ۴)

ابو حاتم نے کہا صدوق ہے اور سنت پر عمل میں سخت تھا، بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا (حدیث میں) امام بخاری نے کہا۔منکر الحدیث ہے ابوزرعہ نے کہا اس کی روایت کردہ حدیث میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نقل فرماتے ہیں۔

قال ابوحاتم صدوق شدید فی السنة کثیر الخطاء وقال البخاری منکر الحدیث .. . وقال غیره د فن کتبه فکان یحدث من حفظه فکثر خطاء قلت قال ابن حبان فی الثقات ربما اخطاء ....وقال یعقوب ابن سفیان مؤمل ابو عبدالرحمن شیخ جلیل سنی سمعت سلیمان بن حرب یحسن الثناء کان مشیختنا یو صون به الاان حدیثه لا یشبه حدیث اصحابه وقد یجب علی اهل العلم ان یقفوا عن حدیثه فانه یروی المناکیر عن الضعفاء

.... وقال الساجي صدوق كثير الخطاء وله اوهام ..وقال ابن سعد ثقة كثير الغلط وقال ابن قانع صالح يخطى وقال الدارقطنى ثقة كثير الخطاء ...وقال محمد بن نصر المروزى المؤمل اذاانفرد بحديث وجب ان يتوقف ويثبت فيه لا نه كان سيء الحفظ كثير الغلط۔۔۔۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۲۸۰ ص۲۸۱ ،المکتبۃ الاثریہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔الطبعہ الاولیٰ۔)

ابو حاتم نے کہا صدوق ہے سنت کے معاملہ میں سخت اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے اور امام بخاری نے کہا منکر الحدیث ہے۔دیگر آئمہ نے کہا کہ اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں اور حدیث حافظہ سے بیان کرتا تو بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا،ابن حبان نے کتاب الثقات میں کہا کہ غلطی کرتا ہے۔یعقوب بن سفیان نے کہا کہ سنی شیخ ہے،سلیمان بن حرب اس کی تعریف کرتا تھا،مگر ان کے بقول اس کی احادیث اس وقت کے دیگر محدثین کے مشابہہ نہیں ہوتی تھیں،اور اہل علم پر واجب ہے کہ وہ اس کی روایت پر عمل نہ کریں کیونکہ یہ ضعفاء سے منکر احادیث روایت کرتا ہے،امام ساجی نے کہا صدوق مگر زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے اور اسکی احادیث میں اوھام ہیں۔ابن سعد نے کہا کہ ثقہ کثیر الغلط یعنی بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے،امام ابن قانع نے کہا صالح ہے لیکن خطاء کرتا ہے،دارقطنی نے کہا کہ ثقہ کثیر الخطاء ہے محمد بن نصر مروزی نے کہا کہ جب مومل اکیلا روایت کرے تو اس کی حدیث پر عمل کرنے سے رُک جانا ضروری ہے اور اس میں یہ چیزیں ثابت ہیں کیونکہ وہ ردی حافظے والا اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے۔

اور آپ کے محدث وقت مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد نے لکھا ہے۔

قلت سلمنا ان مؤمل بن اسماعيل ضعيف ورواية البيهقى هذه ضعيفة ۔

(ابکار المنن ص ۱۰۹ الجامعۃ السلفیہ لامکفور ،تاریخ اشاعت ۱۹۶۸ء)

میں کہتا ہوں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موئل بن اسماعیل ضعیف اور بیہقی کی روایت جس میں یہ راوی ہے، ضعیف ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اس روایت میں جو راوی موئل ہے وہ بالکل ضعیف ہے اور یہ روایت کسی بھی طرح صحیح روایت نہیں ہو سکتی۔

قال الشیخ فی الامام "منکر الحدیث "وصف فی الرجل یستحق به الترک (غایۃ التحقیق للزاھدی غیر مقلد ص ۶۲)

اور پھر اس راوی کے بارے میں امام بخاری نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے اور امام بخاری جس راوی کو منکر الحدیث کہہ دیں اس سے روایت لینا صحیح نہیں ہے۔

جیسا کہ امام سیوطی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

الاول : البخاری یطلق : منکر الحدیث علی من تحل الروایة عنه (تدریب الراوی شرح تقریب النواوی ۔ص ۳۴۹ ج ۱ للسیوطی)

یعنی جب امام بخاری مطلقاً کسی راوی کو منکر الحدیث کہیں تو اس سے روایت لینا حلال (جائز) نہیں ہے۔

امام بخاری خود فرماتے ہیں۔

بکل من قلت فیه : منکر الحدیث فلا تحل الروایة عنه (علم رجال الحدیث ص ۱۲۷۔مدینۃ المنورہ ۱۹۸۷ء فتح المغیث ص ۳۷۳ ج ۱ ، دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۸۳ء، میزان الاعتدال ص ۶ ج ۱ ص ۲۰۲ ج ۲)

یعنی ہر وہ شخص جس کے بارے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت لینا جائز نہیں ہے۔

تو اب جب ثابت ہو گیا کہ یہ راوی پرلے درجے کا ضعیف، منکر الحدیث، کثیر الغلط ،

کثیر الخطاء اور سی الحفظ ہے۔تو آپ ایسے راوی کی روایت کردہ حدیث کو کیسے صحیح کہہ سکتے ہیں اور کیسے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

اس حدیث میں ایک راوی عاصم بن کلیب ہے۔ جو کہ ترک رفع الیدین کا مرکزی راوی ہے۔مسئلہ رفع الیدین میں علمائے اہل حدیث اس راوی کو قبول نہیں کرتے جو راوی رفع الیدین کے مسئلہ میں ضعیف ہے وہ راوی وضع الیدین علی الصدر میں کیسے ثقہ ہو گیا؟ یہ معمہ بھی حل فرمادیں۔

اس روایت میں ایک راوی سفیان ثوری ہے جو زبردست ثقہ ہونے کے باوجود مدلس ہے اور اس کا مدلس ہونا علامہ ابن حجر عسقلانی نے بیان فرمایا ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

سفیان بن سعید الثوری الامام المشھور الفقیه العابد الحافظ الکبیر وصفه النسائی وغیرہ بالتدلیس وقال البخاری ، اقل تدلیسه (طبقات المدلسین للابن حجر ص ۴۱)

امام صلاح الدین العلائی فرماتے ہیں۔

سفیان بن سعید الثوری الامام المشھور تقدم انه یدلس (جامع التحصیل ص ۲۲۵)

یعنی وہ مدلس ہے جیسا کہ گذرا۔

یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر قبول ہے جیسا کہ آگے انشاءاللہ بیان ہوگا۔

یہ تو مختصراً حال تھا اس روایت کی سند کا اب آیئے اسکے متن کی طرف جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا۔ کہ اس میں علی صدرہ یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی زیادت غیر محفوظ ہے جیسا کہ علامہ شوق نیموی نے فرمایا۔

وزيا دة على صدره غير محفوظة (آثار السنن ص ۸۴۔ ملتان)

اور اس حدیث میں، سینہ پر، کے الفاظ غیر محفوظ ہیں یعنی صحیح نہیں ہیں۔

علامہ نیموی مزید فرماتے ہیں۔

قوله وزيادة على صدره غير محفوظة ، قلت رواه احمد فى مسنده عن طريق عبد الله بن الوليد عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر ،واحمد ونسائى من طريق زائده عن عاصم عن وائل وابو داؤد من طريق بشر بن المفضل عن عاصم عن ابيه عن وائل وابن ماجه من طريق عبد الله بن ادريس وبشر بن المفضل عن عاصم عن ابيه عن وائل واحمد عن طريق عبد الواحد وزهير بن معاوية وشعبة عن عاصم عن ابيه عن وائل كلهم بغير هذه الزياده وقدنص ابن القيم فى اعلام الموقعين لم يقل على صدره غير مؤمل بن اسماعيل فثبت انه متمر۔ فى ذلك وقدروى هذا الحديث من طريق علقمه وغيره عن وائل بن حجر وليس فيه هذه الزيادة فلا شك انها غير محفوظ۔۔۔۔۔ (التعليق الحسن على آثار السنن ص ۸۴)

اور یہ قول کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو احمد نے اپنی مسند میں عبداللہ بن الولید وہ سفیان سے وہ عاصم سے وہ اپنے باپ سے وہ وائل بن حجر کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور احمد ونسائی نے زائدہ وہ عاصم سے وہ اپنے باپ سے وہ وائل سے اور ابوداؤد نے بشر بن مفضل سے وہ عاصم سے وہ اپنے باپ سے وہ وائل سے اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن ادریس اور بشر بن مفضل سے وہ راوی عاصم سے وہ اپنے باپ سے وہ وائل سے اور امام احمد نے عبدالواحد اور زہیر بن معاویہ اور شعبہ وہ عاصم سے وہ اپنے باپ سے وہ وائل بن حجر سے تمام نے اس زیادۃ کے بغیر ہی حدیث کا اخراج کیا ہے اور ابن القیم

نے اعلام الموقعین میں اس پر نص پیش کی ہے کہ سوائے مومل کے کسی نے بھی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے الفاظ روایت نہیں کئے پس ثابت ہو گیا کہ وہ متفرد ہے تحقیق یہ حدیث علقمہ نے بھی وائل سے روایت کی ہے اور اس میں بھی یہ زیادۃ نہیں ہے۔ پس بیشک یہ زیادت غیر محفوظ ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اصل مسئلہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بات تھی اور وہ الفاظ اس روایت سے ثابت نہ ہو سکے تو ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ شاذ بھی ہے۔ کیونکہ دیگر ثقہ راویوں کے خلاف مؤمل نے یہ الفاظ بیان نہیں کئے اور جب کوئی راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے تو اس کو شاذ کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت شاذ بھی ہے۔ اس لئے دلیل کے طور پر پیش نہیں کی جا سکتی۔

آپ نے لکھا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر بایں الفاظ تبویب کی ہے۔ باب رفع الیدین علی صدرہ فی الصلوٰۃ من السنۃ (بیہقی ص۳۰ ج۲) (بلفظک)

اس سے آپ نے کیا مراد لیا ہے۔ امام بیہقی کا قول بطور دلیل پیش کیا ہے یا ویسے صفحہ پر کرنے کیلئے کیونکہ یہ بات دلیل تو ہرگز نہیں بن سکتی۔

آگے آپ نے چند حنفی علماء کے حوالہ جات لکھے ہیں۔ جو کہ آپ حضرات کیلئے مفید نہیں ان میں سے کسی نے بھی آپ کی پیش کردہ ضعیف حدیث کی توثیق نہیں کی۔

حدیث نمبر۲:

قبیصہ بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ وعن یسارہ

وروایتہ یضع یدہ علی صدرہ (مسند امام احمد ص ۲۲۹ ج ۵)
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دائیں بائیں (بوقت سلام پھرتے) اور میں نے دیکھا آپ کو آپ اپنا ہاتھ سینے پر باندھتے۔ (بلفظک)

تجزیہ رضوی

جناب عالی! آپ نے حدیث تو لکھ دی لیکن یہ سوچنے کی تکلیف گوارہ نہیں کی کہ یہ حدیث آپ کی موید ہرگز نہیں ہوسکتی۔ایک تو اس میں نماز کا سرے سے بیان ہی نہیں ہے، آپ نے صرف یہ دیکھا کہ اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر تو ہے۔نماز کا نہ سہی میرا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث نماز کے بارے میں ہرگز نہیں ویسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک سینہ پر رکھا تھا جس کا راوی بیان کر رہا ہے۔آپ نے ترجمہ میں لکھا ہے آپ دائیں بائیں (بوقت سلام پھرتے)

جناب من یہ بوقت سلام کے آپ نے حدیث کے کس ٹکرے کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ آپ نے اپنے من سے گھڑ لیا ہے۔حدیث میں تو ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے تو وقت سلام چہرہ پھیرا جاتا ہے نہ کہ انسان خود ہی پھر جاتا ہے۔اور اگر سلام کے بعد کا پھرنا مراد ہے تو یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ سلام کے بعد ایک طرف ہی پھرا جاتا ہے۔یا دائیں یا بائیں یہ دونوں طرف یک دم کیسے پھرا جا سکتا ہے۔اور اگر آپ کہیں کہ حدیث نماز کے بارے میں ہی ہے۔تو میں عرض کروں گا۔کہ یہ ناممکن ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں پھریں۔آپ تو دائیں بائیں التفات سے منع فرماتے ہیں۔چہ جائیکہ آدمی خود ہی پھر جائے یہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کے مترادف ہے کہ آدمی یہ کہے کہ آپ نماز میں دائیں بائیں پھرتے تھے۔ بلکہ دوسروں کو التفات سے منع بھی

فرماتے تھے۔نماز میں التفات سے منع کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت : سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن التلفت فی الصلوٰۃ ۔ فقال : اختلاس یختلسہ الشیطان من صلاۃ العبد ۔ (بخاری،نسائی ۱/۱۷۷،ابوداؤدابن خزیمہ بحوالہ ترغیب،الترہیب ج۱۔ص۳۲۹لفظ لہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں دائیں بائیں دیکھنے کے متعلق پوچھا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان بندہ کی نماز سے اچک لیتا ہے۔(یعنی یہ شیطانی فعل ہے جو کہ بندہ کو التفات پر مجبور کرتا ہے)

عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال : اوصانی خلیلی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بثلاث ونہانی عن ثلاث،نہانی عن نقرۃ کنقرۃ الدیک واقعاء کاقعاء الکلب والتفات کالتفات الثعلب (رواہ احمد ج۲ص ۲۶۵۔۳۱۱،مجمع ج۱ص۷۹۔ ۸۰،ترغیب ج۱ص۳۷۰لفظ لہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تین چیزوں کی اور تین چیزوں سے مجھے منع فرمایا۔مجھے آپ نے منع فرمایا میں سجدہ میں مرغ کی طرح ٹھونگ ماروں (یعنی جلدی جلدی سجدے کروں) اور کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا اور نماز میں دائیں بائیں دھیان کرنے سے جیسے لومڑی کرتی ہے منع فرمایا

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا نبی ایاک وا لالتفات فی الصلوٰۃ ،فان الالتفات فی الصلوٰۃ ھلکۃ ۔ (رواہ الترمذی ج۱ص۷۶وقال حدیث حسن صحیح : ترغیب ج۱ص۳۷۱،لفظ لہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے بیٹا نماز

میں دائیں بائیں پھرنے سے بچ۔ کیونکہ نماز میں دائیں بائیں پھرنا ہلاکت ہے۔

یہ میں نے اختصار کے طور پر صرف تین روایات درج کی ہیں۔ زیادہ دیکھنی ہوں تو ترغیب وترہیب کی طرف متوجہ ہوں۔

اب آپ بتائیں کہ آپ کا یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں پھرتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان نہیں ہے اگر نہیں تو حدیث سے ثابت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عمل کرتے تھے ورنہ آپ یہ حدیث شریف ضرور ذہن میں رکھیں۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار ۔(احمد فی مسندہ ج۱ص۷۸ برقم ۵۸۴) (اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

بہر حال یہ تو تھا آپ کے طرز استدلال پر مختصر سا تبصرہ۔ اب آیئے آپ کے استدلال پر بھی کچھ گفتگو ہو جائے۔

آپ نے جو حدیث لکھی ہے مسند احمد سے مسند میں اس کی سند یہ ہے۔

حدثنا یحییٰ بن سعید عن سفیان قال حدثنا سماک عن قبیصه بن هلب عن ابیه قال رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن یساره ـــــ (مسند احمد ص۲۲۶ ج۵)

اس سند میں ایک راوی ہے۔

سماک بن حرب !

اس کے بارے میں محدثین جرح وتعدیل کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

کان شعبة یضعفه وقال ابن المبارک ضعیف الحدیث وقال ابن خراش :

في حديثه لين يضعفه سنان ۔ (معرفۃ الرواۃ ص۱۰۴ للذھبی)

یعنی شعبہ اس کوضعیف کہتے ہیں اور ابن المبارک نے کہا کہ یہ ضعیف الحدیث ہے ابن خراش نے کہا کہ اس کی حدیث میں کمزوری ہے اور سنان نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

اور میزان میں لکھا ہے۔

روى ابن المبارك عن سفيان انه ضعيف وقال جرير الضبي اتيت سماكا فرأيته يبول قائما فرجعت ولم اسئله . فقلت خرف .... كان شعبة يضعفه ... وقال احمد : سماك مضطرب الحديث ... وقال صالح جزره : يضعف وقال النسائي اذا انفرد با صل لم يكن بحجة لا نه كان يلقن فيتلقن ...قال ابن عمار : كان يغلط ويختلفون في حديثه وقال العجلي جائز الحديث كان الثوري يضعفه قليلاوقال ابن المديني رواية عن عكرمة مضطربة ۔۔۔۔ (میزان الاعتدال ص۲۳۲ ج ۲ و ص ۲۳۳)

ابن مبارک سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور جریر الضبی نے کہا کہ میں سماک کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوکر پیشاب کررہا ہے۔ میں واپس لوٹ گیا اور اس سے سوال نہ کیا اور میں نے کہا کہ اس کی عقل زائل ہوگئی ہے۔ شعبہ اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ اور امام احمد نے فرمایا کہ سماک مضطرب الحدیث ہے صالح جزرہ نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ جب وہ متفرد (اکیلا روایت کرے جیسا کہ اس روایت میں ہے) ہوتو بالکل حجت نہیں ہے کیونکہ وہ تلقین کو قبول کرتا تھا ابن عمار نے کہا کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور اس کی حدیث میں محدثین اختلاف کرتے ہیں اور عجلی نے کہا کہ وہ جائز الحدیث ہے اور سفیان ثوری اس کو ضعیف کہتے ہیں ابن المدینی نے کہا کہ اس کی روایت عکرمہ سے مضطرب ہے۔ اور اس کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔

جیسا کہ امام بزار نے اپنی مسند میں کہا۔اور امام برہان الدین ابی اسحاق ابراہیم بن محمد بن خلیل سبط ابن العجمی نے اس کو الاغتباط بمن رمی بالا ختلاط میں ذکر کیا۔(ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب ص۱۵۹)

اور پھر یہ راوی ہے بھی مدلس اور یہ روایت اسنے ''عن'' کے ساتھ بیان کی ہے۔اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ : مردود ہوتا ہے اسکا مدلس ہونا علامہ کیکلدی العلائی نے جامع التحصیل ص۲۳۲ میں بیان کیا ہے۔مدلس کی روایت جو کہ عن کے ساتھ ہو محدثین کے نزدیک مردود ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں۔

ان المدلس اذالم یصرح با لتحد یث لم یقبل اتفاقا و قد حکاه البیهقی فی المدخل عن الشافعی و سائر اهل العلم با لحدیث......... (التبصره والتذکره للعراسی ص۱۸٦)

یعنی مدلس جب تک حدثنا نہ کہے (تحدیث کی صراحت نہ کرے) اس وقت تک وہ روایت بالاتفاق ناقابل قبول ہے۔اور امام بیہقی نے مدخل میں امام شافعی و دیگر تمام اہل علم سے یہی نقل کیا ہے۔

اور امام الحافظ صلاح الدین ابو سعید خلیل بن کیکلدی العلائی نے تحریر فرمایا۔

قلنا انه لا یقبل من المدلس حدیث حتی یقول حدثنا و سمعت (جامع التحصیل ص ۱۱۲)

ہم کہتے ہیں کہ مدلس جب تک حدثنا یا سمعت نہ کہے اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

امام سخاوی فرماتے ہیں۔

ومن حکاه العلائی : بل نفی ابن القطان الخلاف فی ذلک وعبارته اذا صرح المدلس الثقة بالسماع قبل بلا خلاف وان عنعن ففیه خلاف وقریب منه قول ابن عبدالبر : المدلس لایقبل حدیثه حتی یقول حدثنا اوسمعت : فهذا مالا اعلم فیه خلافاً۔۔۔۔۔ (فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ص۱۸٦ ج ا للسخاوی)

اورعلامہ العلائی نے بیان کیا۔ بلکہ ابن قطان نے اس میں اختلاف کی نفی کی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ جب ثقہ مدلس سماع کی صراحت کرے تو بالاتفاق اس کی روایت قبول کی جائے گی اور اگر عن کے ساتھ روایت کرے تو اس میں اختلاف ہے اور اسی کے قریب علامہ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ مدلس کی روایت اگر وہ حدثنا یا سمعت نہ کہے تو بالاتفاق نا قابل قبول ہے اور اس میں ہم اختلاف نہیں جانتے یعنی یہ بالاتفاق ہے۔

امام نووی نے فرمایا۔

الاتفاق علی ان المدلس لا یحتج بخبره اذا عنعن (المجموع شرح المہذب ص ۱۵۷، ۱٦۲، ۲٦۸، ۳۴۳ ج ۲)

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ مدلس کی روایت جب وہ عن کے ساتھ روایت کرے تو قابل احتجاج نہیں ہوگی۔

تو ثابت ہوا کہ یہ روایت ہرگز قابل عمل واحتجاج نہیں ہوسکتی۔ اور اگر صرف اتنی ہی بات ہوتی تو شاید آپ کہہ دیتے کہ چلیں صحیح نہ سہی حسن تو ہوگی لیکن اس روایت کی سند پر صرف اتنا ہی کلام نہیں آگے سنیئے۔

اسی روایت کا ایک راوی ہے۔

قبیصہ بن ھلب :

امام ذہبی فرماتے ہیں۔

قبیصہ بن ھلب عن ابیہ : قال ابن المدینی مجھول لم یروعنہ غیر سماک (میزان الاعتدال ص۳۸۴ ج ۳)

اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔امام ابن المدینی نے کہا کہ یہ مجہول ہے اس سے سوائے سماک کے کوئی روایت نہیں کرتا۔

امام ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں۔

وقال النسائی مجھول (تہذیب التہذیب ص۳۵۰ ج ۳)

امام نسائی نے کہا کہ وہ مجہول ہے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ راوی ضعیف و مجہول ہے۔لہٰذا اس کی روایت قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ اس کو معروف ثابت کرنا چاہیں تو کم از کم دو ثقہ راویوں کی اس سے روایت لینا ثابت فرمادیں۔اس راوی سے تو صرف سماک ہی روایت کرتا ہے۔اور وہ بھی زبردست ضعیف اور مجروح راوی ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ روایت بھی صحیح نہیں اور علمائے اہلِ حدیث کے پاس دیگر لاتعداد مسائل کی طرح اس مسئلہ (سینہ پر ہاتھ باندھنا) میں بھی کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے۔

ایک تو یہ روایت ہی غیر متعلق ہے اور دوسرا اس کی سند اور متن مجروح ہے تو کیا ایسی احادیث کے بل بوتے پر ہی آپ اپنے آپ کو اہلحدیث اور دوسروں کو بدعتی ہونے کا سرٹیفکیٹ تقسیم فرمارہے ہیں۔بہرحال اب آیئے آپ کی تیسری دلیل کی طرف۔

نمبر۳ :۔ وعن طاوس رحمہ اللہ ، قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم یضع یده الیمنی علی یده الیسریٰ ثم یشدبینهما علی صدره وهو فی الصلوٰة۔۔۔(اخرجہ ابوداؤد فی کتاب المراسیل)

یعنی حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے پھر مضبوط سینے پر باندھ لیتے اس حال میں کہ آپ نماز میں ہوتے ۔۔۔(ترجمہ آپ کا)

تجزیہ رضوی

قطع نظر اسکے کہ اس کی سند کیسی ہے۔آپ یہ تو بتائیں کہ آپ حضرات نے مرسل روایات سے استدلال کرنا کب سے شروع فرمادیا ہے۔

آپ کے نزدیک تو مرسل روایت قابل حجت نہیں ہے۔اور یہ روایت مرسل ہے۔ حضرت طاؤس تابعی ہیں۔وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کررہے ہیں انہوں نے کس سے سنا اس کا اس روایت میں ثبوت ہی نہیں مرسل روایت بشرطیکہ سند صحیح ہو امام اعظم کے نزدیک قبول ہے لیکن اہلحدیث تو اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔آپ کے مولانا صدیق الحسن بھوپالی لکھتے ہیں۔

فما لم یکن متصلا لیس بصحیح ولا تقوم به الحجة ومن ذلک المرسل وهو ان یترک التابعی الواسطة بینه وبین الرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ویقول قال رسول اللّٰه[1] صلی اللّٰه علیه وسلم وهو محل خلاف فذهب الجمهور الی ضعفه وعدم قیام الحجة وذهب جماعة منهم ابوحنیفة و جمهور المعتزلة واختاره الآمدی الی قبوله وقیام الحجة به والحق عدم القبول وکذلک لا تقوم الحجة بالحدیث المنقطع والمعضل

---

[1] نواب صدیق الحسن کی عبارت میں لفظ "اللہ" نہیں ہے۔

۔۔۔۔۔(حصول المامول من علم الاصول ص ۵۵)

یعنی جب حدیث متصل نہیں ہوگی تو صحیح نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوگی اور ایسے ہی مرسل ہے اور مرسل وہ ہے کہ تابعی اپنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ چھوڑ دے اور کہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس اس میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوسکتی اور ایک جماعت جن میں سے امام ابوحنیفہ اور جمہور معتزلہ اور امام آمدی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور اس کو حجت تسلیم کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ نا قابل قبول ہے اور ایسے ہی منقطع اور معضل حجت نہیں ہیں۔

تو جب آپ کے نزدیک یہ حدیث دلیل ہی نہیں بن سکتی تو پھر اس کو پیش کیوں کیا ہے۔ آپ کے مرسل روایت کے استدلال کرنے سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ آپ کے پاس اس مسئلہ میں صحیح مرفوع روایت نہیں ہے۔

آپ نے جو صحیح کی تعریف کی تھی کم از کم اس تعریف کے مطابق ہی آپ چلتے اور انہی شرائط پر حدیث پیش کرتے لیکن آپ نے ان شرائط کو نظر انداز فرما دیا ہے۔

بہر حال ایک تو یہ حدیث مرسل ہے اور دوسری اس کی سند میں بھی ایک راوی ضعیف ہے اس کی سند مراسیل ابی داؤد میں اس طرح ہے۔

وحدثنا ابو تربة ثنا الهيثم يعني ابن حميد عن ثور وهو ابن يزيد عن سليمان بن موسیٰ عن طاؤس ۔۔(کتاب المراسیل ص ۳۷ لابی داؤد)

تو اس سند میں ایک راوی ثور بن یزید ہے جو کہ ثبت وثقہ ہے لیکن مدلس ہے اور یہ روایت وہ عن کے ساتھ کر رہا ہے اس کو وصف تدلیس سے موصوف کرنے والے یہ ہیں۔

علامہ العلائی ملاحظہ ہو۔ جامع التحصیل ص ۱۸۳ وذکرہ الشیخ حمادالانصاری فی المدلسون ملحق بمن وصف بالتدلیس ص ۱۱، اور مدلس کا عن مردود ہے جیسا کہ پیچھا گزرا۔ الشیخ محمد بن حمادالانصاری غیر مقلد نے لکھا ہے۔

من اتفقوا علی انه لا یحتج بشئی من حدیثهم
الا صرحوا فیه السماع (التدلیس واقسامہ ص ۶)

اور نواب صدیق الحسن غیر مقلد نے لکھا ہے۔

والحاصل ان منْ کا ن ثقه واشتهر با لتدلیس فلا یقبل
الا اذا قال حدثنا او اخبرنا او سمعت ...
(حصول المامول من علم الاصول ص ۵۱، مصر)

یعنی اگر چہ راوی ثقہ ہو لیکن مدلس ہو تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی جب تک وہ حدثنا یا اخبرنا یا سمعت نہ کہے۔ اور اس روایت میں یہ تینوں لفظ نہیں ہیں بلکہ عن ہے لہٰذا یہ روایت قابل رد ہوئی۔

اور پھر اگر چہ یہی علت ہوتی تب بھی خیر تھی اس کی سند میں ایک اور علت ہے وہ یہ کہ اس کا ایک راوی ہے سلیمان بن موسیٰ۔

سلیمان بن موسیٰ :

اس کے بارے میں حافظ ثناءاللہ زاھدی غیر مقلد علامہ زیلعی سے نقل کرتے ہیں۔

مختلف فیه وثقه بعضهم وقال البخاری : عنده منا کیر
وقال النسائی : لیس با لقوی : وقال ابن المدینی :
مطعون فیه (تحقیق الغایہ ص ۱۸۶۔ للزاھدی)

اس میں اختلاف ہے اور بعض نے اس کی توثیق کی ہے اور امام بخاری نے کہا اس کی احادیث میں منا کیر ہیں اور نسائی نے کہا قوی نہیں یعنی ضعیف ہے اور ابن المدینی نے کہا اس میں طعن ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

قال ابو احمدالحاکم : فی حدیثه بعض المناکیر ..... وضعفه نسائی وقال لیس بذلک القوی و قال ابو حاتم یکتب حدیثه وفیه اضطراب ..... قال البخاری عنده مناکیر -----

(تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ص ۲۸۷ ج ۱۶ احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۷ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

علامہ نیموی ارشاد فرماتے ہیں۔

ومع ذلک سلیمان بن موسٰی لین الحدیث قال البخاری عنده مناکیر وقال النسائی لیس بالقوی وفی التقریب صدوق فقیه فی حدیثه بعض لین وخولطه قبل موتهٖ ---

(التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۸۸)

ساتھ اس کے کہ سلیمان بن موسٰی حدیث میں کمزور ہے امام بخاری نے کہا کہ اس کی احادیث میں مناکیر ہیں نسائی نے کہا کہ وہ قوی نہیں (یعنی ضعیف ہے) اور تقریب میں ہے۔ صدوق اور فقیہ ہے اس کی بعض احادیث میں کمزوری ہے اور مرنے سے پہلے خلط ملط ہوگیا تھا۔

اور پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ جس کو امام بخاری منکر الحدیث کہہ دیں اس سے حدیث لینا جائز نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

تو جناب۔ میں نے الحمدللہ ثابت کر دیا ہے کہ اہل حدیث کے مسائل قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے اس طرح اگر آپ اپنے مسلک کے بارے میں ایک ایک مسئلہ لیں تو پھر بھی الحمدللہ یہی حشر ہوگا۔ اور آپ کوئی مسئلہ بھی صحیح صریح مرفوع احادیث سے ثابت نہیں کر سکتے اب کم ازکم اس ایک مسئلہ میں تو آپ ہماری مطابقت فرمائیں یہ ہٹ دھرمی والا مسئلہ نہیں حق کو قبول کرنا ہے۔ نیکی اور تقویٰ اب انصاف اور عدل کا ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دیکھیں آپ کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔

ویسے فرمان خداوندی ہے۔

اعدلوا وهوا اقرب للتقوىٰ .... کہ عدل کرو کیونکہ یہی تقویٰ اور پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔

یا تو اب اس مسئلہ میں صحیح صریح مرفوع حدیث پیش فرمائیں (جو کہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے) اور یا پھر حق کو قبول کرتے ہوئے سینہ پر ہاتھ باندھنے چھوڑ کر اعلان فرمادیں کہ میں نے حق قبول کرتے ہوئے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چھوڑ دیئے ہیں۔ کیونکہ مجھے کوئی واضح اور صحیح دلیل نہیں مل سکی۔

دوسرے مسئلہ کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اول تو مدعی صاحب نے ہمارے مسلک کو سمجھا ہی نہیں اور فتویٰ صادر کر دیا۔ (بلفظک)

تجزیہ رضوی

جناب عالی! اگر میں آپ کے مسلک کو نہیں سمجھا تو کم ازکم آپ کا حق بنتا تھا۔ کہ آپ مجھے سمجھا دیتے۔ لیکن آپ نے بھی یہ جرأت نہ کی آخر کیوں۔ اگر مجھے کوئی غلط فہمی تھی تو آپ اس کو رفع فرما دیتے تا کہ میں اپنی تصحیح کر لیتا۔ آپ نے لکھا۔

''لیکن تاہم وہ اپنے دعویٰ میں وضاحت فرمادیں کہ قنوت بعد الرکوع یا ہاتھ اٹھانے پر بات کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔'' (بلفظک)

تجزیہ رضوی

جناب عالی! دروازہ تو اسی دن کھل گیا تھا جب پہلا رقعہ لکھا گیا تھا اب دوبارہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی آپ کو چاہئے تھا کہ آپ اس مسئلہ کو ثابت کرنے کیلئے بھی کوئی دو چار ایسی ہی ضعیف حدیثیں لکھ دیتے اگر وہ بھی ہوتیں تو۔ تاکہ اس مسئلہ میں بھی آپ کے مسلک کا پول کھل جاتا۔ اب الحمدللہ میں دعائے قنوت وہاتھ عام دعا کی طرح اٹھانے کے دلائل کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔

میں طوالت لاحاصل سے خائف ہوں نہ کہ اصل بات کی طوالت سے بھی۔ بہر حال آپ اس مسئلہ میں بھی اپنے دلائل روانہ فرمائیں تاکہ ان کے بارے میں بھی دیکھا جاسکے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اس حدیث سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا جواز ثابت کرنا سوائے تحکم کے کچھ نہیں ہے۔ اس حدیث سے استدلال کرنے پر ایک اور چیز واضح طور پر سمجھ میں آرہی ہے کہ آپ کے پاس صحیح صریح مرفوع حدیث اس مسئلہ میں بھی دیگر مسائل کی طرح نہیں ہے۔ ہماری شرائط میں صحیح کے ساتھ صریح کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ لیکن یہ صریح ہرگز نہیں ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی صحیح صریح ہوتی تو آپ پیش کرتے آپ نے دو روایتیں پیش کی ہیں پہلی تو صحیح بھی نہیں اور صریح بھی نہیں ہے جبکہ دوسری ہے ہی غیر متعلق اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تصریح نہیں ہے۔

لہٰذا یہ مسئلہ بھی آپ اپنے دعوے کے مطابق ثابت نہیں فرماسکے۔ لہٰذا اپنے وعدے کے مطابق اس پر عمل چھوڑ کر عنداللہ ماجور ہوں وگرنہ اس ہٹ دھرمی کا وبال آپ پر دنیا

وآخرت میں ضرور پڑے گا۔

تو جناب حافظ صاحب !اب اپنا وعدہ پورا کیجئے۔اور سینہ پر ہاتھ باندھنے چھوڑ دیجئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

لا دین لمن لا عهد له (احمد فی مسنده برقم ۱۳۲۲۱)

اَب دیکھیں آپ اپنے وعدہ کے مطابق حق قبول کرتے ہیں۔یا کہ ہٹ دھرمی سے کام لیکر دنیا وآخرت کی روسیاہی خریدنی پسند فرماتے ہیں۔

وما علی الا البلاغ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلسَّلاَمُ عَلیٰ مَنَ التَّبِع الۡھَدیٰ

جناب محمد سلیمان صاحب

آپ کا تحریر کردہ مراسلہ بدست حضرت علامہ حافظ غلام مصطفیٰ صاحب موصول ہوا۔ پڑھ کر حیرت اور دکھ ہوا۔ اصحابِ علم ایسی زبان استعمال نہیں کیا کرتے۔ یہ میدان تحقیق ہے اس میں کسی کی ذات کو بُرا بھلا کہنے سے گریز کرنا اہل علم کا شیوہ وطریقہ ہے۔۔ بہر حال جو کچھ آپ کے پاس تھا آپ نے اس سے مجھے نوازا۔ آپ کا شکریہ

دوسری حیرت اس وقت ہوئی جب آپ نے اپنی پیش کردہ روایت کے ایک راوی مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کی۔ آپ نے لکھا۔

بقلم محرر ہمارے دلائل کی صحت ثابت ہوگئی۔ (بلفظک۔ آپ کا رقعہ نمبر ا)

اقول:۔

جناب من ! آپ کے دلائل کی صحت کیسے ثابت ہوگئی یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں ضعیف راوۃ کے تحت پیش کردہ دلائل کی صحت ثابت ہونے کا آپ نے محدثین سے کوئی اصول اور کلیہ بیان نہیں کیا اپنے آپ تو دنیا کا ہر مذہب ودین کو ماننے والا اپنے دلائل کو صحیح ہی تسلیم کئے بیٹھا ہے۔ آپ کیلئے ضروری تھا کہ آپ کسی محدث کا حوالہ پیش فرماتے پھر کہتے کہ ایسے راوی کو ضعیف کہنا ناجائز ہے۔ یہ تو آپ کر نہ سکے اور لکھ دیا کہ ہمارے دلائل کی صحت ثابت ہوگئی۔

آپ نے فرمایا۔

مثلاً حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے ایک موٴمل بن اسماعیل ان کی ثقاہت،

صداقت، شدید السنۃ، صالح سنی شیخ جلیل اور لائق ثنا حسنہ کا اعتراف کیا لیکن مذکورہ اوصاف حمیدہ سے اغماز چشم کر کے ایسے الفاظ تحریر کئے جو کوئی دیانت دار اور غیر جانبدار تحریر نہیں کر سکتا مراسلہ کا صفحہ نمبر۲ : ملاحظہ کیجئے ۔ مومل بن اسماعیل : صدوق بحوالہ ذہبی کہ مؤمل بن اسماعیل سچا ہے ۔ بحوالہ الدار قطنی : صدوق کہ امام دار قطنی نے کہا سچا ہے ۔ بحوالہ ابن حجر قال ابو حاتم صدوق کہ ابو حاتم نے کہا سچا ہے ۔

تجزیہ رضوی

کاش آپ ان محدثین کے پورے الفاظ نقل کرتے اور ساتھ یہ بھی لکھ دیتے کہ یہ الفاظ درجات تعدیل میں سے کس درجے میں آتے ہیں تا کہ پڑھنے والوں کو حقیقت حال کا علم ہو جاتا لیکن آپ نے جان بوجھ کر کتمان حق کیا ہے ۔

اگر یہ الفاظ ؛ صدوق شدید فی السنۃ ، شیخ جلیل سنی بغیر جرح کے ہوتے ، تب بھی یہ الفاظ کسی راوی کو اعلیٰ قسم کا ثقہ ثابت نہیں کرتے ، یہاں تو جس نے صدوق کہا وہاں جرح مفسر بھی کر دی کہ یہ کثیر الغلط ہے کثیر الخطاء ہے ۔ سئ الحفظ ہے ۔ وغیرہ وغیرہ تو آپ اس کو اعلیٰ درجہ کا ثقہ راوی ثابت کر رہے ہیں ۔

مجھے آپ کے ایسے الفاظ پڑھ کر دکھ بھی ہوا اور حیرانگی بھی کہ آپ جیسا شخص اتنا علم بھی نہیں رکھتا کہ یہ الفاظ کسی شخص کو کس درجہ کا ثقہ ثابت کرتے ہیں ۔ آپ کم از کم اصول حدیث کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھتے پھر مجھے لکھتے کہ دیکھیں جی یہ الفاظ تو راوی کو اعلیٰ درجہ کا ثقہ قرار دے رہے ہیں ۔ آپ اس کی روایت کو کیسے رد کر سکتے ہیں ۔ لیکن آپ کی جانے بلا کہ یہ علم کیا ہے ۔ آپ تو لوگوں کو بس زبان کے زور سے ہی مسائل منانے کے عادی ہیں ۔ آیئے ہم بتاتے ہیں کہ محدثین کے اصول کے مطابق یہ الفاظ کس درجہ کے الفاظ ہیں ۔

علماء نے الفاظ تعدیل کے کئی درجے کیے ہیں۔ کسی نے کم کسی نے زیادہ لیکن ہر ایک نے ان الفاظ کو آخری درجوں میں شمار کیا ہے۔

علامہ تقی الدین مظاہری نے چھ درجات بنائے ہیں ان میں سے پہلے چار طبقوں میں تو یہ الفاظ نہیں ہیں۔ آگے آپ لکھتے ہیں۔

الخامسة : شيخ ، الى الصدق ما هو ، جيد الحديث ،حسن الحديث ، صدوق، سيء الحفظ ،صدوق يهم ، صدوق له اوهام ، صدو ق يخطىء ، صدوق تغير باخرة ---------

السادسة : صالح الحديث صدوق ان شاء الله ، ارجو انه لا با س به ،ما اعلم به باسا صويلح مقبول (علم رجال الحديث ص۱۳۱۔ مکتبۃ الایمان مدینۃ المنورہ)

اور دکتور محمد عجاج الخطیب نے لکھا۔

المرتبه الخامسة . تكون بكل مايدل على التعديل و التوثيق بمالا يشعر بكمال الضبط و الاتقان ،نحو ،صدوق مامون ،لا باس به ؛ ومن العلماء الحق بهذه المرتبة ، قولهم : محله الصدق ،وصالح الحديث وغيره (المختصر الوجیز فی علم الحدیث ص۱۱۱،۱۱۲)

علامہ دکتور محمود طحان نے لکھا۔

۴ : --- على التعديل من دون اشعار بالضبط ،مثل : صدوق او محله الصدق او لا بائس به

۵: ---ليس فيه دلا لة على التو ثيق او التجريح ،مثل فلان شيخ ،

أوروى عنه الناس اوالى الصدق ما هو ، او وسط اوشيخ وسط .

٦: ثم ما أشعر بالقرب من التجريح ، مثل ،فلان صالح الحديث اويكتب حديثه اويعتبربه او مقارب الحديث او صالح۔ (اصول التخریج ودراسۃ الاسانید ص ۱۴۴۔ مکتبۃ المعارف ریاض)

تو ثابت ہوا کہ جن الفاظ سے آپ مومل بن اسماعیل کو زبردست ثقہ قرار دے رہے ہیں۔ وہ چوتھے پانچویں یا چھٹے درجے کے الفاظ ہیں جن کے بارے میں علماء نے واضح تحریر فرمایا ہے کہ۔

واما من جاء فی المرتبة الخامسة و السادسة فانه لا يحتج بحدثيه (المختصر الوجیز فی علم الحدیث ص ۱۱۳)

یعنی جو صرف پانچویں یا چھٹے مرتبے میں آئے ہیں ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ یہ یاد رہے کہ صاحب الوجیز نے یہ تمام الفاظ پانچویں اور چھٹے مرتبے میں ہی لکھے ہیں۔

واما المرتيتان الرابعة والخامسة فلا يحتج باهلهما ۔۔۔۔۔(اصول التخریج درستہ الاسانید ص ۱۴۴)

یعنی چوتھے اور پانچویں طبقہ والوں سے احتجاج نہیں کیا جائے گا، یہ یاد رہے کہ صاحب اصول نے ان تمام الفاظ کو چوتھے اور پانچویں طبقہ میں رکھا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ ایسے راوی سے احتجاج ہی جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کی حدیث کو صحیح اور ثابت کہا جائے۔

میرے خیال میں اب آپ کا تعجب دور ہوگیا ہوگا کہ اتنے اوصاف بیان کرنے کے بعد اس روایت کو رد کرنا چہ معنی دارد۔ آپ نے لکھا تھا۔

تعجب ہے رضوی تبصرہ پر کہ اس قدر اوصاف شمار کرنے کے بعد اس روایت کو رد کرنا کیا معنی دارد.. .. (یہ آپ کے الفاظ ہیں)

آپ نے کسی بھی محدث سے اس راوی کو ثقہ ثابت کرنے کی جرأت نہیں کی صرف میرے تحریر کردہ الفاظ میں الفاظ جرح تو حذف کر دیئے اور الفاظ تعدیل وہ بھی چوتھے پانچویں اور چھٹے طبقے کے لکھ کر راوی کو ثقہ ثابت کرنے کی ناکام سعی کی۔

آپ نے فرمایا۔

اگر یہ حدیث غلط اور جھوٹی ہے محض مؤمل بن اسماعیل کی وجہ سے تو پھر وہ سچا، لائق حسنہ، نیک ثقہ راوی بزرگ سنی شیخ سنت کا دلدادہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو اجتماع نقیضین ہے جو کہ محال ہے۔ (بلفظک)

میرے بھائی یہ تو آپ ان محدثین سے پوچھیں جنہوں نے اس راوی کو کثیر الغلط، سئ الحفظ کثیر الوھم۔ منکر الحدیث ضعیف اور لہ اوھام کہا ہے۔

آپ نے امام دارقطنی کا قول، صدوق تو لکھ دیا (جو کہ خود ہی چوتھے پانچویں درجے کا لفظ ہے) لیکن اس کے ساتھ کثیر الخطاء نہیں لکھا آخر کیوں؟

امام ابو حاتم کا قول :صدوق تو دیکھا لیکن اس کے آگے کثیر الخطاء نہ دیکھا۔آپ شدید فی السنۃ پر بڑا زور لگا رہے ہیں، آپ بتا سکتے ہیں کہ

یہ لفظ :الفاظ تعدیل میں ہے اور اگر ہے تو پھر کس درجہ میں ہے۔لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ صرف شور ہی مچائیں گے۔اس لفظ کو الفاظ تعدیل میں سے ثابت نہیں کر سکیں گے

آپ نے شدید فی السنۃ پر بڑا زور دیا ہے تو اس بارے میں بھی سُن لیں۔

علامہ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں۔

ذکر الترمذی : انہ رب رجل صالح مجتھد فی العبادۃ ولا یقیم الشھادۃ

ولا یحفظھا و کذ لک الحدیث لسوء حفظ و کثرۃ غفلتہ (شرح العلل ترمذی لابن رجب ص۹۳ج۱)

امام ترمذی نے بیان کیا کہ بعض اوقات آدمی صالح اور بڑی عبادت کرنے والا ہوتا ہے لیکن شہادت دینے کا اہل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو یاد رکھ سکتا ہے۔اور ایسے ہی سئ الحفظ اور کثیر الغلط راوی ہوتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں۔

ان الرجل یکون صالحا ویکون کذاباً یعنی یحدث

بما لا یحفظ (الجرح والتعدیل ص۳۳ج۱شرح علل ص۹۴ج۱،لفظ لہ)

کہ آدمی صالح ہوتا ہےاوراس کے ساتھ جھوٹا بھی یعنی وہ احادیث بیان کرتا ہےبغیر حفظ کے۔

۔۔۔۔۔سے روایت ہے۔

ذاک رجل صالح وللحدیث رجال (شرح علل ص۹۴ج۱)

یعنی وہ شخص صالح ہے لیکن حدیث کیلئے علیٰحدہ آدمی ہوتے ہیں۔

آپ کے جناب حافظ عبدالمنان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں۔

''راوی کے ثقہ ہونے کیلئے اس کے سچا (صدوق) ہونے کے علاوہ اور صفات بھی درکار ہیں۔۔۔۔۔۔(مسئلہ رفع الیدین ص۱۰۳)

جناب حافظ محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں۔

تطبیق ممکن ہے کہ ویسے تو (صدوق) سچا ہے۔عمداً جھوٹ نہیں بولتا خرابی حفظ کی وجہ سے غلطی ہوجاتی ہے۔اور ہے بھی نیک آدمی اس سے حدیث میں حجت ہےاور متابعت میں قابل اعتبار ہونا کہاں سے لازم آتا ہے۔ (التحقیق الراسخ ص۱۲۴۔گجرات ۱۹۸۵ء)

اور آپ فرمارہے ہیں۔کہ یہ شیخ سئ ہے تو جناب آپ نے دیکھ لیا کہ لفظ شیخ کو علامہ

محمود طحان نے پانچویں درجہ میں رکھا ہے اور خود ہی علامہ موصوف فرماتے ہیں۔ کہ اس درجہ کے راویوں سے بطور دلیل حدیث پیش نہیں کی جاسکتی ہاں بطور تائید ہو تو وہ دوسری بات ہے لیکن آپ تو بطور دلیل پیش فرما رہے ہیں۔

اور لفظ سنی: کا بھی آپ کتب جرح وتعدیل میں سراغ لگائیں اگر صرف اس لفظ سے کوئی راوی اعلیٰ درجہ کا ثقہ ثابت ہو جائے تو مجھے بھی بتا دینا۔ بندہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔

آپ نے علامہ ابن سعد کا لفظ ثقہ تو لکھا لیکن کثیر الغلط نہیں لکھا۔

ع ...... آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

آپ نے میری جن عبارتوں کو بالکل قابل توجہ نہیں سمجھا میں وہ پھر لکھ رہا ہوں تاکہ آپ ان کے بارے میں بھی کوثر وتسنیم سے ڈھلی ہوئی زبان میں کچھ ان محدثین کے بارے میں بھی ارشاد فرمادیں اور جن نوازشوں کا حق دار مجھے گردانا ہے اس میں سے کچھ حصہ ان حضرات کو عطا فرمائیں۔ تو یہ دیکھیں یہ ہیں امام اہل سنت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن یمان ومؤمل اذا اختلفا ؟ قال : دع ذا کانه لین امر هما ، ثم قال مؤمل کان یخطیء۔۔۔ (العلل ومعرفۃ الرجال ص۶۰)

یعنی امام احمد بن حنبل سے یحیٰ بن یمان اور مؤمل کے بارے میں سوال ہوا جب کہ ان دونوں میں اختلاف ہو جائے تو آپ نے فرمایا دونوں کو چھوڑ دو گویا کہ وہ دونوں حدیث میں کمزور ہیں پھر کہا کہ مؤمل حدیث میں خطاء کرتا ہے۔

اب آپ سوال کریں امام احمد سے کہ جناب شیخ سی بزرگ صالح صدوق کو آپ کیسے کہہ رہے ہیں۔ کہ اس کو چھوڑ دو یہ خاطی ہے یہ تو اجتماع نقیضین ہے۔

اور پھر آگے چلئے یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے حوالہ کو بھی آپ نے نہیں چھیڑا آخر کیوں؟ آپ فرماتے ہیں۔

وقال البخاری : منکر الحدیث (معرفۃ الرادۃ ص۱۸۰)

اب آپ تعجب کریں گے امام بخاری پر کہ اتنے اوصاف والے راوی کو یہ کیسے منکر الحدیث کہہ رہے ہیں۔

اب آپ مخلصانہ مشورہ دیں۔حضرت امام بخاری کو کہ ایسے باوصف انسان کو داغدار نہ کریں بلکہ محبت جیفہ دنیا چھوڑ کر عامل بالحدیث کا نمونہ بن جائیں۔ (آپ کے الفاظ)

کیونکہ امام بخاری فرماتے ہیں۔کہ جس کو میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت لینا جائز نہیں۔بلکہ حرام ہے اوراس پر عمل کرنا آپ بہتر جانتے ہیں کہ عامل بالحدیث کا کام ہے یا منکر الحدیث کا۔

آپ نے مجھے فرمایا۔کاش کبھی صدوق،صالح،شیخ جلیل،اور شدید فی السنۃ کے ساتھ بھی پرلے درجے کے الفاظ لکھ دیتے۔کورچشمی اچھی بات نہیں۔(آپ کے الفاظ ص۱)

تو جناب عالی! اوپر والی عبارت پڑھ کر آپ کو معلوم ہوا کہ میں نے ان الفاظ کے ساتھ پرلے درجے کا لفظ کیوں نہیں لکھا۔کیونکہ یہ الفاظ تعدیل میں صریح نہیں ہیں۔ پانچویں چھٹے نمبر پر ہیں۔ان کے ساتھ زبردست یا پرلے درجے کے الفاظ کوئی مکمل نہیں تو نیم پاگل ہی لکھ سکتا ہے۔

آپ نے لکھا۔

محترم۔پرلے درجے کا لفظ کہاں سے آیا ایسا گستاخانہ لفظ سنی شیخ کے حق میں کوئی سنی تو نہیں کہہ سکتا یہ بددیانتی اور میزان عدل ہاتھ میں پکڑ کر ڈنڈی مارنا ثبوت تقسیم الفرد ہے۔ (بلالفاظک)

تو جناب عالی آپ کو شائد علم نہیں کہ ضعیف راوی کی حدیث بھی بعض اوقات بطور تائید پیش کی جاسکتی ہے۔اور فضائل میں مقبول ہے لیکن یہ راوی ایسا ہے جس سے امام

بخاری کے بقول کسی حالت میں بھی روایت لینا جائز نہیں ہے تو کیا ایسا راوی پر لے درجے کا ثقہ ہوتا ہے؟ یا پر لے درجے کا ضعیف۔

اور پھر اس سنی شیخ کو یہ منکر الحدیث امام بخاری فرمارہے ہیں ۔تو کیا اس کو آپ گستاخی کہیں۔ گر انہیں۔امام بخاری اب آپ کے نزدیک گستاخ ٹھہرے یا نہیں۔وہ آپ اب سنی رہے یا کہ بدعتی ہو گئے۔

اور پھر آپ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو سنی مانتے ہیں یا کہ نہیں اور اگر مانتے ہیں تو پھر اپنے تمام وہابی مولویوں کو بدعتی مانتے ہیں یا کہ نہیں۔کیونکہ وہ تمام تو امام صاحب پر بڑی جسارت سے کام لیتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا آپ کے بارے میں گوہر افشانی کرتے ہیں۔

اور پھر امام ابن القطان فرماتے ہیں۔

منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترک الحدیثه (غایۃ التحقیق۔ص ۶۲ للزاهدی غیر مقلد)

یعنی منکر الحدیث ترک کا مستحق ہے۔

تو حضرت کیا۔اعلیٰ درجے کے ثقہ آدمی کی روایات مستحق ترک ہوتی ہے؟ یا پر لے درجے کے ضعیف کی؟ اور پھر اگر میں آپ کے نزدیک ایسے اوصاف والے راوی کو ضعیف لکھ کر بددیانت ٹھہرتا ہوں۔

تو آپ مولوی عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد کو بھی تو کچھ اس میں سے حصہ عنایت فرمائیں جو کہ کہتے ہیں۔

قلت سلمنا ان مومل بن اسماعیل ضعیف ۔(ابکار المنن ص ۱۰۹)

میں کہتا ہوں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مؤمل ضعیف ہے۔

اور پھر امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ۔

جب مؤمل منفرد ہو تو اس کی حدیث پر عمل کرنے سے رک جانا ضروری ہے۔۔۔
کیونکہ وہ ردی حافظہ والا اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے۔(تہذیب التہذیب ج ۱۰
ص ۳۸۰)

اب بتائیں میں نے کون سی ڈنڈی ماری ہے جس راوی کے بارے میں محدثین کی یہ رائے ہو اس کو پرلے درجے کا ضعیف کہنا ڈنڈی ہے تو پھر حق کیا ہے۔ اور اگر یہ کور چشمی ہے تو پھر مروت کیا ہے۔ میں نے امام بخاری کی عبارت کا ترجمہ کیا ہے آپ امام بخاری کی بجائے مجھ پر برس رہے ہیں۔ کور چشمی اور ڈنڈی مارنا تو اس کو کہتے ہیں۔

پھر آگے آپ نے مؤمل بن اسماعیل کے اساتذہ و تلامذہ کا ذکر فرمایا ہے۔ تو حضرت تعدیل نسب سے نہیں ہوتی کہ یہ فلاں کا بیٹا یا فلاں کا شاگرد ہے۔ لہٰذا یہ ثقہ ہے جیسا کہ محدثین نے فرمایا۔ لا ن الاعتبا ر بالعدالة لا بالنسب و الاسم (احکام الفصول للباجی ص ۹۴

آپ نے آگے چند محدثین کی طرف سے مومل بن اسماعیل کی توثیق بیان کی ہے جن میں امام یحییٰ بن معین امام ابوداؤد ہیں۔ آپ کو صرف یہ دو محدث ملے جنہوں نے اس کی توثیق کی لیکن آپ نے دیکھا کہ اس کو منکر الحدیث۔ کثیر الخطاء۔ کثیر الغلط۔ سئ الحفظ۔ ولہ اوھام ضعیف کہنے والے کتنے محدثین ہیں۔

اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔(بلفظک)

اب آپ بتائیں کہ تعدیل کرنے والے آپ کے بقول صرف تین یحییٰ بن معین امام ابوداؤد اور ابن حبان (وہ بھی آپ کے بقول ورنہ ابن حبان نے بھی ربما اخطاء کہا ہے۔ دیکھئے میرا رقعہ سابقہ ص ۲) اور جرح کرنے والے۔ امام احمد بن حنبل۔ امام بخاری امام دارقطنی، ابو حاتم۔ امام سفیان ثوری، ابن قانع محمد بن نصر مروزی، ساجی وغیرہم۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس راوی کے بارے میں آئمہ جرح وتعدیل میں اختلاف ہو جائے اور جس میں جرح وتعدیل اکٹھی ہو جائیں جس راوی کو بعض ثقہ کہیں تو پھر اس کے بارے میں اصول کیا ہے تو آیئے دیکھئے کہ اس بارے میں محدثین کیا فرماتے ہیں۔

علامہ خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

اذا عدل جماعة رجلا وجرحه اقل عددا من المعدلين فان الذى عليه الجمهور العلماء ان الحكم للجرح والعمل به اولىٰ وقالت طائفة بل الحكم للعدالة ، وهذا خطاء۔۔۔۔۔(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص۱۳۴)

جب ایک پوری جماعت ایک شخص کی تعدیل کرے اور تھوڑے سے لوگ اس پر جرح کریں تعدیل کرنے والوں کی نسبت تو جمہور کے نزدیک جرح راجح ہوگی اور اس پر عمل اولیٰ ہوگا ایک گروہ نے کہا کہ تعدیل راجح ہوگی اور یہ غلط ہے۔

امام ابی الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی المتوفی ۴۷۳ھ فرماتے ہیں۔

اذا تفق التجريح والتعديل ، فلا يخلوان يكون التجريح .....

مثل عدد المعدلين او اكثر فلا خلاف فى تقديم التجريح

۔۔۔۔۔(احکام الفصول فی احکام الاصول ص۳۰۹)

یعنی جب جرح اور تعدیل اکٹھی ہو جائیں یا تو جرح تعدیل کی مثل ہوگی یا اس سے زائد یا اس سے کم ہوگی اور اگر جرح کرنے والے تعدیل کرنے والوں جتنے ہوں یا ان سے زیادہ ہوں تو بلا اختلاف جرح مقدم ہوگی۔

امام ابن ہمام اور امام محمد امین المعروف بابر بادشاہ الحسینی الحنفی فرماتے ہیں۔

(اذا تعارض الجرح والتعديل فا لمعروف مذهبان : تقديم الجرح مطلقاً) اى سواء كان المعدلون اقل من الجارحين او مثلهم : او اكثر منهم :

نقله الخطيب عن جمهور العلماء وصححه الرازی والآمدی وابن الصلاح وغیرهم (وهو المختار) (التیسیر التحریر ص۶۰ ج ۳ دارالباز مکۃ المکرمہ)

یعنی جب جرح اور تعدیل میں تعارض ہو جائے تو اس میں دو مذہب مشہور ہیں۔ مطلق طور پر جرح تعدیل پر مقدم ہو گی چاہے تعدیل کرنے والوں سے کم ہوں یا برابر یا زیادہ ہوں اس کو خطیب نے جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ اور امام رازی اور آمدی اور ابن الصلاح وغیرہم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

امام عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں۔

تعارض الجرح والتعديل بان اخبر مزک انه عدل واخبر آخر انه مجروح يرجع خبر الجارح ۔ (کشف الاسرار۔ ص۹۸ ج ۳)

جب جرح اور تعدیل میں تعارض ہو جائے کہ ایک خبر دے کہ یہ راوی عادل ہے اور دوسرا کہے کہ وہ مجروح ہے۔ تو جرح کرنے والے کی خبر کو ترجیح دی جائے گی۔

امام آمدی فرماتے ہیں۔

فقول الجارح يكون مقدما لا طلاعه مالم يعرفه العدل (الاحکام فی اصول الاحکام ۔ ص۱۲۴ ج ۲)

یعنی جارح کا قول مقدم ہو گا اس لئے کہ اس کو اس چیز کی اطلاع ہے جس کو تعدیل کرنیوالا نہیں جانتا۔

یہی بات دیگر بے شمار محدثین نے بھی لکھی ہے وقت کی قلت کے سبب صرف انہی محدثین کے حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ ویسے بھی عقلمند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

تو جناب عالی !اب ارشاد فرمائیں کہ آپ کس اصول وقاعدہ اور کلیہ کے تحت اس راوی کی حدیث کو اعلیٰ درجے کی صحیح روایت قرار دے رہے ہیں اس محدث کا نام لکھیں جس

نے لکھا ہو کہ منکر الحدیث کثیر الوہم کثیر الخطاو کثیر الغلط راوی کی روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت ہوتی ہے نہیں تو آیئے دیکھئے کہ محدثین فرماتے ہیں ۔کہ ایسے راوی کی روایت نا قابل قبول یعنی مردود ہوتی ہے۔

علامہ خطیب بغدادی عبدالرحمٰن بن مھدی سے نقل فرماتے ہیں۔

لا یترک حدیث رجل الا رجلا متهما بالکذب اورجلا الغالب علیه الغلط۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ ص۱۷۳،۱۷۴، شرح علل ص۱۰۹ ابن رجب)

یعنی کسی شخص کی روایت رد نہیں کی جائے گی مگر ایسے شخص کی کہ جو متھم بالکذب ہو اور جس پر غلط غالب ہو (یعنی کثیر الغلط ہو)

حضرت عبداللہ بن مبارک سے نقل فرماتے ہیں۔

یکتب الحدیث الا عن اربعة ، غلاط یرجع و کذاب ،وصاحب بدعة وهو یدعو الی بدعته ورجل لا یحفظ فیحدث من حفظه (کفایة ۱۷۴) ۔

یعنی حدیث لکھی جائے گی مگر چار شخصوں سے نہیں زیادہ غلطیاں کرنے والا جو رجوع نہ کرے۔کذاب، بدعتی (وہ جو اپنی بدعت کی طرف بلائے) اور کمزور حافظہ والا اگر حفظ کے تحت بیان کرے تو۔

امام شافعی سے نقل فرماتے ہیں۔

ومن کثر غلطه من المحدثین ولم یکن له اصل کتاب صحیح لم یقبل حدیثه (کفایة ۱۷۴)

اور جو کثیر الغلط ہو اور اس کے پاس صحیح کتاب نہ ہو تو اس کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

اور پھر نقل فرماتے ہیں۔

قلت لاحمد : متی یترک حدیث الرجل : قال : اذا کان الغالب علیه

الخطاء ۔۔ (شرح علل ترمذی ص۱۱۳ ج۱، لابن رجب)

وآخریھم والغالب علی حدیثه الوھم فھذا یترک حدیثه ۔۔(کفایۃ ۔۱۴۲)

اور دوسرے جن کی احادیث میں وہم ہو (یعنی جو کثیر الوہم ہو) ان کی حدیث ترک کردی جائے گی۔

اور جس راوی کی حدیث میں وہم غالب ہو وہ متروک الحدیث ہے۔ (از ابن مہدی المحدث الفاضل ص۴۰۶)

تو کیوں جناب عالی میرے خیال میں اب آپ کے ان الفاظ کا جواب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا۔

اوصاف کو پس پشت ڈال کر صرف کثیر الغلط اور سئ الحفظ کے الفاظ سے فتح کا بغل بجا دینا میزان عدل کے خلاف ہے۔(آپ کے الفاظ)

کیوں جناب فتح کا بغل غلط بجایا، ان الفاظ کو میں نے کہا کہ ان کے ہوتے ہوئے روایت ھذا مردود ہوگی یہ تو محدثین نے فرمادیا کہ ایسے راوی کی روایت نا قابل قبول ہوگی۔ میزان عدل کے خلاف ان محدثین نے کہا یا میں نے ۔ اور پھر میزان عدل ہے کیا محدثین کے اصول یا آپ کی بے ثبوت گفتگو؟

پھر آپ نے لکھا۔

(سینہ پر ہاتھ باندھنا چھوڑ کر اعلان فرمادیں کہ میں نے حق قبول کرتے ہوئے ۔نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چھوڑ دیئے ہیں۔)

صد افسوس کونسا حق پیش کیا، کیا امام احمد، اسحاق بن راھویہ علی بن المدینی وغیرہم کے استاد کی شان میں گستاخی حق ہے؟ (آپ کے الفاظ ص۲)

الحمدللہ میں نے صحیح لکھا کیونکہ آپ اپنی ہی تحریر کردہ حدیث صحیح کی تعریف کے مطابق

حدیث پیش کرنے سے قاصر رہے اور انشاء اللہ قیامت تک قاصر رہیں گے۔آپ اس کو حق نہیں مانتے۔کیوں؟

اور اگر مذکورہ بالا محدثین کے اسناد کے بارے میں صرف نقل کرنے کے الزام میں میں گستاخ ہو گیا ہوں تو پھر امام بخاری اس کو منکر الحدیث کہہ کر کیا ہوئے۔؟ یہ بھی ذرا تکلیف فرمائیں وہ گستاخ ہوئے یا نہیں اگر ہوئے تو ان کے بارے میں حکم بھی بتادیں۔کہ گستاخ کی بات ماننا ان کو امام المحدثین کہنے والے مومن رہیں گے یا کہ نہیں؟

اور اگر وہ قائل ہونے کے باوجود گستاخ نہیں ہوئے اور میں صرف ناقل ہونے کی وجہ سے گستاخ ہو گیا ہوں تو یہ میزان عدل کے خلاف نہیں اور کیا یہ تقسیم الفرد کے مترادف نہیں۔؟ اُمید ہے آپ اس پر ضرور روشنی ڈالیں گے۔

اگر رواۃ کے بارے میں جرح کرنا گستاخی ہے تو کونسا محدث اس گستاخی سے بچا ہوا ہے۔یہ تو کسی کے استاد کی بات ہے دیکھئے اس سلسلہ میں تو محدثین اپنے باپ کو معاف نہیں کرتے۔

ان قوما سالو االامام علی بن المدینی عن ابیه فقال : سلوا عنه غیری ، فاعا د و المسأ لة .فأ طرق ، ثم رفع راسه فقال : هو الدین ، انه ضعیف ۔ (اعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ٦٦ دمشق ۱۳۴۹ھ۔للسخاوی ومختصر الوجیز فی علم الحدیث ص ۱۰۵ لفظ لہ)

یعنی چند لوگوں نے امام علی بن المدینی سے ان کے باپ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے بارے میں میرے علاوہ کسی اور سے پوچھیں جب دوبارہ وہی مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے تھوڑی دیر بعد اپنا سر اوپر اٹھایا اور کہا کہ یہ دین کا مسئلہ ہے اور وہ (یعنی میرا باپ) ضعیف ہے۔

تو کیوں جناب عالی اسی امام کا آپ نے نام لکھا تھا کہ ان کے استاد پر جرح نقل کرنے پر گستاخ ہو گیے وہ امام اپنے باپ کو ضعیف کہہ رہا ہے تو کیا یہ امام گستاخ اعظم ٹھہرایا کہ نہیں؟

آگے آپ نے لکھا۔

اگر اپنا مسلک مراد لیں وہ تو آپ پیش کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں حالانکہ لکھا تھا کہ رضوی صاحب کا منفی رویہ غیر درست ہے۔مثبت رویہ اختیار کر کے اپنے مسلک کو پیش کریں۔لیکن جرأت نہ کر سکے۔۔۔۔۔۔۔۔۔(آپ کا رقعہ...ص۲)

تجزیہ رضوی

میرے محترم آپ اسی دن فرما دیتے کہ ہمارے پاس سوائے زبانی دعووں کے کوئی صحیح دلیل نہیں تو ہم اپنا مسلک پیش کرتے۔آپ اب بھی لکھ دیں کہ اپنا مسلک صحیح احادیث سے ثابت نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرے پاس کوئی صحیح دلیل ہے تو میں اپنا صحیح مسلک حقہ پیش کرنے میں قطعاً تامل نہیں کروں گا لیکن یہ تو کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا آپ اپنا مسلک ثابت نہ کر کے تسلیم بھی نہ کریں اور مجھے کہیں کہ آپ اپنا مسلک پیش کریں ویسے۔

ع ..... آثار بتاتے ہیں کہ سحر ہونے کو ہے

معلوم ہو رہا ہے کہ آپ یہ تو سمجھ گئے ہیں کہ آپ اپنا مسلک ثابت نہیں کر سکے اگرچہ اب ماننے ہوئے دنیا والوں کا ڈر ملحوظ خاطر ہے اگر میرا رویہ منفی اور غیر درست ہے تو آپ کا رویہ مثبت اور درست ہے۔لہذا آپ ثابت کریں۔کہ آپ اپنے دعووں کے ساتھ صحیح دلائل بھی رکھتے ہیں۔آپ ضعیف، منکر الحدیث، کثیر الغلط راوۃ کی روایات لکھ کر بضد ہیں کہ یہ صحیح ہے تو ایسی باتیں مساجد میں یا اپنی محافل میں تو سنی جا سکتی ہیں۔تحقیق کی دنیا میں ان کی کوئی

حقیقت نہیں ہے۔

آپ کو ہمارے مسلک کے ساتھ کیا آپ خود ہی تو پہلے رقعہ میں لکھ چکے ہیں۔

جب ان کا اپنا مسلک ثابت ہو جاتا تو دوسرا مسلک خود ہی غلط ہو جاتا۔ (آپکا رقعہ ص۱)

تو آپ اپنے اسی اصول پر چلیں اپنا مسلک ثابت کریں شاید ہوسکتا ہے کہ آپ ہمارے مسلک کو غلط ثابت کر سکیں لیکن یہ ناممکن ہے۔

پھر آپ نے گوہر افشانی کی۔

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارا مسلک بیت عنکبوت سے وھنیت میں زیادہ ہے۔۔۔۔۔

(صفحہ مذکورہ بالا)

یہ تو اب ہر ذی شعور کو معلوم ہو جائے گا کہ بیت عنکبوت کس کا مسلک ہے کون دلائل سے عاجز آکر بدزبانی پر اتر آیا ہے جو شخص بھی تعصب سے ہٹ کر تلاش حق کیلئے یہ چند اوراق پڑھے گا جان جائے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے اور کس پر عمل کر رہا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا۔

محترم اہلحدیث بننے کا ارادہ نہیں تو صرف سینے پر نماز میں ہاتھ باندھنے شروع کر دیں۔۔۔۔۔۔۔۔ (ص۲)

کیوں باندھنے شروع کر دوں کہ منکر الحدیث ضعیف، کثیر الغلط کثیر الوھم شخص سے یہ الفاظ ثابت ہیں اس لئے یا آپ اس روایت کو صحیح غیر مجروح ثابت کر بیٹھے۔ کیونکہ عمل کیلئے تو غیر مجروح حدیث کا ہونا ضروری ہے یعنی جس کے کسی راوی پر جرح نہ ہو سکے۔ پڑھے۔

علامہ خطیب بغدادی امام محمد بن یحییٰ الذھلی سے نقل فرماتے ہیں۔

لایجوز الا حتجاج الا بالحدیث الموصل غیر المنقطع الذی لیس فیہ رجل مجھول ولا رجل مجروح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(الکفایۃ ص۳۶)

احتجاج جائز نہیں مگر ایسی حدیث سے جو کہ متصل اور غیر منقطع ہو اور جس میں کوئی شخص مجہول نہ ہو اور نہ ہی مجروح شخص ہو۔

تو اس روایت کو ہم سابقہ صفحات پر محدثین سے مجروح ثابت کر چکے ہیں۔

پھر آپ نے مزید گوہر افشانی فرمائی اور لکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے مسلک سراسر نو ساختہ ہے جس کی تائید قرآن وسنت سے نہیں ہوتی۔ بلکہ بریلوی مسلک کا قدماء میں وجود تک نہ تھا۔۔۔ اس لئے آپ نے مسلک پیش نہیں کیا(لا ن صاحب البیت ادری ما فیه) یہ لفظ آپ کے رقعہ میں ایسے ہی لکھا ہے۔

تجزیہ رضوی

آپ کے بقول مسلک حق اہل سنت وجماعت نیا اور خود ساختہ ہے۔ خود سے مراد اگر مسلمان ہیں تو سر آنکھوں پر کیونکہ یہ مسلک مسلمانوں کا بنایا ہوا ہے۔ کسی یہودی یا نصرانی یعنی انگریز سے اس کی اجازت نہیں لی گئی۔ کسی انگریز کو درخواست دے کر ہم نے استدعا نہیں کی کہ سرکار صاحب بہادر ہمارا نام اہل سنّت منظور فرمائیں۔ یہ نام الحمدللہ اللہ کے پیارے محبوب حضرت نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی زبان اقدس سے نکلا ، صحابہ تابعین مجتہدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم نے اپنایا۔

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ

۱۸۸۶ء میں کس نے انگریز کو درخواست دے کر اپنے فرقہ کا نام الاٹ کروایا تھا۔

کس نے کہا تھا کہ ہمارے فرقہ کو سرکار انگلشیہ کے تحت وہ آزادی ہے جو کسی مسلمان حکمران کے تحت نہیں ہو سکتی۔

کس فرقہ نے کہا تھا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بغاوت تھی اور حنفی لوگوں نے ہی اپنی

عاقبت خراب کی تھی۔

کس نے انگریز کے خلاف جہاد کو حرام قرار دینے کیلئے مستقل ایک کتاب، الاقتصادفی مسائل الجہاد لکھی تھی۔

کس فرقہ کے مولوی کو انگریز نے شمس العلماء کا خطاب دیا تھا۔

کس فرقہ کے مولوی کو حج پر جانے کیلئے انگریز صاحب بہادر نے تعریفی سرٹیفکیٹ دیا تھا کہ جہاں کوئی انگریز ہے اس کی مدد کرے۔

کس کو انگریز نے اپنی جانثاری کی بدولت جاگیر عطا کی تھی۔

اگر اہل سنت کا قدماء میں وجود نہیں تھا تو کیا وہابیوں کا وجود تھا جن کو انگریز نے جنم دیا اور اب خلیجی جنگ میں ان کی حفاظت کیلئے بھی آ گیا۔ حضرت تاریخ پڑھیں۔ ایسی غلط فہمی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر آپ کا مسلک قدیم ہے تو آپ کے پاس اس کے دلائل بھی ہونے چاہئیں۔ اگر ہیں تو کہاں، آپ ہر صدی میں کم از کم صرف بیس ایسے آدمیوں کے نام تو لکھیں جو غیر مجتہد ہونے کے باوجود غیر مقلد ہوں ان کے عقائد توحید ورسالت میں وہی ہوں جو کہ آجکل کے وہابیوں کے ہیں۔ اور مقلدین، حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی وغیرہ کہلانا حرام سمجھتے ہوں اور مقلدین اہلسنت کو مشرک کہتے ہوں فقہ اصول فقہ کو بدعت کہہ کر حرام کہتے ہوں۔ یہ تمام باتیں با دلائل اور با حوالہ ہونی چاہئیں، بے تکی تحریر نہ مانی جائے گی۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

اور میں نے اپنا مسلک کیوں بیان نہیں کیا اس لئے کہ یہ اصول کے خلاف ہے جب ہمارے درمیان تحریر ہوئی تھی تو اس میں آپ نے یہ نہیں تحریر کیا تھا کہ میں اپنا مسلک پیش

کروں ۔لیکن اس کے باوجود اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو مجھے لکھ کر بھیج دیں کہ آپ کا مسلک خودساختہ اور منگھڑت ہے آپ کے پاس کوئی دلائل صیحہ نہیں تو میں اپنا مسلک لکھ کر بھیجوں گا۔

آپ نے لکھا۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار تم سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

یہ ہاتھ کنجر اور تلوار اٹھانے والے ہے ہی نہیں اللہ کے فضل سے یہ تو محبت کے جام پلانے کیلئے ہیں۔حق تحریر کرنے کیلئے ہیں۔باطل سے دفاع کرنے کیلئے ہیں، جوالحمدللہ کر رہے ہیں۔اور آپ نے ابھی تک ان بازوؤں کونہیں آزمایا۔اب انشاءاللہ آزمالیں گے۔

صرف مومل بن اسماعیل کوسئ الحفظ اور کثیر الغلط کہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔پہلے فیصلہ کریں کہ صدوق اور صالح سئ الحفظ اور کثیر الغلط میں کونسی نسبت ہے۔؟ (آپ کے الفاظ)

حیرانگی درحیرانگی یہ ہے کہ ابھی تک آپ کو اس نسبت کا علم نہیں ہوسکا اور اگر واقعی معلوم نہیں تو یہ سوال آپ مجھ پر کیوں کررہے ہیں آپ ان محدثین پر کیوں نہیں کرتے جنہوں نے ان الفاظ کو کہا ہے۔میں نے صرف نقل کیا ہے اگر آپ نے اس نسبت کو معلوم کرنا ہے تو کتب اصول حدیث وفقہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔معلوم ہوجائے گی کہ کیا نسبت ہے۔ اور پھر آپ بغیر دلیل کے بات کرتے ہیں۔آپ نے کسی محدث سے یہ تو نقل نہیں کیا کہ کثیر الغلط ،منکر الحدیث اور سئ الحفظ کی روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوتی ہے۔جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے میں نے بے شمار حوالے دیئے اور مزید استفسار پر مزید حوالے پیش کرسکتا ہوں کہ اس قسم کے راوی سے حدیث لینا جائز نہیں اور اس قسم کے راوی کی حدیث قابل ترک ہے۔آپ نے کس کا حوالہ پیش کیا کہ ایسے راوی کی روایت راجح واعلیٰ درجہ کی صحیح ہوتی ہے۔صرف باتوں سے بات نہیں بنتی یہ حضرت دلائل کی دنیا ہے۔یہاں دلائل چاہئیں بے تکی گفتگو نہیں۔

آپ نے طعفن طبع کیلئے ایک مثال دے کر میرے مبلغ علم کی بات کی۔

ایک دفعہ پدی اپنی..............................

حضرت اب معلوم ہوا کہ پدی والی مثال کس پر صادق آتی ہے۔

حضرت مومل بن اسماعیل کو کثیر الغلط منکر الحدیث کثیر الوہم ثابت کرنا کوئی بہادری تو نہیں آپ ہی بہادر بنیں اس راوی کو اوثق حجۃ۔ اضبط الناس، لیس لہ نظیر، فلاں لا یسئل عنہ، ثقہ ثقہ، ثقہ مامون، ثقہ حافظ کے الفاظ تعدیل جو کہ پہلے تین طبقات تعدیل سے متعلق ہیں ثابت کریں لیکن آپ ایسا تو نہیں کر سکتے۔

تقلیدی زنجیریں تجزیہ کی اجازت کب دیتی ہیں اور نہ ہی عقل علم سے ان کا کوئی رشتہ ہے۔ (آپکے الفاظ)

تو کیا آپ کے نزدیک تمام مقلدین، شافعی، مالکی، حنفی حنبلی عقل وعلم سے کورے ہیں جاہل ہیں۔ آپ دوبارہ سوچیں کہ آپ کی اس عبارت کی زد کہاں اور کس کس پر پڑھ رہی ہے یادرکھئے مومل بن اسماعیل امام احمد بن حنبل (جسکو آپ آئمہ جرح وتعدیل میں مان چکے ہیں) کے اسناد ہیں اور مسند احمد میں کئی ایک احادیث ان سے آپ نے بیان کی ہیں۔

اگر لائق حجت نہ ہوتے تو امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام محدث اور فقیہ ان سے حدیث نہ لیتے ...... اب ان کی حدیث قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو ......

(آپ کے الفاظ ص ۴)

آپ کی یہ عبارت آپ کے یتیم فی التحقیق ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس پوری عبارت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ آپ کو علم حدیث سے کچھ تھوڑا بہت ہی شغف ہو۔ یہ جو آپ نے بیان کیا ہے یہ کہاں کا اصول ہے۔ اگر امام احمد بن حنبل جن کو آپ امام جلیل القدر، محدث، فقیہ تسلیم کر رہے ہیں اگر وہ اس راوی کے بارے میں

خاموش رہتے تب بھی یہ راوی صرف سند کا راوی ہونے کی وجہ سے ثقہ نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ یہ کوئی اصول نہیں ہے۔ آئیے پڑھئے۔

امام باجی مالکی ۴۷۴ھ تحریر فرماتے ہیں۔

روایة الثقة عن الراوی لا یقع بها التعدیل ،هذا مذهب اکثر العلماء۔۔۔۔۔ (احکام الفصول فی احکام الاصول ص ۳۰۱)

یعنی ثقہ آدمی کا کسی راوی سے روایت لینا اس سے اس کی تعدیل نہیں ہوتی یہ اکثر علماء کا مذہب ہے۔

کیوں جی اب معلوم ہوا کہ آپ کی بات کا کیا وزن ہے۔ ہاں یہ بات تب مانی جاسکتی ہے جب کہ کوئی محدث یہ التزام کرے کہ وہ کسی بھی ضعیف راوی سے حدیث نہیں لے گا لیکن امام احمد نے مسند میں ایسا کوئی التزام نہیں کیا۔ دیکھیں امام بخاری نے یہ التزام کیا ہے کہ وہ کسی ضعیف راوی سے روایت نہیں لیتے لیکن اس کے باوجود صحیح بخاری میں ضعیف رواۃ ہیں جو کسی اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ تو حضرت صحیح بخاری کے رواۃ کو معاف نہیں کرتے جب کہ وہ آپ کے خلاف ہوں یہ تو مسند امام احمد ہے جس میں صحت کا التزام بھی نہیں کیا گیا آپ جانتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں امام ابوبکر بن عیاش سے تقریباً بیس روایات لی ہیں۔ لیکن جب وہ ترک رفع الیدین کرتا ہے تو آپ حضرت اس پر جرح شروع کردیتے ہیں۔ اور یہ ساری گفتگو تو تب تھی جب امام احمد بن حنبل اس راوی پر جرح نہ کرتے جب آپ خود ہی اس کو لین الحدیث اور کان یخطی یعنی حدیث میں کمزور اور خطا کار فرما رہے ہیں تو پھر اتنی بحث کی کیا ضرورت تھی۔

آپ نے لکھا۔ اگر لائق حجت نہ ہوتے تو امام اس سے روایت کیوں لیتے۔

یہ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ وہ اس کو لین الحدیث اور کان یخطی فرما کر حدیث بھی

لے رہے ہیں۔تو انہوں نے ایسا کیوں کیا یہ اعتراض امام احمد پر ہے نہ کہ مجھ پر۔

قصداً تین احادیث ذکر کیں ورنہ وضع الیدین علی الصدر کی احادیث بکثرت ہیں۔

(آپ کے الفاظ)

تجزیہ رضوی

وہ بکثرت احادیث جن میں وضع الیدین علی الصدر ہو کہاں ہیں اگر ہیں تو پیش کیوں نہیں کی گئیں اِدھر اُدھر کیوں بھاگ رہے ہیں الفاظ سے کیوں مطلب نکال رہے ہیں جب صراحت کے ساتھ علی الصدر کے الفاظ موجود ہیں تو پھر یہ۔۔۔۔۔ذراعہ کے الفاظ پر بحث کیوں لیکن خدا جانتا ہے کہ آپ صرف دفع الوقتی سے کام چلا رہے ہیں دنیاوی عزت کی خاطر آپ غلط بات پر اَڑ گئے ہیں وگرنہ دلائل آپ کے پاس ہرگز ہرگز نہیں ہیں۔

لیکن پہلے اسی حدیث وائل بن حجر پر غور کرو جو کہ صحیح ہے۔ (آپ کے الفاظ)

اگر اب بھی آپ اس حدیث کو صحیح کہہ کر رہے ہیں تو پھر اس ہٹ دھرمی کا میرے پاس تو کوئی علاج نہیں ہے۔اگر منکر الحدیث، کثیر الغلط، کثیر الوہم، سئ الحفظ راوی کی حدیث صحیح ہے۔تو پھر دنیا میں ضعیف روایت نام کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور پھر ضعفاء پر کتب لکھنے والے تو معاذ اللہ آپ کے نزدیک سب کے سب بے وقوف تھے اور جن محدثین نے کہا کہ ایسے راوی کی احادیث قابل ترک ہیں۔وہ سب صحیح احادیث کے تارک ہو گئے۔

؎ اس ادا پہ کون نہ مر جائے اے خدا کہ لڑتے ہیں اور ہاتھوں میں تلوار بھی نہیں

دلائل سے نہیں اور بار بار صحیح صحیح کی رٹ لگا رہے ہیں۔یہ کہاں کا انصاف ہے آگے آپ نے صحیح ابن خزیمہ کا تعارف کرایا ہے لیکن بات پھر بھی نہیں بنی بلکہ الٹی آپ نے اپنے آپ پر حجت قائم کر لی۔آپ نے لکھا۔

ترجمہ : صحیح ابن خزیمہ کا مرتبہ صحیح ابن حبان سے اعلیٰ ہے کیونکہ انہوں نے صحیح احادیث جمع کرنے میں بڑی محنت اور جدو جہد کی ہے حتیٰ کہ اگر سند میں معمولی کلام ہوتو وہ اس کی تصحیح میں توقف کرتے ہیں اور اس طرح کہتے ہیں کہ اگر خبر صحیح ہو یا اگر ثابت ہو اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ (آپ کے الفاظ)

تجزیہ رضوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں بڑی محنت کی ہے لیکن کیا اسکا ہر ہر راوی صحیح ہے اور ہر ہر لفظ صحیح ہے اس کے بارے میں آپ دلائل پیش فرمائیں۔

اور پھر آپ کی اس تحریر سے تو ہمارا موقف ثابت ہو رہا ہے۔ الحمدللہ آپ نے لکھا کہ جس روایت میں کلام ہو یعنی ضعیف ہو اگر معمولی ہو تو آپ اس کی تصحیح میں توقف کرتے ہیں تو جناب عالی الحمدللہ ہمارا موقف آپ کی قلم سے ثابت ہو گیا امام ابن خزیمہ نے اس روایت کی تصحیح نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح ابن خزیمہ میں ہونے کے باوجود اس کے مصنف کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور پھر یہ معمولی ضعیف بھی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے کہنے کے مطابق اگر ضعف ہوتا تو مصنف کم از کم اتنے الفاظ تو ضرور لکھتے۔ اگر خبر صحیح ہو یا اگر ثابت ہو........ چونکہ یہ الفاظ مصنف نے نہیں لکھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث مصنف کے نزدیک بھی بقول آپ کے نزدیک زبردست ضعیف ہے۔ اب آپ کا یہ لکھنا۔

لہٰذا حدیث وائل بن حجر ابن خزیمہ کی شروط کے مطابق صحیح ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ٦)

کیسے صحیح ہو سکتا ہے اگر یہ حدیث مصنف کے نزدیک صحیح تھی تو انہوں نے اس کی تصحیح کیوں نہیں کی۔ خاموشی کیوں اختیار فرمائی۔ اور اگر آپ فرمائیں کہ چونکہ صحیح میں موجود ہے لہٰذا صحیح ہے تو جن دوسری احادیث کی مصنف نے تصحیح فرمائی ہے وہ کیوں فرمائی ہے۔ آپ خود

تسلیم فرما چکے ہیں۔ کہ جس کی مصنف تصحیح نہ فرمائے وہ صحیح نہیں ہوتی۔ اب اپنی بات کا رد کرنا اچھا نہیں لگتا۔ آگے آپ نے حافظ ابن حجر کے حوالے فتح الباری سے پیش فرمائے۔ تو حضرت یہ بھی سینہ زوری ہے فتح الباری میں بے شمار ایسی احادیث ہیں جو کہ ضعیف ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے ان کی تضعیف نہیں فرمائی ویسے بھی یہ کون اصول نہیں ہے کہ جس حدیث کو حافظ صاحب ضعیف نہ فرمائیں وہ صحیح ہی ہے وہ کسی کے نزدیک بھی ضعیف نہیں ہو سکتی ہے اگر یہ اصول ہے تو با حوالہ بیان فرمائیں۔ اور پھر آپ کے کہنے کے مطابق حافظ صاحب نے تو قبیصہ بن ہلب کی روایت پر بھی سکوت فرمایا ہے تو کیا مجہول راوی کی روایت حافظ ابن حجر کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

الجهالة تتوجب ضعف الحديث ،ولا حجة فی رواية المجهول

تخریج: فتح الباری ص۲۴۶ ج۱ ص۳۴۸ ج۳ ،ص۶۳۵ ج۶ ص۳۱۷ ج۹ ص۴۰ ،۱۹۵ ج۱۰۔

جہالت حدیث میں ضعف کو واجب کرتی ہے اور مجہول کی روایت حجت نہیں ہوتی۔

اهل الجهالة ليسوا عدولاً (فتح الباری ص۶۲۵ ج۶، ص۶۳۳ ج۹ ص۵۴۸ ج۱۱)

یعنی مجہول راوی عادل نہیں ہوتے۔

اور آپ صحیح حدیث کی تعریف میں عادل ہونے کی صفت رقم فرما چکے ہیں اب بتائیں آپ کا اصول کدھر گیا۔ بقیہ اس پر بحث حدیث قبیصہ پر ہوگی۔ انشاء اللہ المولیٰ۔

امام نووی نے اس کو خلاصہ اور شرح المہذب اور شرح مسلم میں ذکر کیا اور اس سے حجت پکڑی ہے۔ (آپ کے الفاظ ص۶)

آپ کی عبارت پڑھ کر مجھے یہ شعر یاد آ گیا۔ برا نہ مانیے گا۔ یہ شعر برائے شعر ہے۔

؎ بھرم کھل جائے گا ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرح پر پیچ وخم کا پیچ و خم نکلے

میرے خیال میں آپ نے دیگر عبارات کی طرح یہ عبارت بھی کسی سے نقل مار کر لکھی ہے شرح المہذب اور خلاصہ آپ نے آج تک دیکھی بھی نہیں ہوگی۔

امام نووی فرماتے ہیں۔

ان مذهبنا ان المستحب جعلها تحت صدره فوق سرته وبهذا قال سعيد بن جبير داؤد وقال ابو حنيفة والثوری واسحق ويجعلها تحت سرته وبه قال ابو اسحق المروزی من اصحابنا وحكاه ابن المنذرعن ابی هريرة والنخعی وابی مجلز وعن علی بن ابی طالب ۔۔۔۔۔ (المجموع شرح المہذب ص ۳۱۳ ج ۳ للنووی)

نماز میں ہاتھ رکھنا: ہمارا مذہب یہ ہے کہ سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھنے مستحب ہیں اور یہی کہا سعید بن جبیر اور داؤد نے اور امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری و اسحٰق نے فرمایا کہ ناف کے نیچے رکھے اور یہی کہا ابو اسحٰق مروزی نے ہمارے اصحاب (شوافع) میں سے اور ابن المنذر نے حکایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ امام ابراہیم نخعی اور ابو مجلز اور حضرت علی بن ابی طالب بھی ناف کے نیچے ہی رکھتے تھے۔

تو جناب عالی! آپ کی پیش کردہ روایت امام نووی کی دلیل بھی نہیں بن سکتی تو انہوں نے استدلال کیسے کرلیا۔ میرے خیال میں آپ نے اپنا زیادہ تر بلکہ تمام مضمون فتاویٰ ثنائیہ وغیرہ سے نقل کر دیا ہے۔ اصل کتب دیکھنے کی تکلیف گوارہ نہیں فرمائی۔

وجہ نمبر ۵ : حدیث وائل بن حجر کی تصحیح ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں کی ہے۔ واللہ اعلم

آپ نے یہ عبارت کس کتاب سے نقل کی ہے کیونکہ یقیناً شرح ترمذی لابن سید الناس تو آپ نے دیکھی نہیں ہے۔اور اگر یہ تصحیح ابن سید الناس سے ثابت ہو جائے۔تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔کسی کے ضعیف حدیث کو صحیح اور صحیح کو ضعیف کہہ دینے سے وہ ضعیف صحیح نہیں ہو جاتی جبکہ اس میں رواۃ ضعیف ہوں اور پھر ابن سید الناس محدثین آئمہ جرح وتعدیل کے کس طبقہ کے آدمی ہیں۔کسی طبقہ میں آتے بھی ہیں یا کہ نہیں یہ تو آپ نے ابھی بیان ہی نہیں فرمایا۔یہ بھی مہربانی فرمائیں کہ ان کا طبقہ وحیثیت بھی بحوالہ بیان فرمائیں۔

وجہ نمبر۶ :۔ ابن امیر الحاج..............

انہوں نے اس حدیث کی صراحت کے ساتھ تصحیح نہیں فرمائی جیسا کہ آپکی عبارت سے ظاہر ہے اگر تصحیح فرمائی ہے تو بیان فرمائیں۔

وجہ نمبر۷ :۔ علامہ بدرالدین عینی..............

اس میں بھی علامہ عینی نے اس حدیث کی تصحیح نہیں فرمائی ۔لہٰذا یہ دلائل آپ کیلئے چنداں مفید نہیں ہیں ۔اگر انہوں نے اس حدیث کو ســـنــداً متــنــاً صحیح کہا ہے۔تو آپ بالصراحت حوالہ کیوں نہیں دیتے ؟

اور پھر چونکہ امام شافعی کا اس حدیث پر عمل ہی نہیں ہے جیسا کہ میں نے پیچھے علامہ نووی کے حوالہ سے بیان کیا ہے بلکہ آئمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا بھی سینہ پر ہاتھ باندھنا مذہب نہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ضرور کوئی علت تھی جس کی وجہ سے کسی بھی امام نے اس پر عمل نہیں کیا اور مزید دیکھئے۔

واختلفوا فی محل وضع الیدین فقال ابو حنیفة تحت السرة وقال مالک والشافعی تحت صدره وفوق سرته وعن احمد روایتان اشهرهما

وھی التی اختاھا الحرقی کمذھب ابی حنیفة ۔

(رحمۃ الامۃ فی اختلاف الآئمۃ ص ۳۲ للابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن شافعی ۔ ملتان)

یعنی ہاتھ رکھنے کی جگہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ نے ناف کے نیچے، فرمایا اور امام مالک وشافعی نے سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر فرمایا، اور امام احمد سے دو میں سے مشہور روایت وہ ہے جس کو حرقی نے اختیار کیا ہے اور وہ ہے امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق یعنی ناف کے نیچے۔

میرے خیال میں اب آپکی اس عبارت کا جواب ہوگیا کہ۔

علاوہ ازیں آپ نے امام شافعی کو آئمہ جرح وتعدیل میں خود تحریراً لکھ کر اقرار کیا ہے۔ لہٰذا آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل پر عمل کریں۔ کیونکہ وہ حدیث کو صحیح سمجھ کر اس کے عامل ہیں نہ کہ غلط سمجھ کر ورنہ اپنی تحریر میں ترمیم کیلئے کوشش کرو (آپ کے الفاظ ص ۵)

جب انہوں نے اس حدیث پر عمل ہی نہیں کیا پھر اس کو صحیح سمجھنے کے کیا معنی۔ اور اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ انہوں نے اس کو صحیح سمجھ کر عمل کیا ہے تو آپ مجھے کس اصول کے مطابق ان کے عمل پر عامل ہونے کیلئے فرما رہے ہیں۔ یہ تو بالکل بچگانہ سوال ہے۔ کیا جو بھی آئمہ جرح وتعدیل میں سے ہوگا اس کے مذہب پر عمل کرنا ضروری قرار پائے گا۔ یہ اصول کس محدث کا ہے اور پھر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد تو نہیں ہوں میں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بات مجھ پر کیسے حجت ہوسکتی ہے۔ اس لئے مجھے عبارت میں ترمیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں البتہ آپ اپنی سوچ میں ترمیم فرمائیں اور اس کو علمی سوچ بنائیں۔ ایسے سوالات کر کے تو آپ اپنی علمیت کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ رہے ہیں۔ علمی اور اصولی گفتگو فرمایا کریں۔ اس میں عزت ووقار بلند ہوتے ہیں۔

رضوی صاحب۔اپنے اسلاف سے بھی منحرف ہو گئے اور تنکوں کے سہارے تلاش کرتے ہیں۔...........(آپ کے الفاظ ص ۵)

الحمدللہ میں نہ تو اپنے اسلاف سے منحرف ہوا ہوں اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلاف نے کب فرمایا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھو کیونکہ یہ سنّت ہے اور میں نے اس کا انکار کردیا ہے میرے محترم جب ایسا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے تو پھر منحرف ہونے کی کیا بات ہے۔اور کاش آپ ان تنکوں کے نام بھی لکھ دیتے۔جن کا میں سہارا لے رہا ہوں ابھی تک تو میں نے کسی غیر معروف شخصیت کا دامن نہیں تھاما کسی ایسے شخص کا حوالہ نہیں دیا۔جس کو تنکا کہہ سکیں۔معتبر محدثین کے حوالہ سے تحریر کیا ہے آپ نے کس کو تنکہ سمجھا جس کا میں سہارا لے رہا ہوں۔

علامہ عینی کا مقام بیان کیجئے۔ (آپکے الفاظ)

علامہ عینی کا مقام بیان کرنے سے آپ کو کونسا فائدہ ہوگا کیا علامہ عینی نے یہ فرمادیا ہے کہ ہاتھ سینہ پر باندھنے چاہئیں۔جب نہیں فرمایا تو پھر علامہ عینی کے مقام سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔رعلامہ عینی کے حوالہ کے سلسلہ میں آپ کی دیانتداری عنقریب بیان ہوگی

حدیث نمبر۲: حدیث سھل بن سعد۔(صحیح بخاری ص۱۰۲ ج۱،موطاء امام مالک ص۱۱۱)

معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ اپنے دعوٰی سے دستبردار ہو رہے ہیں کیونکہ اس میں علی الصدر والے الفاظ نہیں ہیں اور آپ کے ساتھ ہماری گفتگو صرف علی الصدر والی بات پر ہے۔ یہ حدیث شریف بالکل آپ کے مذہب کے مطابق نہیں ہے یہ صرف ہٹ دھرمی ہے۔کہ آپ اس حدیث کو اپنی تائید میں پیش فرمارہے ہیں کسی معتبر محدث سے نقل فرمائیں کہ اس حدیث سے سینہ پر ہاتھ باندھنے ثابت ہو رہے ہیں۔آپ کی بات قابل حجت نہیں ہے۔

اگر اس حدیث سے سینہ پر ہاتھ باندھنے صراحتاً ثابت ہو رہے ہوتے جیسا کہ آپ کا

دعویٰ ہے تو حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی یہ کبھی نہ فرماتے۔ابھم موضعه من الذراع:
(فتح الباری) یعنی ہاتھ کلائی کے کس حصہ پر رکھنے ہیں اس میں ابہام ہے۔کیونکہ اگر کلائی بڑی انگل سے لیکر کہنی تک ہے تو پھر ہاتھ صرف گٹ تک کہلاتا ہے اب آپ اتنے ہاتھ کو پوری کلائی پر کیسے پھیلا سکتے ہیں۔

اور جیسی تشریح آپ نے کی ہے یعنی بازو پر بازو باندھنا تو پھر میرے بھائی شاید ایسے باندھنے سے ناف کے نیچے تو چلے جائیں اگرچہ بتکلف لیکن سینہ پر ہرگز ہرگز نہیں جاسکتے۔ آپ مجھے مخلصانہ مشورے دے رہے ہیں۔خود ہی ذرا اس پر عمل کریں کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی کہنی تک پہنچا کر ذرا سینہ پر رکھ کر تو دیکھیں سینہ پر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر نارمل حالت میں ایسے ہاتھ باندھے جائیں بتکلف اکڑا نہ جائے تو ہاتھ بالکل ناف کے اوپر آئیں گے نہ کہ سینہ پر اور آپ کا کہنا کہ سینہ پر ہی رہتے ہیں صرف سینہ زوری ہے حقیقت نہیں ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں ذراع پر ذراع نہیں بلکہ ذراع پر ید یعنی کلائی پر ہاتھ مراد ہے۔اور اہل سنت الحمدللہ کلائی پر ہی ہاتھ رکھتے ہیں یعنی گٹ کے ساتھ کلائی پر بھی ہاتھ کا کچھ حصہ آتا ہے۔جیسا کہ آپ نے آگے نسائی کے حوالہ سے خود ہی بیان کر دیا ہے۔

حدیث نمبر۳ : ازنسائی شریف وائل بن حجر

کتاب الافتتاح باب موضع الیدین من الشمال فی الصلوٰة .....ثم وضع یده الیمنی علی کفه الیسرو الرسغ والساعد ------(آپ کے الفاظ ص ۷)

اب دیکھیں جناب مسئلہ حل ہو گیا دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی پر اس طرح رکھیں کہ ہاتھ ہتھیلی پر اور گٹ پر سے ہوتی ہوئی انگلیاں کلائی تک پہنچ جائیں تو اس حدیث پر عمل ہو گیا

اور الحمدللہ اہل سنت اس طرح نماز میں ہاتھ باندھتے ہیں اور جیسے آپ کہتے ہیں اگر اسی طرح باندھے ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثم وضع ذراع الیمنٰی علی کفه والرسغ والساعد فرماتے یا وضع ذراع و الیمنٰی علی ذراعه الیسریٰ فرماتے ہیں لفظ ید کا استعمال نہ کیا جاتا۔ قطع ید کہاں سے ہوگا کہنی سے یا گٹ سے تو ہاتھ کہنی تک کہلائے گا یا گٹ تک، ہاتھ اور ذراع میں کیا فرق ہے اس کو آپ واضح فرمائیں تاکہ آپ کیلئے مسئلہ آسان ہو علاوہ ازیں اس حدیث سے رفع الیدین عندالرکوع وعندالرفع منہ ثابت ہے۔ جس کے آپ منکر ہیں۔ (آپ کے الفاظ۔ ص ۷)

اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے جس پر آپ کا عمل نہیں بلکہ آپ صرف کندھوں تک کے قائل ہیں اور پھر کونسا حصہ کانوں تک جاتا تھا صرف انگلیاں یا کہنی تک تو ثابت ہوا کہ ہاتھ ہتھیلی کا نام ہے انگلیوں سے لیکر گٹ تک۔ اگر ہاتھ کہنی تک ہوتا تو ارسغ والساعد علیحدہ نہ فرمایا جاتا۔

حدیث نمبر۴: ازصحیح ابن خزیمہ :۔

ثم وضع یده الیمنٰی علی ظهر کفه الیسری والرسغ والساعد ۔اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔اور اس میں بھی دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر اس طرح رکھنے کا بیان ہے کہ اس کا کچھ حصہ گٹ اور کلائی تک پہنچ جائے تو ہم اہل سنّت الحمدللہ اس پر عمل کرتے ہیں۔آپ نے یہ تین احادیث پیش کر کے ہمارے دعوے کی تائید کر دی ہے کہ روایت ابن خزیمہ صحیح نہیں ہے اور علی الصدر کے الفاظ صرف مومل بن اسماعیل نے ہی بڑھائے ہیں۔ جو کہ ضعیف راوی ہے۔اگر یہ الفاظ صحیح ہوتے تو ان احادیث میں بھی ہوتے لیکن چونکہ صحیح نہیں تھے لہٰذا دیگر محدثین نے ان کو قبول نہیں کیا۔

چنانچہ اس حدیث کی وضاحت محدث البانی۔۔۔۔۔۔کرتے ہیں۔ (آپکےالفاظ)

یہ البانی کون ہے انتہائی متعصب غیر مقلد مولوی صحیحین کی احادیث کوضعیف کہنے والامحدثین کرام پر ناروا حملے کرنے والا اچھا محدث چُنا ہے آپ نے ،اگر اس اپنے نام نہاد محدث کی کارستانی دیکھنے کا شوق ہوتو محمود سعید ممدوح کی تالیف ''تنبیہ المسلم الی تعدی البانی علی صحیح مسلم'' والتعریف باوھام من قسم سنن الی صحیح وضعیف۔ملاحظہ فرمائیں۔اگر واقعی اس سے وہی چیز ثابت ہوتی ہے جس کو آپ کا محدث البانی ثابت کر رہا ہے تو (متقدمین میں سے) کسی محدث نے یہ نتیجہ کیوں اخذ نہیں کیا۔

لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ غیر صحیح مسلک کی خاطر احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کی سعی کا شرف رضوی حصہ میں آیا۔ .... (آپ کے الفاظ ص ۸)

غیر صحیح مسلک کونسا ہے یہ تو اب ہر اس شخص کو معلوم ہو جائے گا۔جو بھی یہ چند اوراق پڑھ لے گا۔اور جہاں تک احادیث جھٹلانے کا تعلق ہے تو یہ الزام ہے جو کہ سراسر گناہ ہے جو صرف آپ جیسے عالم دین کو ہی زیبا ہے۔

اور محض کثیر الغلط کے دھوکے میں پھنس کر اپنی ذاتی منفعت کی خاطر مقصد کی بات لکھ کر میزان توڑنے میں مہارت دکھائی اور چابکدستی سے حاشیہ صحیح ابن خزیمہ کی عبارت قطع وبرید کر کے لکھ دی۔۔۔۔۔(آپ کے الفاظ ص)

جناب محض کثیر الغلط نہیں بلکہ کثیر الوہم سیٔ الحفظ اور منکر الحدیث بھی کہیں۔آپ اتنے الفاظ حذف کر دیں تو میزان قائم رہے اور ہم صحیح بات بھی لکھیں تو میزان عدل ٹوٹ جائے کیا بات ہے۔آپ کے انصاف وعدل کی۔

اور اگلی عبارت لکھنے سے شرما گئے۔کیونکہ یہ ان کی پرانی عادت ہے۔محترم آگے بھی لکھتے تو بددیانتی کا اظہار نہ ہوتا۔۔۔۔۔ (آپ کے الفاظ)

جناب عالی! اگر علم ہوتا تو آپ مجھ پر بددیانتی کا الزام نہ لگاتے بلکہ اپنے مذہب پر روتے میں نے اگلی عبارت کیوں نہیں لکھی اس لئے کہ اس کا تعلق روایت کی سند کے ساتھ نہیں تھا بلکہ متن کے ساتھ تھا اور میں جرح کر رہا تھا راوی پر تو ابن خزیمہ کا محشی بھی اس راوی کے ضعف کا قائل ہے۔ اور اسنادہ ضعیف لان مومل بن اسماعیل سئ الحفظ لکھتا ہے تو سوال یہ ہے کہ جب اس روایت کی سند ہی ضعیف ہے تو پھر یہ صحیح کیسے ہوگئی جہاں تک دوسرے طرق کی بات ہے۔ وہ آپ ثابت نہیں فرما سکے مذکورہ بالا تین احادیث اس کی موید نہیں بن سکتیں کیونکہ ان میں علی صدرہ کے الفاظ ہی نہیں ہیں۔

اور پھر آپ نے یہ عبارت لکھ کر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے وہ اسطرح کہ شاہد وموید کی ضرورت ضعیف روایت کو ہی ہوتی ہے۔ جب وہ خود اعلیٰ درجے کی صحیح ہو تو اس کے لئے مویدات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ محشی اور آپ دونوں نے اس عبارت کے ساتھ ہمارے موقف کی تائید کردی ہے۔ الحمدللہ رب العالمین۔

حدیث نمبر ۵:۔ یہی حدیث طبرانی میں دوسری سند کے ساتھ مروی ہے جیسا کہ ــــــ (آپ کے الفاظ ص ۸)

ہاں اس روایت میں علی صدرہ کے الفاظ ہیں یہ روایت آپ کی جان چھڑا سکتی تھی۔ اگر اس کی سند صحیح ہوتی۔ اور اگر سند صحیح ہوتی تو آپ ضرور لکھتے۔ میرے محترم یہاں ایسی بے تکی تحقیق نہیں چلے گی۔ آپ صفحات سیاہ کرنے کی بجائے ایک دو ہی صحیح صریح غیر مجروح روایت پیش کر کے اپنا مذہب ثابت کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ہر قسم کی رطب ویابس اشیاء پیش کر کے مزید اپنے مذہب کو رسوا فرما رہے ہیں۔ آپ اس حدیث کی سند پیش فرمائیں تاکہ آپ کی تحقیق کی داد دی جاسکے۔ لیکن آپ سند لائیں گے کہاں سے طبرانی

تو آپ نے دیکھی بھی نہیں ہوگی نام کے غیر مقلد ہیں۔ لیکن احادیث پیش کرنے میں صاحب فتح الغفور کے مقلد نظر آرہے ہیں غیر مقلد تو خود تحقیق کے مدعی ہیں یہ رسالہ کی تحقیق پر کب سے عمل شروع ہوگیا ہے۔؟

علامہ نووی نے بھی اس کو خلاصۃ الاحکام میں بیان کیا ہے۔ (آپ کے لفظوں کا مفہوم ص ۸)

کسی کے بیان کرنے سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔ اگر سند صحیح ہے تو پیش فرمائیں بیان تو آپ نے بھی کردی ہے۔ تو کیا دلیل بن گئی۔

فصل لربک وانحر ۔پس اپنے رب کی نماز پڑھ اور داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر نحر کے قریب باندھیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۹)

یہ ہے مصنوعی تحریف فی القرآن آپ کا یہ ترجمہ پڑھ کر خیال آیا کہ آپ ہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کسی نے خوب اشارہ کیا ہے۔

خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے ایسے فقیہان حرم بے توفیق

آپ نے اس آیت کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہے۔

تفسیر خازن میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وقال ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ فصل لربک والنحر ای ضع یدک الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ عند النحر۔

کہ حضرت ابن عباس نے فصل لربک والنحر کا معنیٰ بیان کیا ہے کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر نماز میں نحر کے قریب سینہ پر باندھیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۹)

جناب مولانا اتنی زیادتی بھی نہیں چاہئے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہرگز

ہر گز صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے اگر ہے تو اس کی سند بیان کریں کیونکہ سند کے بغیر تو کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں ہوتی سنیئے۔ محدثین کیا فرماتے ہیں۔

حدثنا الحسین بن اسحق الا صبهانی با لکرج قال : حدثنا حمید بن الربیع الخزاز قال : حدثنا مالک بن زیاد عن میمون بن مهران عن ابن عباس قال : هذاالعلم دین فا نظرو اعمن تا خذون دینکم : (کتاب المجروحین لابن حبان ص۲۱وص۸۲ج۱۔دارالمعرفۃ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔کہ یہ علم (علم حدیث) دین ہے تو جس شخص سے دین حاصل کرر ہے ہو اس کو دیکھو۔

یہی بات ابن سیرین، زید بن اسلم، حضرت ابو ہریرہ، حسن بصری، ضحاک بن مزاحم ،ابراہیم نخعی رضوان اللہ علیہم وغیرہم سے ثابت ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔کتاب العلل للترمذی ،کتاب المجروحین ابن حبان، کفایۃ للخطیب ،لا داب الراوی والسامع ص ۱۲۹ ج ا، الجرح والتعدیل، المحدث الفاصل وغیرہ۔

لہٰذا آپ پر یہ قرض ہے کہ آپ اس ''النحر'' کی سند صحیح بیان فرمائیں۔

تفسیر حضرت علی :

علامہ البیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے والنحر کا معنٰی بیان کیا ہے۔.....

نمبر ا :۔ عن علی رضی اللّٰہ عنہ فصل لربک والنحر ھو وضعک یمینک علی شمالک فی الصلوٰۃ ..... (آپ کے الفاظ ص۹)

سچ کہتے ہیں۔کہ''جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے''یہ روایت لکھ کر آپ نے اپنے مذہب کا بیڑا ہی بٹھا دیا۔ابھی ص ۷ پر آپ یہ ثابت کرر ہے تھے کہ بازو پر باز و باندھنا صحیح

حدیث کے موافق ہے یعنی دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی کہنی تک جانی چاہئیں ۔اور آپ مجھے دعوت دے رہے تھے کہ۔

اگر مشاہدہ کرنا چاہیں تو اپنا داہنا ہاتھ تو موافق حدیث بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، گٹ اور کلائی پر رکھیں تو ہاتھ زیرناف نہیں جاسکتے............(آپ کے الفاظ)

تو جناب اب خود ہی فرمارہے ہیں کہ

اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی کے درمیان سینہ پر رکھا!

اب بتائیں کہ اگر داہنا ہاتھ بائیں کلائی کے درمیان تک جائے تو پھر ہاتھ باندھنا آپکے نزدیک صحیح حدیث کے موافق ہوگا یا کہ نہیں؟ تو ثابت ہوا کہ آپ نے جو شرح ان احادیث کی، کی تھی وہ غلط تھی۔ داہنا ہاتھ بائیں کلائی کے نصف تک جانا چاہئے۔اب آپ جواب دیں کہ وہ طریقہ صحیح تھا جو کہ آپ نے خودساختہ بیان کیا تھا یا کہ یہ طریقہ صحیح ہے جو بقول آپ کے حضرت علی سے ثابت ہے۔

؎ الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ ہی اپنے دام میں صیاد آ گیا

نمبر۲ :۔ آپ آثار صحابہ پیش فرمارہے ہیں جبکہ آج کل کے غیر مقلدین کے نزدیک قول وفعل صحابی حجت ہی نہیں ہے۔حوالہ کیلئے ملاحظہ ہوں کتب غیر مقلدین آپ کے جناب حافظ عبدالمنان صاحب لکھتے ہیں۔

موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی (یعنی قول وفعل صحابی) شرعی دلائل میں سے کوئی سی بھی دلیل نہیں۔ (مسئلہ رفع الیدین ص ۱۴)

تو جناب عالی !جب قول وفعل صحابی آپکے نزدیک حجت ہی نہیں ہے تو اس کو آپ بطور دلیل پیش کیوں فرمارہے ہیں۔

نمبر۲:۔ میرے خیال میں آپ نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ کوئی رطب یابس شے آپ چھوڑیں گے نہیں۔

جناب عالی! پہلے دن لکھا یہ گیا تھا کہ دلیل کے طور پر آپ صحیح صریح مرفوع حدیث پیش فرمائیں گے، اور ابھی تک اپنے وعدہ کے موافق ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث پیش نہیں فرمائی اور اب آپ اپنے مذہب کے خلاف حدیث ہونے پر پردہ ڈالنے کیلئے منکر الحدیث رواۃ وضعیف آثار کا سہارا لے رہے ہیں لیکن ایسے کام نہیں چلے گا۔ آپ نے سوچا ہو گا کہ چلو جو چاہو لکھ مارو۔ کسی کو کیا پتہ چلے گا لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ کے فضل سے آپ کی ان چالاکیوں کو جاننے والے ابھی زندہ ہیں۔

پڑا دل جلوں سے تجھے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دوں تو...نام نہیں

اب آیئے اس انحر کے بارے میں جس کے تحت آپ نے بزعم خود سینے پر ہاتھ باندھنے کو قرآن سے ثابت کر دیا ہے۔

اس انحر کی ایک سند امام بیہقی نے یہ پیش کی ہے۔

اخبرنا ابو بکر احمد بن محمد بن الحا رث الفقیه انبا ابو محمد بن حیا ن ابو الشیخ ثنا ابو الحریش الکلابی ثنا شیبا ن ثنا حماد بن سلمة ثنا عاصم الجحدری عن ابیه عن عقبة .... (سنن الکبریٰ ص۳۰ ج۲)

تو سند میں ایک راوی ہے ابوالحریش الکلابی اور دوسرا راوی عاصم الجحدری یہ دونوں راوی مجہول ہیں اب آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ ان راویوں کو معروف اور ثقہ ثابت کریں کیونکہ مجہول راوی کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

اور اس انحر کے بارے علامہ ماردینی فرماتے ہیں۔

وفی سندہ ومتنہ اضطراب ۔۔۔۔۔ (الجوہر النقی ص۳۰ ج۲)

یعنی اس کی سند اور متن میں اضطراب پایا جاتا ۔

اور امام حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں ۔

وقیل المراد بقوله وانحر وضع الید الیمنی علی الید الیسری تحت النحر یروی هذا عن علی ولا یصح .... (تفسیر ابن کثیر ص۵۵۸ ج۴ ۔ امجد اکیڈمی لاہور)

اور کہا گیا ہے کہ والنحر سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نحر کے نیچے رکھنا یہ حضرت علی سے مروی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے ۔

تو کیوں جی مولانا صاحب ایسے ہی دلائل پر آپ اپنے آپ کو اہلحدیث کہلاتے ہیں ۔

اور پھر اس اثر میں علی صدرہ: کے الفاظ بھی قابل غور ہیں کیونکہ یہی اثر الجرح والتعدیل میں بھی مروی ہے لیکن اس میں علی صدرہ: کی زیادت نہیں ہے ۔

نمبر۲:۔ اس طرح دوسری سند کے ساتھ ذکر ہے ... ان علیا رضی الله عنه ....

(آپ کے الفاظ ص۹).

اس سند میں بھی عاصم الجحدری ہے جو کہ مجہول ہے اور اسی لئے علامہ ابن کثیر نے لا یصح کے الفاظ لکھے ہیں ۔

نمبر۳:۔ ’’اخبرنا ابو بکرہ بن اسحاق انباء الحسن بن یعقوب البخاری انباء یحییٰ بن ابی طالب انباء زید بن الحباب ثنا روح بن المسیب قال حدثنی عمرو بن مالک النکری عن ابی الجوزة عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما فی قوله عزوجل فصل لربک والنحر : قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰة عندالنحر ‘‘

کہ ابن عباس نے فرمایا کہ اور داہنے کو بائیں پر سینہ (عندالنحر) رکھ۔ (آپ کے الفاظ ص ۹)

سبحان اللہ! کیا بات ہے تحقیق کی۔ نہ جانے کونسی موضوعات آپ کے ہاتھ آ گئی ہے یہ جھوٹی اور سچی روایت نقل کرتے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں آپ لوگوں کی تحقیق دیکھ کر ہی آپ کے فرقہ کے بعض لوگ منکرین حدیث بن گئے ہیں۔ کہ اپنے باطل نظریات ثابت کرنے کیلئے ضعیف تو ضعیف موضوعات سے بھی پرہیز نہیں کرتے اور کبھی اگر حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کی بات ہو تو صحیح الاسناد احادیث بھی رد کر دیتے ہیں۔

اب دیکھیں کہ اس موضوع اور منگھڑت اثر کے ساتھ نام نہاد اہلحدیث قربانی جیسی عظیم عبادت کو مٹانے کوشش کر رہے ہیں۔

لیکن کیا کہا جائے ان عقل کے اندھوں کو کہ ایک ایسے مسئلہ کو ثابت کرنے کیلئے جس کے نہ کرنے سے دین میں کوئی حرج نہیں ہوتا ایک ایسے مسئلے کی مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ اور مسئلہ ہے۔ اور جو سنت ابراہیمی علیہ السلام ہے ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں پر ترس کھاؤ اور قربانی جیسی عبادت کو اس طرح مسلمانوں کے دلوں سے نہ نکالو اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو گمراہ نہ کرو۔ حضرت کبھی اگر وقت میسر آئے تو بے چارے اہلسنت کو برا بھلا کہنے کی بجائے منکرین قربانی کے دلائل بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کہیں ان دلائل کی روشنی میں انہی کی ترجمانی تو نہیں کی جا رہی؟ کیونکہ کسی زمانہ میں وہ بھی آپ کے ہم مسلک بھائی تھے۔ آپ کی تحریر کردہ سند میں ایک راوی روح بن المسیب ہے۔ اس کے متعلق حضرات محدثین کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

وکان روح ممن یروی عن الثقات الموضوعات ویقلب الا سانید ویرفع الموقوفات و ..... لا تحل الروایة عنه ولا کتابة حدیثه........

(کتاب المجروحین لابن حبان ص۲۹۹ج۱)

اور روح بن مسیب ثقہ راویوں سے موضوعات روایت کرتا ہے اور اسانید کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے اور موقوفات کو مرفوعات بیان کر دیتا ہے اس سے روایت لینا اور حدیث لکھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں۔

قال یحییٰ صویلح ، وقال الرازی : صالح ،لیس با لقوی ،وقال ابن حبان ؛ یروی عن الثقات الموضوعات ، ویقلب الاسانید ویرفع الموقوفات ،لا تحل الروایة عنه ...... (کتاب الضعفاء والمتروکین ص۲۸۹ج۱۔دارالباز مکۃ المکرمہ۱۹۸۶ء)

امام ابن عدی فرماتے ہیں۔

احادیثه غیر محفوظة ....(الکامل لابن عدی ص۱۰۰۳ج۳)

یعنی اس کی روایات غیر محفوظ ہیں۔

قال ابن عدی : احادیثه غیر محفوظة وقال ابن معین صویلح وقال ابن حبان یروی الموضوعات عن الثقات لا تحل الروایة عنه

(میزان الاعتدال ج۲ص۶۱)

اور اس اثر میں ایک راوی یحییٰ بن ابی طالب ہے اس کے بارے میں علامہ ماردینی فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن ابی طالب تکلموا فیه وفی تاریخ بغداد للخطیب عن موسیٰ بن ھارون قال اشھد علی یحییٰ بن ابی طالب انه یکذب وفیه ایضاً عن ابی احمد محمد بن اسحٰق الحافظ انه قال لیس بالمتین دینه ایضاً من ابی

عبید الآجری انه قال حط ابو داؤد سلیما ن بن الاشعت علی حدیث یحییٰ
بن ابی طالب (الجوہر النقی حاشیہ علی البیہقی ص۳۱ ج۲)

یحیٰ بن ابی طالب اس میں کلام ہے (یعنی ضعیف ہے) اور تاریخ بغداد میں ہے کہ موسیٰ بن ہارون نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یحیٰ جھوٹ بولتا ہے اور اسی میں محمد بن اسحاق سے ہے کہ یہ متین راوی نہیں ہے اور اس میں ابی عبید سے ہے کہ ابوداؤد سلیمان بن الاشعت نے اس کی احادیث مٹادیں ....

اور اس اثر میں ایک راوی عمرو بن مالک النکری ہے۔ علامہ ماردینی فرماتے ہیں۔

قال ابن عدی عمر و النکری منکر الحدیث عن الثقات یسرق الحدیث ضعفه ابو یعلیٰ الموصلی ذکره ابن الجوزی . (الجوہر النقی ص۳۰ ج۲، الضعفاء جوزی ص۲۳۱ ج۲)

ابن عدی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ راویوں سے منکر روائتیں کرتا ہے یہ حدیث کا چور ہے اور اس کو ابو یعلیٰ نے ضعیف قرار دیا ہے اس کو ابن جوزی نے ذکر کیا ہے۔

....

منکر الحدیث عن الثقات ویسرق الحدیث سمعت ابا یعلیٰ یقول ،
عمرو بن مالک النکری کا ن ضعیفا (ابن عدی فی الکامل ج۵ ص۱۷۹۹)

اخبرنا ابو عبید محمد بن علی الاجری قال خط ابو داؤد سلیمان بن الاشعت علی حدیث یحییٰ بن ابی طالب ....

موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں۔

اشهد علی یحییٰ بن ابی طالب انه یکذب ....

محمد بن اسحاق الحافظ فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن ابی طالب لیس با لمتین (تاریخ بغداد ج ۱۴۔ص ۲۲۰۔۲۲۱)

(ارشد مسعود عفی عنہ)

....

تو ثابت ہوا کہ یہ اثر صرف ضعیف ہی نہیں موضوع ہے اور موضوع کو بغیر یہ بتائے کہ یہ موضوع ہے بیان کرنا حرام ہے۔

ایسی موضوع روایات کو پیش کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔

نمبر۶:۔ ابن عبدالبر نے تمہید میں ذکر کیا ہے............ (آپ کے الفاظ ص۹)

یہ اثر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہی اثر ہے جو کہ اوپر گزر چکا ہے آپ نے صرف مضمون بڑھانے کی خاطر اس کو دوبارہ نقل کر دیا ہے اس کے بارے میں پچھلے صفحات ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر۷:۔ یہ بھی وہی اثر ہے آپ صرف ان پڑھ لوگوں پر رُعب ڈالنے کیلئے ایک ہی اثر کو مختلف نمبر دے کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھیں جی میں نے تو اتنی ساری احادیث و آثار لکھ دی ہیں۔ (ماشاء اللہ۔نظر بد دور) اس کیلئے بھی پچھلے صفحات دیکھیں لیکن حوالہ بھی غلط ہے دارقطنی کی روایت میں ''علی صدرہ'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

نمبر۸:۔ پھر اسی اثر کو ایک اور نمبر دے کر نقل کر دیا ہے۔شاباش ۔ہاں اس میں ایک بات اور نقل فرمائی ہے۔وہ یہ ہے۔اسی طرح امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی بیان کیا ہے......... (آپ کے الفاظ ص۱۰)

اصول تو یہ کہ آپ کی کسی ایسی بات کا جواب نہ دیا جائے جس کی آپ نے سند نہیں لکھی۔لیکن میں آپکو اس سلسلہ میں معذور جان کر اور بات کو طوالت سے بچاتے ہوئے خود ہی سندیں بھی لکھ رہا ہوں اور جواب بھی دے رہا ہوں۔

تو حضرت انس والے اثر کی امام بیہقی نے یہ سند لکھی ہے۔

وقال ثنا ابو الحریش ثنا شیبان ثنا حماد ثنا عاصم الاحوال عن رجل عن انس مثلہ اوقال عن النبی صلی للہ علیہ وسلم ۔۔۔۔۔۔

(سنن الکبریٰ ص ۱۳۱ ج ۲)

اس میں ایک راوی تو ابوالحریش ہے جس کا ذکر اثر حضرت علی میں ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں ۔کہ ابو الحریش مجھول ہے ۔آپ اس کو معروف ثابت فرمائیں ۔تب یہ اثر بطور دلیل لکھیں۔

نمبر۲:۔ اس روایت میں ہے ثنا عاصم الاحول عن رجل عن انس رضی اللہ عنہ برائے مہربانی یہ عن رجل کی وضاحت فرمائیں کہ یہ آدمی کون ہے اس کا نام کیا ہے اور ثقہ ہے تب یہ اثر لکھیں۔پھر بھرپور جواب بھی لیں۔

نمبر۷:۔ معراج الدرایہ شروح ھدایہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔(آپ کے الفاظ ص ۱۰)

ماشاء اللہ۔اب تو شروح ھدایہ بھی قابل استناد ہوگئی ہیں ۔کل جن کی ضبطی کے بارے میں بیانات دیئے جارہے تھے ۔جن کے رد میں کتب تصنیف ہورہی تھیں ۔آج وہ قابل استناد ہوگئی ہیں ۔اس کو کہتے ہیں کہ ۔۔۔ضرورت کے وقت ۔۔۔۔۔۔کو باپ بنانا۔

اور بار بار ایک ہی اثر کے تکرار سے مجھے وہ حکایت یاد آ گئی ہے ۔کہ کسی غریب آدمی نے ایک ہندو بنیئے (ساہوکار) سے ایک روپیہ کا گڑ خریدا جب رقم دینے پہنچا تو بنیئے نے کہا کہ تین روپے دو جب اس نے استفسار کیا تو بنیئے نے کہا کہ ایک روپیہ کا گڑ اور ایک روپیہ کا گڑ کا ۔اور ایک روپیہ گڑ والا لہذا تین روپے ہو گئے۔

اسی طرح آپ نے ایک ہی اثر کو مختلف نمبر دیکر سات تک بنا دیا کہ ایک اثر حضرت علی

رضی اللہ عنہ کا اور اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ والا وغیرہ وغیرہ۔

سبحان اللہ ! کیا عقلمندی پائی ہے آپ نے اور دلائل کے کیا انبار لگائے ہیں آپ نے اور پھر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان میں سے اکثر دلائل کی آپ نے نقل ماری ہے۔ اصل کتب تو آپ نے دیکھی ہی نہیں اور جن سے نقل ماری ہے ان کا نام تک نہیں لکھا۔ میرے خیال میں یہ بھی ایک ایمانداری کی خاص نشانی ہوتی ہے۔ معراج الدرایہ تو آپ نے یقیناً نہیں دیکھی جیسے پہلے شرح المہذب، عینی شرح بخاری، وغیرہ کے بغیر دیکھے غلط حوالے دے دیئے ایسے ہی اس میں بھی کیا ہوگا۔ اگر میرا یہ دعویٰ غلط ہے تو آپ مجھے بتائیں کہ یہ تمام کتب آپ نے پڑھیں تو کیا دیکھی بھی نہیں ہیں۔ اور اگر دیکھی ہیں تو پھر غلط حوالہ جات کیوں دیئے ہیں۔

آپ نے اپنے دلائل کا پوسٹ مارٹم تو دیکھ لیا ہے اب آپ کا یہ کہنا۔

لہٰذا فصل لربک والنحر .... آیت کا مفہوم حضرت علی اور ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کے مطابق سینے پر ہاتھ باندھنا ہے......... آپ کے الفاظ ص ۱۰)

کیسے صحیح ہو سکتا ہے...... اور پھر آپ کا یہ لکھنا ۔

یہ سب اختصار سے بخوف طوالت ذکر کیا گیا ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۰)

ظاہر کرتا ہے کہ ابھی آپ کے پاس اور بہت سے دلائل تھے لیکن آپ نے مہربانی فرماتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے ورنہ تو اس سے زیادہ آپ اور بھی پیش کر سکتے تھے۔ تو جناب میں یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ یہ اختصار کی مہربانی آپ نے کیوں فرمائی۔ کہیں مجھ پر ترس تو نہیں آ گیا تھا۔ اگر ایسا ہے۔ تو جناب میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ حضرت جو کچھ آپ لکھ سکتے ہیں۔ لکھیں تا کہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ اصل معاملہ کیا ہے اور

لوگوں کو اب تک کیسے اور کس لئے دھوکے میں رکھ کر یہ باور کرایا جارہا ہے کہ ہم ہی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے پاس ہر مسئلے میں سینکڑوں صحیح احادیث ہیں۔آپ اپنی اور اپنے مذہب کی کمزوری جانتے تھے جس کی خاطر آپ نے اختصار کا لبادہ اوڑھا آپ نے سوچا کہ مزید رسوا ہونے سے اتنا ہی بڑا ہے۔ورنہ آپ مجھ پر اتنے تو مہربان نہ تھے۔

اب آپ کا یہ لکھنا۔

اب مختصر طور پر عرض ہے۔کہ وائل بن حجر کی پیش کردہ روایت پر آپ کا اعتراض عبث اور نا قابل التفات ہے۔کیونکہ بخاری شریف سنن نسائی اور ابن خزیمہ کی روایت اور ان تفسیری دلائل سے واضح ہو گیا کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا اصل مقام سینہ فطری عمل ہے۔

......(آپ کے الفاظ ص ۱۰)

جناب عالی ۔وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی روایت پر میرا نہیں محدثین کا اعتراض ہے اور یہ کیسے عبث ہے اس کے بارے میں آپ نے کوئی خاص دلیل نہیں دی نا قابل التفات اس لئے ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے اور اپنے خلاف حق بات سننے کی آپ کو عادت نہیں جہاں تک بخاری، سنن نسائی اور ابن خزیمہ کی دوسری روایت کا تعلق ہے تو وہ آپ کے دعوے میں صریح دلیل نہیں ہیں بلکہ آپ کے خلاف ہیں اور حدیث ابن خزیمہ کے ضعیف ہونے پر بین اور واضح دلیل ہیں کیونکہ ان کے رواۃ صحیح ہیں۔اور ثقہ راوی کسی نے بھی ''علی صدرہ'' کی زیادۃ نقل نہیں کی آپ کے خلاف بات جاتی ہے اور جیسا آپ نے ان احادیث سے ہاتھ باندھنے کا طریقہ لکھا ہے۔بالکل خود ساختہ چودھویں صدی کی تفسیر ہے۔پرانے محدثین میں سے کسی نے بھی اس طرح بازو پر بازو باندھنا نہیں لکھا ہے اگر شوق ہو تو دیکھئے۔

(۱) رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ (۲) المغنی مع شرح الکبیر (۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۴) عینی شرح بخاری (۵) الفتح الباری شرح صحیح بخاری (۶) المجموع شرح المہذب

ص ۱۰۳۱ ج ۳ للنووی، ونیل الاوطار: ص ۱۸۶ ج ۲)

اگران کتب میں آپ کے کہنے کے مطابق نکلے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی کہنی تک جائیں تو ہمیں مطلع فرمادیں۔ ورنہ ایسی ہٹ دھرمی اور محدثین وفقہا سے علیحدہ مذہب بنانا اچھی بات نہیں ہے۔

اور سینہ پر ہاتھ باندھنا ہی فطری عمل ہے کیا امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اور تمام کے مقلدین غیر فطری پر ہی عمل کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں اور صرف چند نام نہاد اہلحدیث غیر مقلدین ہی نے اس فطرت کو سمجھا ہے اور آپ کا یہ لکھنا۔

"نیچے ہاتھ باندھنا معیوب اور غیر فطرتی وغیر مستحسن ہے"۔ (آپ کے الفاظ ص ۹)

ماشاء اللہ کیا جرأت مندانہ فیصلہ ہے۔ جو کہ صرف چند منٹ میں پندرھویں صدی کے بزعم خویش مجتہد کو ہی، سوجھا ہے آج تک کسی محدث وفقیہ کو نہیں سوجھا۔

؎ شیخ کی نظر جاتی ہے وہاں تک
نہیں جاتی دوسروں کی جہاں تک

امام شافعی اور ان کے مقلدین تمام فقہا ومحدثین سینہ پر ہاتھ باندھتے رہے امام احمد بن حنبل اور امام اعظم اور ان کے مقلدین فقہاء ومحدثین ناف کے نیچے باندھ کر معیوب غیر مستحسن اور غیر فطرتی فعل کرتے رہے؟ میرے خیال میں آپ کا یہ فیصلہ ہی معیوب اور غیر فطرتی اور غیر مستحسن ہے۔ (واللہ اعلم)

" اب ذرا مومل بن اسماعیل کے متعلق جو آپ کا اعتراض کثیر الغلط کا ہے وہ لائق اعتناء نہیں"۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

کیوں جی! یہ کیوں لائق اعتناء نہیں ہے کیوں اسکا جواب نہیں بن پڑتا یا آپ کے

نزدیک یہ بڑے ثقہ محدث کی صفت ہے آپ برائے مہربانی لائق اعتناء ہونے کی وجہ مبارک بھی بیان فرما دیے تاکہ ہم جیسوں کی الجھن دور ہو جاتی۔ اور پھر یہ اعتراض حضرت میرا نہیں محدثین وآئمہ جرح وتعدیل کا ہے، میں تو صرف ناقل ہوں۔

لیکن تاہم آپ کثیر الخطاء کے لفظی مفہوم پر بھی غور کریں کہ شرعی نقطہ نظر سے خطاء ونسیان کتنا بڑا عیب ہے ------ (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

یہاں آپ نے بالکل ہی ان پڑھوں والا طریقہ اپنا لیا ہے اور اپنے علم کا بھانڈا سر بازار پھوڑا ہے یہاں میں مسلک اہلحدیث اور غیر مقلدیت کو کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ یہ صرف آپکی ذاتی رائے ہے ورنہ اتنا کم علم کوئی نہیں ہوسکتا کہ جس کو حدیث میں کثیر الخطاء ہونا اور عام حالت میں نسیان ہونے میں کوئی فرق ہی معلوم نہ ہو۔ حضرت اگر آپ تھوڑی سی تکلیف فرمائیں۔ تو اصول حدیث کی کتب سے یہ نقل فرما دیں۔ کہ کثیر الخطاء، اور کثیر الغلط عیب نہیں بلکہ سنّتِ انبیاء ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

حضرت صاحب ! اگر یہ عیب نہیں بلکہ مدح ہے تو آج تک آپ نے اپنے یا اپنے مسلک کے کسی بڑے عالم کے نام ساتھ کتاب میں یا اشتہار میں یہ لکھا نہیں کہ حضرت کثیر الخطاء، کثیر الغلط کمزور حافظہ والے مولانا صاحب جلسہ سے خطاب فرمائیں گے۔

اور پھر آپ نے کیا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کثیر الخطاء تھے۔ استغفر اللہ، العیاذ باللہ تعالیٰ من ھذا الھذیان۔

افسوس کہ آپ نے اصول حدیث کی کتب نہ پڑھیں وگرنہ آپ کو کچھ تو علم ہوتا کہ یہ الفاظ مقام مدح میں لکھے جاتے ہیں۔ یا مقام ذم میں۔

اور صد افسوس کہ آپ کو نسیان وخطاء اور کثیر الخطاء میں فرق معلوم نہ ہو سکا جس کی وجہ سے آپ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ خدارا انبیاء کو اپنی اس تختہ مشق سے دور رکھیں۔ کوئی

نبی کثیر الخطاء اور کثیر الغلط نہیں ہوتا صرف تعلیم امت کیلئے کچھ وقت کیلئے نسیان ہوتا ہے۔ جو کہ جلد ہی زائل ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ نہیں رہتا۔ اور اس وجہ سے ان کو کثیر الغط اور کثیر الخطاء سمجھنے والا اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے بشرطیکہ ایمان ہو بھی۔

کون ظالم ہے جو آدم علیہ السلام کے اوصاف کو داغدار کرے۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

واقعی وہ بڑا ظالم بلکہ اظلم ہوگا جو حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف حمیدہ کو داغدار کرے لیکن کیا آپ نے آپ علیہ السلام کی اس نسیان کو کثیر الخطاء پر منطبق نہیں کیا اور کیا یہ ظلم نہیں ہے۔ کہاں ایک راوی حدیث کی صفت کہ وہ کثیر الخطاء کثیر الوہم کثیر الغلط ہو اور کہاں حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی ذات پاک معصوم ومطہر یہ مثال دینے کا کیا تک تھا کیا کسی محدث نے کسی راوی پر ایسی جرح رفع کرنے کیلئے یہ مثال دی ہے۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔

سو رضوی صاحب عرض ہے کہ فتویٰ بازی سے اجتناب کیجئے۔ کیا آپ سے کبھی خطاء یا بھول نہیں ہوئی میں قسم دے کر سوال کرتا ہوں کہ جواب درست دینا۔...... (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

جناب عالی! اگر حق بیان کرنا فتویٰ بازی ہے تو بس یہ ہرگز ترک نہیں کر سکتا اس سے اجتناب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر یہ حق نہیں تو جناب عالی تمام کتب جرح والضعفاء کو آگ لگا دیں۔ اور یہ اشتہار دے دیں کہ ان کتب میں بعض خدا سے نہ ڈرنے والے لوگوں کے راویوں کے بارے میں فتوے تھے چونکہ کسی کو برا کہنا جائز نہیں کسی کو منکر الحدیث، کثیر الغلط، ضعیف وکذاب مجھول کہنا جائز نہیں اس لیے ان کتب کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے اب جس کا جو جی چاہے جیسے چاہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہے۔ اور ہاں کیوں نہیں مجھ سے خطائیں سرزد ہوتی ہیں بلکہ خطاؤں اور غلطیوں کا پتلا ہوں

لیکن کیا اس وجہ سے میں ہر کثیر الغلط ، کثیر الوہم کو یہ حق دے دوں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتا پھرے غلط احادیث بیان کرتا پھرے کوئی میزان و منصف نہیں ہوگا یہ کیسی بچگانہ باتیں ہیں کیا آپ ہر محدث سے یہی سوال ،کریں گے کہ چونکہ غلطی اور نسیان سے کوئی شخص پاک نہیں لہذا آپ راویوں پر جرح کیوں کرتے ہیں ۔آپ کثیر الخطاء اور نسیان میں فرق ہی نہیں جانتے میرے خیال میں کثیر الخطاء کے تحت انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کو بیان کرنا صریحاً گستاخی ہے کہاں انبیاء کا نسیان اور کہاں ایک عام شخص کا کثیر الخطاء ہونا۔انکوایک سمجھنا کہاں کا انصاف ہے۔

" اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر کیا ہم آپ کو بے اعتبارا کہہ سکتے ہیں"۔(آپ کے الفاظ ص ۱۱)

کیوں نہیں جب میں اپنے حفظ سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کروں کسی کتاب کا حوالہ نہ دوں اور سند اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاؤں تو آپ ضرور بضرور مجھے بے اعتبارا کہہ کر میری بات کو رد کریں اس میں پوچھنے والی کونسی بات ہے۔

حضرت یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے یہ بڑا نازک مسئلہ ہے ہر ایرے غیرے سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لی جاسکتی ۔جیسا کہ پیچھے میں دلائل سے ثابت کر چکا ہوں۔

اب میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا کبھی اپ نے جھوٹ نہیں بولا اور اگر جواب ہاں میں ہے تو کیا ہر جھوٹے راوی کی روایت قبول کرلیں گے ۔ حالانکہ اللہ کے پیارے محبوب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

قیل لرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم : المومن یکون جبانا ، قال نعم ، قیل یکون بخیلاً،قال نعم، قیل یکون کذاباً؟قال لا . (مؤطا امام مالک

ص ۸۵۸ومسند قضاعی ص ۱۰۱ وغیرہم)

عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، پھر پوچھا گیا۔ کیا بخیل ہوسکتا ہے فرمایا ہاں، پھر عرض کیا گیا۔ کیا جھوٹا ہوسکتا ہے، فرمایا نہیں۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی۔

"من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار"

ترجمہ:۔ "کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

تخریج حدیث: (بخاری فی الصحیح برقم ۱۱۰، ۶۱۹۷ ومسلم فی الصحیح مقدمہ ۳، وابن ماجہ برقم ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۶ وابوداؤد فی السنن برقم ۳۶۵۱ وترمذی فی الجامع برقم ۲۹۵۱، ۲۶۵۹، ۲۶۶۹ واحمد فی مسندہ ج ۱ ص ۷۸ برقم ۴ .۵ وص ۱۳۰ برقم ۱۰۷۵ وج ۳ ص ۹۸ برقم ۱۱۹۶۴ ودارمی فی السنن ج ۱ ص ۷۶، ۷۷ وبیہقی فی السنن ج ۱ ص ۷۶ وحاکم فی المستدرک ج ۱ ص ۷۷، ۱۰۲ وج ۳ ص ۶۲، ۴۰۱ وطبرانی فی الکبیر ج ۱ ص ۷۳ وج ۵ ص ۲۰۳، ۲۱۵ وج ۶ ص ۳۴۰ وج ۷ ص ۱۸۵ وج ۸ ص ۴۱ وج ۱۰ ص ۱۱۸ وج ۱۲ ص ۶ ۲، ۲۹۳ وج ۱۷ ص ۱۳۹، ۳۲۷ وج ۱۸ ص ۱۸۷ وج ۱۹ ص ۲۹۶، ۲۹۳ وفی الصغیر ج ۲ ص ۵۵ وغیرہ وغیرہ)

اب بتائیں اگر آپ کا جواب ہاں میں تو کیا آپ کو ایمان سے خارج کہہ سکتے ہیں۔
میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ دوبارہ کسی مدرسہ میں داخلہ لیں اور پھر کتب اسماء الرجال واصول حدیث پڑھیں۔ تاکہ آپ کو جرح والتعدیل کے اصولوں کا علم ہو سکے۔ اگر زیادہ نہیں تو مقدمہ صحیح مسلم، مقدمہ الجرح والتعدیل، مقدمہ کامل ابن عدی، مقدمہ کتاب المجروحین لابن حبان، الکفایۃ للخطیب، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، وغیرہ ہی کم از کم پڑھ لیں۔ تاکہ اتنی بڑی جسارت تو نہ کر سکیں۔

اکثر حفاظ کرام رمضان میں صلوٰۃ التراویح میں قرآن پڑھتے ہوئے بھول جاتے ہیں کیا وہ سب بے اعتبارے ہو گئے۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

یہ بھی آپ نے بچگانہ سوال کیا ہے، کہاں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہاں صلوٰۃ التراویح میں قرآن میں مشابہ لگنا یا بھول جانا۔

جب رضوی صاحب سے صحیح حدیث کی تعریف پوچھی تو انہوں نے صحیح حدیث کی تعریف غلط لکھی ۔۔۔اسی طرح صریح کی تعریف بھی غلط لکھی........ (آپکے الفاظ ص ۱۱)

ماشاء اللہ۔ آپ کے مبلغ علم کا تو مجھے اسی دن علم ہو گیا تھا جب پہلی ملاقات ہوئی تھی۔اور رہی کسر آپ نے اب نکال دی ہے۔

آپ نے جو صحیح تعریف کی تھی وہ یہ تھی۔

بنقل عدل تا م الضبط متصل السند غير معلل ولاشاذ (شرح نخبۃ الفکر ،مقدمہ ابن الصلاح)

اب اگر آپ سے پوچھا جائے کہ عادل اور تام الضبط کا کیا مطلب ہے تو یقیناً آپ اس کی تعریف کریں گے اور اگر کسی راوی کے عدل اور ضبط میں کلام ہوگا تو یقیناً وہ حدیث صحیح نہیں کہلائے گی۔یہ سند کے لحاظ سے ہوئی اور اب متن کے لحاظ سے صحیح وہ ہے جو غیر معلل اور غیر شاذ ہو یعنی اس میں کوئی راوی متفرد نہ ہو اور منقطع وغیرہ کی علت نہ پائی جائے۔

تو جناب آسان لفظوں میں یہی تعریف میں نے کی تھی کہ جس کے راوی و متن پر کوئی جرح ثابت نہ ہو یعنی غیر عادل وغیر ضابط ہونے اور شاذ و معلل ہونے کی تو وہ روایت صحیح ہوگی۔اور آپ ابھی تک یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ تعریف غلط ہے۔چلیں آپ نے جو صحیح تعریف کی ہے کیا آپ نے ایک بھی روایت اس تعریف کے مطابق پیش کی ہے کیا آپ کی تمام پیش کردہ روایات کے رواۃ عادل و تام الضبط ہیں۔اگر ہیں تو پھر سیٔ الحفظ، کثیر الوہم

کثیر الغلط کیا عادل وضابط ہوتے ہیں۔

ہم تو بہر حال نہیں کہہ سکتے کہ رضوی صاحب پڑھی ہی نہ ہو۔البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پڑھی ہوگی لیکن بروقت بھول گئے ....(آپ کے الفاظ ص ۱۱)

جناب حقیقت یہ ہے کہ میں نے عام فہم اور ایسی تعریف کی تھی جو کہ جامع اور مانع تھی لیکن بدقسمتی سے آپ کے ذہن کی رسائی وہاں تک نہ پہنچ سکی۔اس میں میرا کیا قصور ہے۔آپ نے اپنی تعریف کے ساتھ دو کتابوں کے حوالے دیئے اب آپ ہی دیکھیں کہ دونوں میں تعریف مختلف ہے۔اس کے علاوہ اگر دیگر محدثین کی طرف رجوع فرمائیں گے تو اور اختلاف ملے گا اور ہر ایک تعریف پر اعتراض بھی ملیں گے۔لیکن آخر اس پر جا کر بات ٹھہرے گی کہ جس کے تمام رواۃ ثقہ ہوں ہر لحاظ سے اور جس کے متن پر کسی بھی طرح سے جرح نہ ہو سکے وہ روایت ہی صحیح حدیث کہلانے کی حقدار ہے۔آپ نہ مانیں تو میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

لہٰذا مؤمل بن اسماعیل پر وہ لفظ لکھنے کی بجائے خود آپ ہی وصول کرلیں۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

یعنی آپ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعریف آپ نے پسند کی ہے جو شخص وہ تعریف نہیں کرے گا وہ بے اعتبارا ہو جائے گا تو جناب کیا آپ اپنے ہی ممدوح صاحب مقدمہ ابن صلاح پر بھی یہی فتویٰ صادر فرمائیں گے اور دیگر جنہوں نے یہ تعریف نہیں کی مثلاً علامہ سیوطی، علامہ نووی وغیرہم ....

رضوی صاحب پرلے درجے کے کثیر الغلط اور سئ الحفظ ہیں اب وہ قابل اعتبار ہیں ...... (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

جی میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھ سے کبھی غلطی نہ ہوئی اور میں بہت زیادہ

حافظے کا مالک ہوں۔ لیکن خدارا ایک عام آدمی اور ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے والے میں کچھ تو فرق ملحوظ رکھیں۔ اگر اس فرق کا علم نہیں تو کم ازکم اصول حدیث کی کتب ہی کسی سے پڑھ لیں۔ آپ محدثین کے یہ چند اقتباسات پڑھیں شاید عقل ٹھکانے آجائے اور آپ کو کچھ اس مسئلہ کی تمیز ہو جائے۔

ابا اسامة یقول : قد یکون الرجل کثیر الصلاۃ و کثیر الصوم ورعا جائز الشھا دہ ، فی الحدیث لا یسوی ذہ ورفع شیا ء ورمی بہ ..... قال ابو حاتم ما کلف اللّٰہ.... جل وعلا.......... عبا دہ اخذ الدین عمن لیس بثقہ ولا امر ھم بالانقیاد للحجاج بمن لیس یعدل مرضی

(مقدمہ کتاب المجروحین ص ۲۴،۲۵ ج ۱)

اگر اور حوالہ جات دیکھنے ہوں تو الکفایہ للخطیب بغدادی کی طرف رجوع فرمائیں۔ کیونکہ یہ اتنا لمبا موضوع ہے کہ اس پر کئی ہزار صفحات لکھے جاسکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مسلم کی ایک روایت آپ کی نظر کرتا ہوں.............. کہ آپ نے ایک دفعہ پانچ رکعت پڑھائیں......... (آپ کے الفاظ ص ۱۱)

یہاں بھی آپ نے پھر غیر مقلدیت کی اصلیت دکھائی ہے کہاں نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے تعلیم امت کیلئے بھلایا جانا اور کہاں ایک آدمی کا حدیث میں غلطیاں کرنا ان دونوں کی آپس میں کیا مناسبت ہے۔ کیا کہیں معاذ اللہ آپ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو کثیر الخطاء ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ مومل کے بارے میں تو کثیر الخطاء ہونے کی بحث ہے اور آپ اس کو جھٹلانے کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل کو پیش کرر ہے ہیں۔

کچھ تو خوفِ خدا کریں کہاں مؤمل بن اسماعیل جیسا کثیر الغلط وکثیر الوہم ومنکر الحدیث

راوی اور کہاں تمام جہان کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم ۔اگر آپ کے سینہ میں کسی سنی کا دل ہوتا تو ایسی تشبیہ اور مثال دیتے ہوئے دل پھٹ جاتا لیکن آپ کا خمیر ہی شائد گستاخی سے بنا ہوا ہے۔

ع ...... پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

نیز مسئلہ ہی حل ہو گیا کہ آپ نے فرمادیا میں تمہاری طرح بشر ہوں بھول جاتا ہوں۔

رضوی صاحب تجزیہ کرنے سے پہلے اپنے مسلک پر غور کریں۔(آپ کے الفاظ ص ۱۲)

کونسا مسئلہ حل ہو گیا۔میرے خیال میں آپ نے نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر چوٹ کی ہے تو جناب عالی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثل بشر مانتے ہیں۔ آجکل کے گندے عقائد رکھنے والوں کی طرح اپنے پر قیاس نہیں کرتے۔

اور الحمد للہ صاف و پاک اور حق مسلک صرف ہمارا مسلک اہل سنت ہی ہے۔اس لئے اس پر بہت غور ہو چکا۔یہ کوئی انگریز کا پیدا کردہ مسلک نہیں ہے۔یہی مسلک صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کا ہے۔بہر حال اس وقت یہ موضوع نہیں ہے۔

آگے آپ نے ایسی عبارت لکھی ہے کہ جس کو میں نقل کرنا بھی گستاخی تصور کرتا ہوں۔یہ صرف آپ جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

امید واثق ہے کہ اب رضوی سوچ سمجھ کر فتوٰی بازی کریں گے۔اور ناحق انتخاب دوزخ سے اجتناب کریں۔........(آپ کے الفاظ ص ۱۲)

چلیں آپکے کہنے پر اگر میں اس راوی کے بارے میں سوچ سمجھ کر فتوٰی بازی کروں گا تو دوزخ سے بچ جاؤں گا۔لیکن امام بخاری جنہوں نے اس کو منکر الحدیث، امام احمد جنہوں نے اس کو حدیث میں خطاء کرنے کی وجہ سے کہا کہ اس کو ترک کردو، امام دارقطنی جنہوں نے اس کو کثیر الخطا کہا، امام حاتم نے اس کو کثیر الخطاء ابن سعد نے کثیر الغلط کہا، محمد بن نصر مروزی نے

کثیر الغلط کہا وغیرہم کو تو آپ جیسا ناصح نہیں ملا تھا وہ تو بغیر سوچے سمجھے ہی راوی پر فتویٰ بازی کر کے آپ کے بقول صدیوں سے جہنم میں پہنچ چکے ہوں گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) کیونکہ اگر ناقل صرف نقل کرنے کے جرم میں دوزخ میں جا سکتا ہے تو اصل قائل کہاں جائے گا۔

اور اگر کثیر الغلط و کثیر السہو و کثیر الخطاء کی روایت رد کرنے کی پاداش میں عذاب دوزخ کا مستحق ٹھہرتا ہے تو پھر ان آئمہ کے بارے میں بھی کچھ ارشاد فرما دیں۔

امام باجی المالکی فرماتے ہیں۔

واما من عرف بكثرة السهو والغلط ومتابع من جهة فلا يجب الاحتجاج بخبره، لانه لا يغلب على الظن صدقه ولا صحة خبره ....

(احکام الفصول فی احکام الاصول ص ۲۹۶)

اور جس میں سہو اور غلط کثرت کے ساتھ ہو.... تو اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے کیونکہ غالب گمان اس میں صدق نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی حدیث صحیح ہوگی۔

تحریر اور اس کی تیسیر میں ہے۔

(فغفلة) اى فظاهر حاله غفلة فلا يحتج بروايته ..... (تیسیر التحریر ص ۴۴ ج ۳)

یعنی جس راوی میں سہو و غفلت ظاہر ہو جائے اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

اور امام ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں۔

وهذه الرواية عن ابن مهدى توافق قول شعبة ويحيىٰ والشافعي : ان كثرة الغلط ترد به الرواية .... (شرح علل ترمذی ص ۱۱۲)

ابن مھدی کی یہ روایت امام شعبہ و یحییٰ و شافعی کے قول کے موافق ہے کہ کثیر الغلط کی روایت رد کر دی جائے گی۔

اور کچھ دلائل صفحہ ۱۰۱،۱۱ پر بیان کر دیئے گئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں اور پھر ان سب محدثین کو کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان سے دوزخ کی خوشخبری سنا دیں۔تا کہ آپ پکے غیر مقلد تو ظاہر ہو سکیں اور مزید حوالے دیکھنے ہوں تو ملاحظہ فرمائیں۔

"المحدث الفاصل۔ص ۴۰۶، تہذیب۔ص ۳۹۸ ج ۶، شرح نخبۃ الفکر۔ص ۴۷، تانیب للخطیب۔ص ۷۷ وغیرہم"۔

حدیث شاذ:۔

پیشتر اس کے کہ رضوی تجزیہ کی حقیقت شاذ کے متعلق بیان کی جائے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ شاذ کا اصل مفہوم کیا ہے اور کونسی شاذ حدیث ہوتی ہے کیونکہ رضوی صاحب نے اپنی من مانی تعریف کی ہے جو کہ انہوں نے آثار السنن سے نقل کی ہے۔حالانکہ اصول حدیث کے خلاف ہے...... (آپ کے الفاظ ص ۱۲)

ایک طرف تو آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ تعریف من مانی کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ یہ تعریف آثار السنن سے ماخوذ ہے۔تو جناب یہ من مانی کیسے ہوگئی۔اور پھر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ اصول حدیث کے خلاف ہے قلت مطالعہ کا نتیجہ ہے۔لیکن اس میں بھی آپ کی غلطی نہیں ہے آپ نے شائد ابکار المنن سے ہی نقل فرما دی ہے۔

الحمد للہ میں نے جو تعریف کی ہے یہ اصول حدیث کے خلاف نہیں ہے بلکہ بہت سارے محدثین وآئمہ سے یہ تعریف ثابت ہے۔پڑھئے اور اپنے علم کو داد دیجئے۔

امام ابن حجر عسقلانی جن کے آپ نے اس بحث میں حوالے نقل فرمائے ہیں۔لکھتے ہیں والحاصل من کلامھم ان الخلیلی یسوی بین الشاذ والفرد المطلق۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح ج ۲ ص ۶۵۲ دار الرایہ ۱۹۸۸ء)

اور حاصل کلام یہ ہے کہ خلیلی نے شاذ اور مطلق تفرد کو برابر رکھا ہے۔ یعنی مطلق زیادتی جو کہ دوسری ثقات کی روایات میں نہ ہو اس کو بھی شاذ کہتے ہیں۔

اور امام حاکم فرماتے ہیں۔

فاما الشاذ فانه حدیث یتفرد به ثقة من الثقات..... (علوم الحدیث للحاکم ص ۱۱۹ ، شرح علل ترمذی لابن رجب۔ص ۴۵۸ ج ۱)

یعنی شاذ حدیث وہ ہے جس میں ثقہ راوی دوسرے ثقات راوی سے منفرد ہو۔

اور امام شمس الدین محمد عبدالرحمٰن السخاوی ۹۰۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

بل هو عنده ما انفرد به ثقه من الثقات ....

بلکہ شاذ امام حاکم کے نزدیک یہ کہ ثقہ راوی دوسرے ثقات میں اس حدیث میں منفرد ہو۔

اور آگے تحریر فرماتے ہیں۔

ثم ان الحاکم لم ینفرد بهذا لتعریف ،بل قال النووی فی شرح المهذب انه مهذب جماعات من اهل الحدیث قال ....

وللخلیلی نسبة لجده الاعلیٰ .... وهو قول ثالث فیه (مفرد الراوی فقط) ثقة کان او غیر ثقة خالف اولم یخالف فما انفرد به الثقة یتوقف فیه ولایحتج به .... وما الفرد یه غیر ثقة فمتروک ....

(فتح المغیث ص ۱۹۸ ج ۱)

اور پھر حاکم یہ تعریف کرنے میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ نووی نے بھی شرح المہذب میں کہا ہے کہ یہ محدثین کی بہت ساری جماعتوں سے مروی ہے اور امام خلیلی کا اس میں تیسرا قول ہے (یعنی امام خلیلی نے بھی یہی تعریف فرمائی ہے) کہ صرف راوی کا تفرد ہی شاذ کہلاتا ہے وہ راوی ثقہ ہو یا غیر ثقہ پس اگر ثقہ ہو تو اس کی روایت میں توقف کیا جائے گا اور اس سے

دلیل نہیں پکڑی جائے گی اور اگر راوی غیر ثقہ ہوتو پھر وہ روایت بالکل متروک ہوگی۔

اور پھر آگے فرماتے ہیں۔

فالصدوق اذا تفرد بما لا متابع له فیه ولا شاهد ولم یکن عنده من الضبط ما یشترط فی المقبول ، فهذا احد قسمی الشاذ (ج ۱ ص ۲۰۱)

یعنی جب صدوق راوی ایسی زیادت میں منفرد ہو کہ اس کا کوئی متابع اور مشابہ نہ ہو اور نہ ہی اس راوی میں مقبول راوی کی شرط ضابط پائی جائے تو یہ بھی شاذ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس روایت کا راوی مؤمل بن اسماعیل صدوق ہونے کے باوجود ضابط ایسا نہیں ہے جیسا کہ ایک عام ثقہ راوی ہوتا ہے۔ وہ سیٔ الحفظ اور کثیر الوہم وکثیر الخطاء ہے لہٰذا یہ روایت یقیناً شاذ ٹھہرے گی۔

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

فبان بهذا فصل ، المنکر من الشاذ وان کلاً منهما قسمان یجمعهما مطلق التفرد اومع قید المخالفة (النکت ص ۶۷۵ ج ۲)

یہ فصل اس بیان میں ہے کہ منکر شاذ میں سے ہے اور ان دونوں کی دو قسمیں ہیں اور ان میں مطلق تفرد کا جمع ہونا ہے یا مخالفت کے ساتھ، یعنی زیادتی ثقات کے مخالف ہو یا مطلق زیادتی ہو اس کو شاذ و منکر کہہ سکتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

فقد اطلق الامام احمد والنسائی وغیر واحد من النقاد لفظ المنکر علی مجرد التفرد ۔ (ج ۲ ص ۶۷۴)

اور امام احمد وامام نسائی اور دیگر بہت سارے نقاد آئمہ محدثین نے مطلق تفرد پر منکر کا

حکم لگایا ہے۔

اور منکر کا اطلاق کبھی شاذ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ نخبۃ الفکر کے حاشیہ میں مولانا عبداللہ ٹونکی نے نقل کیا ہے لہٰذا یہ حدیث شاذ بھی ہے اور منکر بھی اور شاذ اور منکر حدیث کبھی بھی قابل حجت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا آپ کی ساری محنت اکارت گئی کہ زیادتی صرف وہ شاذ ہوتی ہے جو کہ ثقات کی مخالف ہو یہ ظاہر ہے کہ وہ اشد قسم کی شاذ ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر نے ''النکت'' میں اور علامہ عراقی نے ''التبصرہ والتذکرہ'' اور شیخ زکریا بن محمد نے فتح الباقی میں اور سخاوی نے فتح المغیث میں ذکر کیا ہے لیکن مطلقاً زیادتی کو بھی وہ شاذ کی ہی قسم تصور کرتے ہیں۔

اب آپ کا یہ فرمانا کہ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ محققین کے نزدیک ایسی زیادتی جو ضابط یا صدوق اور ثقہ اپنے سے احفظ یا کثرت (ثقات) کیخلاف بیان کرے اس طور پر کہ جمع قواعد محدثین کے مطابق متفرد ہو وہ شاذ ہے۔ (آپ کے الفاظ ص ١٦)

کیسے صحیح ہوسکتا ہے کیا آپ کے نزدیک امام احمد، امام نسائی، امام حاکم، امام خلیلی اور امام نووی، امام سخاوی امام ابن رجب حنبلی، امام عراقی وغیرہ بے شمار محدثین محققین ہیں اور پھر آپ کے ممدوح امام ابن حجر عسقلانی نے بھی تو شاذ کی دو قسمیں بیان کیں ہیں۔ پہلی قسم کہ اس میں مخالفت پائی جائے یہ سخت قسم کی شاذ ہے اور دوسری جس میں مخالفت نہ پائی جائے یہ بھی شاذ اور منکر جیسا کہ حافظ ابوبکر البردیجی نے فرمایا ہے۔

راوی متفرد ہو اور وہ متن کسی اور راوی سے مروی نہ ہو تو اسے منکر کہتے ہیں۔

(مقدمہ ابن صلاح مع التقیید ص ١٠٥)

اور پھر آپ نے امام بخاری وغیرہ سے زیادتی ثقہ کے مقبول ہونے کا تاثر دیا ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ آپ غیر مقلد ہوکر زیادتی ثقہ کی بات کرتے ہیں جبکہ آپ کے بڑے

تو اس کے سخت منکر ہیں۔

جناب حافظ عبدالمنان صاحب لکھتے ہیں: لیکن ثقہ کی زیادت کا مقبول ہونا یہ بھی کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ چنانچہ اصول حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے تو قاری صاحب کا فرمانا کہ: ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے۔ علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ (رفع الیدین پر تحریری مناظرہ۔ ص۱۳۹ عبدالمنان غیر مقلد)

اور آپ کے حافظ محمد گوندلوی صاحب نے لکھا ہے:۔

باقی رہا زیادتی ثقہ کا قبول عدم قبول سو ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں ہوتی۔ (التحقیق الراسخ ص۱۲۲)

اور یہ ابحاث تب ہیں اگر آپ مؤمل بن اسماعیل کو ثقہ ضابط عادل ثابت کر دیں۔ وگرنہ وہ تو ثقہ ہے ہی نہیں۔ صرف صدوق ہے اور صدوق کے بارے میں آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ جب صدوق زیادتی نقل کرے تو وہ حدیث منکر ہوگی اور حافظ عبدالمنان صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں۔

کیونکہ راوی کے ثقہ ہونے کیلئے اس کے (صدوق) سچا ہونے کے علاوہ اور صفات بھی درکار ہیں۔.......... (مسئلہ رفع الیدین تحریری مناظرہ ص۱۰۳)

اور ایسی ہی بات حافظ محمد گوندلوی صاحب نے التحقیق الراسخ ص۱۲۴ میں درج کی ہے۔

لہذا آپ کا فرمانا۔

لہذا حدیث وائل بن حجر شاذ نہیں۔ (آپ کے الفاظ ص۱۶)

کیسے صحیح ہو سکتا ہے یقیناً یہ روایت شاذ و منکر بلحاظ متن اور بلحاظ سند ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے آپ نہ مانیں تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ویسے ہم نے تو الحمدللہ دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ روایت کسی بھی لحاظ سے صحیح و قابل احتجاج نہیں۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

اور آپ کا یہ فرمانا۔

اس سے واضح ہے کہ رضوی تجزیہ، تار عنکبوت اور دجل دہی کا طریقہ ہے۔ (آپ کے

الفاظ۔ص)

آپ اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیں کہ آپ کے دلائل تار عنکبوت ہیں یا اس فقیر حقیر کا تجزیہ اور جہاں تک آپ کی مہربانیوں کا تعلق ہے دجل وغیرہ، تو ایسے الفاظ صرف آپ جیسا سلیم الفطرت شخص ہی ہوسکتا ہے۔

حدیث نمبر۶ از مسند امام احمد

عن قبیصہ بن ھلب ....

قبیصہ بن ھلب اپنے باپ ھلب سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ دائیں اور بائیں دونوں طرف سے پھرتے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ....اس کو اپنے سینے پر رکھتے یحییٰ نے بیان کیا کہ دائیں کو بائیں کے اوپر جوڑ پر .... (آپ کے الفاظ ص۱۶)

قبل اس کے کہ اس پر مزید کوئی کلام کیا جائے پہلے آپ کے سابقہ اور اس دفعہ کے مراسلہ میں اس حدیث اور اس کے ترجمہ میں فرق پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جس سے آپکی دیانتداری کا بہت بڑا ثبوت مل رہا ہے۔ پہلے رقعہ میں آپ نے حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمائی۔

رأیت رسول اللہ صلی اللـہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ وعن یسارہ ورایتہ یضع یدہ علی صدرہ ......(مسند امام احمد ص۲۲۹ ج۵)(آپ کے الفاظ مراسلہ نمبر۱ ص۲)

اور جواب اس مراسلہ میں آپ نے الفاظ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقل فرمائے ہیں اس کے الفاظ اسطرح ہیں۔

رأیت النبی صلی اللـہ علیـہ وسـلم ینصرف عن یمینہ وعن یسارہ

ورایته یضع ھذہ علی صدرہ .... (آپ کے الفاظ ص۱۶ مراسلہ نمبر۲)

آپ خط کشیدہ الفاظ کو دیکھیں کہ دونوں عبارتوں میں فرق ہے یا کہ نہیں اگر ہے تو صحیح کونسی ہے۔ پہلے والی یا اب والی اور اگر اب والی صحیح ہے تو مراسلہ نمبر۱ کی عبارت غلط لکھنے کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اور میرے نزدیک یہ تبدیلی بالخصوص مراسلہ نمبر۱ میں؛ھذہ کی بجائے ''یدہ'' کرنادانستہ تبدیلی ہے۔

اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں بے جا تصرف اور یہ تحریف کے ضمن میں آتا ہے۔ اور میری اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ کے پیشرو مشہور غیر مقلد مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی "فتاویٰ ثنائیہ" میں ایسی ہی تحریف کی ہے کہ اس نے ''ھذہ'' کی بجائے ''یدہ'' لکھ ہے۔

پہلے مراسلہ میں رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جبکہ اب رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال اگر آپ سے سہو ہو گیا ہے تو خدا آپ کو معاف فرمائے اور اگر عمداً کیا ہے تو پھر آپ خود ہی اس بارے میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔

جو رضوی صاحب نے اس پر کلام کیا ہے۔ وہ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا اولاً انہوں نے بیان محض نقل پر شروع کر دیا......... (آپکا مراسلہ نمبر۲ ص۱۶۔ آپ کے الفاظ)

میرا کلام بے حقیقت ہے اس کی جناب نے دلیل کیا دی فقط آپ کے کہنے سے ہی بے حقیقت ہو گیا سچ سے کیا چیز مانع ہے۔ آپ یہ بھی لکھ کر اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکتے تھے کہ مجھ سے کلام کا جواب ازروئے دلیل نہیں ہو سکتا۔ واقعی میں نے غلطی کی تھی جس سے اب توبہ کرتا ہوں لیکن بُرا ہو اس نفس کمینے کا کہ یہ ہمشہ ہی حق سے روکنے کا قصد کرتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) میرے محترم میں نے کلام کوئی قصہ کہانی نہیں لکھا تھا۔ نہ ہی کسی غزل کے اشعار لکھ دیئے تھے بلکہ اللہ کے پیارے محبوب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرمودات

نقل کیے تھے کہ کہیں کوئی بھائی بے خبری میں بہک نہ جائے۔

میری پیش کردہ احادیث کا کوئی جواب نہیں دیا اپنی دلیل کو نماز کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں دی۔ کیا یہ ہٹ دھرمی اور حق سے چشم پوشی نہیں تو اور کیا ہے۔ آپ اپنا کیا ہوا ترجمہ پڑھیں اگرچہ پہلے مراسلہ اور اس مراسلہ میں اس حدیث کے متن کی طرح ترجمہ میں بھی فرق ہے آپ اس کو پڑھیں کسی ان پڑھ آدمی کے سامنے اس کو پڑھیں اور اس سے پوچھیں بغیر تشریح کیے کہ آپ ان الفاظ سے کیا سمجھے ہیں۔ یقیناً وہ یہ نہیں کہے گا کہ اس میں نماز کا ذکر ہے اور پھر سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے آپ اپنا کیا ہوا ترجمہ ہی پڑھیں۔

آپ نے لکھا۔

قبیصہ بن ھلب اپنے باپ ھلب سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ دائیں اور بائیں دونوں طرف سے پھرتے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اسکو اپنے سینے پر رکھتے ...... یحیٰی نے بیان کیا کہ دائیں کو بائیں کے اوپر جوڑ پر.......

(آپکے الفاظ مراسلہ نمبر۲ ص۱۶)

حضرت اب آپ ہی بتائیں کہ اس میں کہاں ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے اور اگر نماز میں تھے تو دائیں اور بائیں نماز میں پھرنا کہاں جائز لکھا ہوا ہے۔ اور پھر کیا سینے پر ہاتھ رکھا اس کا بھی حدیث میں ذکر تک نہیں راوی حدیث کچھ بیان فرما رہا ہے لیکن ہاتھوں کا لفظ اس نے بھی نہیں بولا اور اگر ہاتھ ہی مراد ہے تو یہ آپ کے پچھلے تمام دلائل کا رد کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی کی کہنی تک پہنچائے جبکہ یہاں ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھا تھا۔ کبھی انکار اور کبھی اقرار..... چہ معنی دارد...

اور پھر یہاں اگر واؤ ترتیب کیلئے ہے تو پھرنے کے بعد دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بقول آپکے سینہ پر رکھے ہوئے تھے تو نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے یا

نماز سے پھرنے کے بعد۔اس معمہ کا حل ضرور فرمائیں۔

اور اگر آپ بضد ہیں کہ نماز کا ہی واقعہ ہے تو دلائل سے میرے پچھلے مراسلہ کا یہاں جو کلام ہے اس کا جواب دیں۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہے اگر ایسا نہیں تو ثابت فرمائیں میں اپنی غلطی تسلیم کر کے آپ سے اس سلسلہ میں معافی طلب کرلوں گا۔آپ نے دفع الوقتی کی ہے۔ تحقیق کا حق ادا نہیں کیا۔آپ نے لکھا۔

اپنے مراسلہ کے صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں کہ سفیان ثوری نے اس کو (سماک بن حرب) ضعیف کہا ہے۔حالانکہ آئمہ جرح میں جو نام انہوں نے لکھے تھے ان میں العجلی مقدم لکھا تھا ......افسوس ہے کہ عجلی کا فیصلہ اب ذاتی غرض کیلئے قبول نہ کیا۔حالانکہ خود ان کی بات بھی لکھی ہے۔(آپ کے الفاظ مراسلہ۲ ص۱۶)

یہ عبارت پڑھ کر افسوس بھی ہوا کہ جب قوم کے راہبروں کے علم اور دیانت کا یہ حال ہے تو پھر عام آدمی کا کیا حال ہوگا یہ تو بالکل نابالغ ذہن کی باتیں ہیں میں حیران ہوں کہ آپ ہی وہ شخص تھے جو کہ حضرت مولانا حافظ غلام مصطفےٰ صاحب کو کئی مہینوں سے للکار رہے تھے۔

آپ جیسے قوم کے رہبروں اور آپ کے دوستوں کو دیکھ کر ہی کسی نے یہ شعر کہا تھا۔

یہاں ہر رہبر رہزن ہے یہاں ہر مسافر لیٹرا ہے
معبدوں کے چراغ گل کردو قلب انسان میں اندھیرا ہے

جناب عالی!میں نے اگر عجلی کا نام لکھ کر دیا تھا تو کیا یہ بھی لکھا تھا کہ انہی کا قول مانوں گا اور کسی کا نہیں مانوں گا یا ان کو ترجیح دوں گا دوسروں کو نہیں دوں گا آپ کے اسرار پر صرف سات محدثین کے نام لکھے اور آگے وغیرہم بھی لکھا۔اور پہلے یہ الفاظ بھی لکھے کہ جن کی جلالت علمی پر امت کا اتفاق ہے آپ کو یہ کیوں نہیں یاد رہے اور آئمہ جرح وتعدیل تو کم بیش بقول امام ذہبی سات سو سے اوپر ہیں۔جن کی تعداد ان گنت ہے۔ملاحظہ ہو۔(ذکر

من یعتمد قولہ فی الجرح و التعدیل للذ ھبی)

آپ کو میری لکھی ہوئی فہرست میں امام احمد اور نسائی نظر نہیں آئے۔اور پھر اتنے محدثین میں سے صرف ایک امام کا قول نظر آیا۔

ضعیف کہنے والے حضرات

(۱) امیر المومنین فی الحدیث امام عبداللہ بن مبارک (۲) امام جرح والتعدیل۔امام شعبہ
(۳) امام اہلسنت امام احمد بن حنبل (۴) امام نسائی (۵) ابن عمار (۶) جریر الضبی
(۷) سفیان ثوری (۸) ابن المدینی (۹) صالح جزرہ (۱۰) ابن خراش (۱۱) یعقوب بن شیبہ

تعدیل کرنے والے

(۱) یحییٰ (۲) امام ابوحاتم (۳) امام عجلی (۴) یعقوب بن شبیہ

اب دیکھیں جرح کرنے والے گیارہ اور تعدیل کرنے والے صرف چار اور اگر اس کے الٹ ہوتا تب بھی اصول حدیث کے تحت جرح مقدم ہوتی اور راوی ضعیف ہوتا لیکن ادھر تو معاملہ ہی اور ہے کہ گیارہ جرح کرنے والے اور صرف چار تعدیل کرنے والے اور وہ بھی تعدیلی راویوں سے درجہ میں بہت نیچے۔مثلاً

امام سفیان ثوری، طبقہ اول۔امام عبداللہ بن مبارک طبقہ دوم۔امام احمد وابن المدینی وابن عمار طبقہ چہارم

جبکہ جرح والے امام یحییٰ بن معین طبقہ چہارم امام عجلی طبقہ چہارم۔ یعقوب بن شیبہ طبقہ پنجم، ملاحظہ ہو۔(ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح و التعدیل للذھبی)

اور پھر تعدیل کرنے والوں کے الفاظ تعدیل بھی چوتھے یا تیسرے درجے کے جن سے کماحقہ ثقاہت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ملاحظہ ہوں۔سابقہ صفحات دربیان مؤمل بن اسماعیل۔

اب اپنے ایمان سے بتائیں کہ کیا یہ راوی ثقہ ہے اور اس کی روایت حجت ہو سکتی

ہے۔حدیث بھی وہ جو صریح نہیں راوی بھی ایسا ضعیف پھر بھی اگر آپ دعویٰ فرمائیں کہ ہم حق پر ہیں تو پھر یہ آپ کی زیادتی ہے۔

دیکھو۔اپنا مراسلہ کہ عجلی نے کہا کہ وہ جائز الحدیث ہے لہٰذا آپ عجلی کا فیصلہ قبول کرنے کے پابند ہیں۔......دیگر بات پھر ذکر کرنا....۔ (آپ کے الفاظ ص۱۶)

یہ بات بالکل غیر اصولی بات ہے لیکن بالفرض محال ہم اسکو تسلیم بھی کرلیں تو جناب آپ کو معلوم ہے کہ جائز الحدیث اسماء تعدیل میں کس درجہ پر آتا ہے۔اگر معلوم نہیں تو معلوم کریں اور پھر دیکھیں کہ ایسے راوی کی حدیث کس درجہ کی حدیث ہوتی ہے۔

ویسے یہ بات آپ نے بڑی عجیب لکھ دی کہ پہلے عجلی کا فیصلہ قبول کریں کیا میں نے کوئی ایسی بات لکھ کر دے دی تھی کہ پہلے عجلی کا فیصلہ قبول کرنے کا پابند ہوں۔بڑی۔بے تکی اور کم علمی کی بات ہے۔

امام ترمذی علل میں فرماتے ہیں۔

وممن یضطرب فی حدیثه ۔

اور وہ رواۃ جن کی حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

اور امام ترمذی نے اسی باب میں سب سے پہلے نمبر پر اسی راوی یعنی سماک بن حرب کو رکھا اور ابن رجب حنبلی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وقد ذکر الترمذی ان هو لاء وامثالهم ممن تکلم فیه من قبل حفظه وکثرة خطیه لا یحتج بحدیث احدمنهم اذا انفرد یعنی فی الاحکام الشرعیة والامور العلمیة ......

(شرح علل ترمذی للابن رجب ص۱۴۱ج۱)

اور امام ترمذی نے ان رواۃ کا بیان اس باب میں کیا ہے کہ جن کا حافظہ اور زیادہ

خطائیں (غلطیوں) کے سلسلہ میں کلام ہے اور ان میں سے کسی کی حدیث سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی جبکہ وہ منفرد ہو یعنی احکام اور رعلمی امور میں ۔

اب بتائیں جناب امام ابن رجب تو فرماتے ہیں، کہ ایسے رواۃ کی روایت سے احتجاج کرنا ہی صحیح نہیں ہے ۔اب صرف آپ جائز الحدیث کے الفاظ لے کر صرف اپنی سینہ زوری پر راوی کو ثقہ ثابت کرنا چاہیں تو یہ صرف آپ کا ہی کام ہے کسی اہل علم کا تو نہیں ہوسکتا۔

پھر اسے مدلس کہہ کرٹالنے کا کیا مقصد ہے ۔(آپ کے الفاظ ص ۱۶)

میرے خیال میں آپ کو تدلیس اور مدلس کے احکامات کا علم ہی نہیں ہے جو مختصر میں نے اس سلسلہ میں حوالے دیئے تھے ۔کم ازکم ان کی طرف بھی نظر کرم فرما دیتے اگر غلط تھے تو مجھے مطلع فرماتے اور اگر صحیح ہیں تو ان پر عمل کرنا چاہئے تھا یا یہ کام صرف لوگوں کیلئے رکھا ہوا ہے ۔چلیں وہ تو بزرگان اہل سنّت کے حوالے تھے ۔مثلاً علامہ کیکلدی ۔امام سخاوی وشافعی امام نووی شافعی ۔آپ اپنوں کی ہی مان لیں ۔

آپ کے حافظ الحدیث جناب حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں ۔

صحیح یہ ہے کہ مدلس کا عنعنہ مطلقاً قبول نہیں ۔ مولف کی اصول حدیث بے خبری ہے ۔
(التحقیق الراسخ ص ۱۹۷)

آپ کے ایک اور ہم مسلک بھائی صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں ۔

اصول حدیث کی روشنی میں حدیث ضعیف ہے کیونکہ اسی حدیث کی سند میں ایک راوی حضرت قتادہ ہیں جو اپنے استاد حضرت نضر سے عن کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں اور اصول یہ ہے کہ مدلس جب عن سے روایت بیان کرے قابل حجت نہیں ۔علوم حدیث ۔ مقدمہ ابن صلاح ۔نخبۃ الفکر وغیرہ (ہفت روزہ "اہلحدیث" لاہور ص ۱۴، ۳۔مئی ۱۹۹۱ء)

کیوں جی اب تسلی ہوئی کہ نہیں اگر آپ فرمائیں تو اس پر سینکڑوں حوالے دیئے جاسکتے

ہیں ۔لیکن آپ فرمار ہے ہیں کہ "پھر اس کو مدلس کہہ کر ٹالنے کا کیا مقصد۔"

میرے بھائی اگر یہ راوی ثقہ ثابت ہو بھی جائے تب بھی یہ روایت صحیح ثابت نہیں کیونکہ تدلیس تو اس میں بہر حال ہے آپ کی جانے بلا کہ یہ تدلیس کیا ہوتی ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ ان کی روایت عکرمہ سے مضطرب ہے۔حالانکہ اس روایت میں عکرمہ نہیں ....(آپ کے الفاظ ص ۱۶)

سبحان اللہ ! یہ ہے آسمان سے گرا۔کھجور میں اٹکا ۔اگر اس میں عکرمہ نہیں تو اس میں کون ہے۔یہ بھی بتا دیا ہوتا یا میرے دلائل کا ترتیب وار جواب دیا ہوتا لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ عکرمہ نہیں ہے اگر عکرمہ نہیں تو کون ہے چھپایا کیوں ہے بیان کیوں نہیں کیا۔

"کچھ ہے جس کی پردہ داری ہے۔"

تو آیئے میں بیان کرتا ہوں اس میں عکرمہ کی بجائے راوی ہے۔

قبیصہ بن ھلب :

تو جناب عالی اس راوی کے بارے میں میں نے اپنے پہلے مراسلہ میں باحوالہ ثابت کیا تھا کہ یہ راوی مجھول ہے۔اس کو ابن المدینی اور امام نسائی وغیرہ نے مجھول لکھا ہے۔آپ نے کمال ہوشیاری دکھائی اور اس کا ذکر تک مناسب نہ سمجھا۔جناب عالی اگر تکلیف نہ سمجھیں تو اس راوی کو معروف ثابت کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ثابت فرمائیں کہ اس راوی سے دو ثقہ راویوں نے مختلف روایات لی ہیں۔اس راوی سے تو صرف سماک ہی روایت کرتا ہے ایک راوی اور بتا دیں تب یہ راوی معروف ہوگا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں۔

وقال یعقوب بن شیبہ : قلت لیحیٰی بن معین : متیٰ یکون الرجل

معروفاً، اذا روی عنہ کم ؟ قال : اذا روی عن الرجل مثل ابن سیرین والشعبی ، وھولاء اھل العلم فھو غیر مجھول : قلت فاذاروی عن الرجل مثل سماک بن حرب وابی اسحاق ؟قال ھولاء یروون عن مجھولین

(علل الترمذی مع شرح ص۸۲،۸۱ج۱)

اور امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں۔کہ میں نے امام یحیٰ بن معین سے پوچھا کہ آدمی کب معروف گردانا جاتا ہے اس سے کتنے آدمی روایت کریں تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی شخص سے ابن سیرین اور امام شعبی جیسے شخص روایت کریں تو وہ مجھول نہیں رہتا میں نے پھر کہا کہ جس سے سماک بن حرب اور اسحاق روایت کریں تو فرمایا کہ وہ مجھولوں سے روایت کرتے ہیں۔

اس کی شرح میں امام ابن رجب فرماتے ہیں۔

وھذا تفصیل حسن وھو یخالف اطلاق محمد بن یحییٰ الذھلی الذی تبعہ علیہ المتاخرون انہ لا یخرج الرجل من الجھالۃ الابروایۃ رجلین فصاعداعنہ (ص۸۲ج۱)

اور یہ اچھی تفصیل ہے اور یہ اس تعریف کے مخالف ہے کہ محمد بن یحیٰ ذھلی نے جس پر اطلاق کیا ہے اور متاخرین نے بھی اس تعریف کا اتباع کیا ہے۔وہ یہ کہ آدمی جہالت سے اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ آدمی روایت نہ کریں۔

تو جناب عالی جب تک آپ اس راوی کو معروف ثابت نہ کریں اس وقت تک یہ روایت صحیح تو کیا حسن بھی نہیں ہو سکتی بلکہ قابل احتجاج ہی نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حرف آخر :

یہ حدیث سنداً بالکل ضعیف ہے۔ کیونکہ

(۱) اس کا ایک راوی یعنی سماک بن حرب ۔ضعیف ۔ لین الحدیث ۔ مضطرب الحدیث ۔ متغیر الحافظہ ہے۔

(۲) اس روایت کا ایک راوی یعنی سماک بن حرب ۔ مدلس ہے اور یہ روایت اس نے ''عن'' سے کی ہے اور بالاتفاق محدثین مردود ہوتا ہے۔

(۳) اس روایت کا ایک راوی یعنی قبیصہ بن ھلب ؛ مجہول راوی ہے اور مجہول راوی کی روایت ضعیف اور ناقابل احتجاج واستدلال ہوتی ہے۔

یہ روایت متناً بھی صحیح نہیں ہے۔

(۱) یہ روایت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے میں صریح نہیں ہے۔ بلکہ اس میں نماز کا ذکر تک نہیں ہے۔

(۲) اس روایت میں ''علی صدرہ'' کے الفاظ غیر محفوظ اور یہ سماک بن حرب یا قبیصہ کا وہم ہے تقریباً تمام معتبر کتب میں یہ حدیث موجود ہے۔ لیکن نہ تو اس میں یہ راوی ہے اور نہ ہی علی صدرہ کی زیادت۔

اب آپ کا ایسی احادیث کے بل بوتے پر یہ کہنا۔

(اب بمطابق وعدہ سینے پر ہاتھ باندھ لو.......... آپ کے الفاظ ص ۱۶)

عقل ودیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ آپ اب بھی اس حدیث کو صحیح گردانیں تو پھر دنیا میں کوئی حدیث ضعیف نہیں ہو سکتی اور جو بھی اس حدیث کو صحیح کہتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اور جھوٹ پر مداومت نہیں کرے گا مگر منافق (او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

میں الحمد للہ اپنے وعدہ پر قائم ہوں ۔اور وعدے سے صرف منافق ہی پھرے گا لیکن میرے اور آپ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کے مطابق آپ صحیح صریح مرفوع غیر شاذ غیر معلل روایت پیش فرمائیں پھر مجھ سے مطالبہ بھی فرمالینا پھر اگر عمل نہ کروں تو تب کہنا۔

اب آپ کا یہ کہنا کہ :

لیکن رضوی صاحب آنکھیں بند کر کے تبصرہ ہی کرتے رہے کہ اس میں نماز کا ذکر نہیں ۔

(آپ کے الفاظ ص ۱۵)

اگر میری آنکھیں بند تھیں تو جناب کھلی آنکھوں سے میری راہنمائی فرمادیتے کہ دیکھیں جی اس میں تو نماز کا ذکر ہے۔لیکن اس کی نشاندہی تو آپ اب بھی نہیں فرماسکے اور نہ ہی قیامت تک فرماسکتے ہیں ۔اور ضد کا تو علاج ہی کوئی نہیں ۔اس کا نماز سے غیر متعلق ہونے کا بیان میں نے دلیل سے کیا آپ نے ان دلائل کا کیا کیا۔اور اس کے نماز کے متعلق ہونے میں کونسی دلیل دی ذرا اس پر بھی روشنی ڈال دیں۔

سو آپ کے پیشرو نے تو اسپر بایں الفاظ تبویب کی ہے ۔دیکھئے آثار السنن ص ۶۷ ،باب وضع الیدین علی الصدرہ ۔(آپ کے الفاظ ص ۱۵)

تو جناب صاحب آثار السنن نے صرف اس لئے اس باب کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ آپ جیسے کئی خوفِ خدا سے عاری لوگ اس کو اپنے دعویٰ میں پیش کرتے ہیں اس لئے اس کا جواب ہو جائے۔

اپنے ہی محترم علامہ نیموی کو بھی ٹھکرادیا۔محض ذاتی رائے سے ....(آپکے الفاظ ص ۱۵)

اب بھی اگر آپ اسی کو میری ذاتی رائے قرار دیں۔تو یہ بڑی زیادتی بلکہ ظلم ہے اللہ کے فضل وکرم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم سے میں نے تو کوئی بات

بھی بغیر دلیل ہے ہیں کی اس میں میری ذاتی رائے کہاں سے آ گئی۔

سند متصل ہے تمام رواۃ ثقات ہیں ابن معین اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(آپ کے الفاظ ص ۱۵)

تمام رواۃ کیسے ثقات ہیں کیا دلیل ہے۔آپ ے کہنے سے ثقات ہو گئے۔اور ابن معین اور ابو حاتم نے قبیصہ بن ھلب کی توثیق کہاں اور کن الفاظ کے ساتھ کی ہے۔آپ نے جمع کا صیغہ لکھا ہے کہ ان کی توثیق کی ہے۔اگر آپ اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہیں تو ثابت کریں ورنہ دوسرا حکم تو پھر ظاہر ہے ہی..............

اوران سے اس مقام پر سفیان نے بیان کیا ہے اور انہوں نے سماک سے پہلے سنی ہے اس لئے اضطراب نہیں۔ ....(آپ کے الفاظ ص ۱۵)

اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ روایت سفیان نے اضطراب سے پہلے سنی ہے آپ کے کہنے سے تو کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔آپ کی اکثر عادت مبارکہ ہے کہ آپ بات کرتے ہیں اور دعویٰ بھی کرتے ہیں اور دلیل کوئی نہیں دیتے۔

جس نے بھی لکھا ہے کہ علی صدرہ کے الفاظ غیر محفوظ ہیں غلط اور لائق اعتناء نہیں ......(آپ کے الفاظ ص ۱۵)

میں اللہ کے فضل وکرم سے پچھلے صفحات میں یہ بادلائل ثابت کر آیا ہوں کہ یہ الفاظ غیر محفوظ اور شاذ و منکر ہیں اور شاذ کی تعریف جو کہ آپ نے کی ہے وہ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں۔

اوران دونوں صحیح اور حسن کے راوی کے زائد کردہ الفاظ مقبول ہیں۔......(آپکے الفاظ۔ص ۱۵)

اس کا جواب بھی میں پیچھے بالتفصیل بیان کر آیا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ نیموی کا اعتراف کہ اسنادہ حسن ؛اس کی سند حسن ہے یہ بات تو بالکل واضح ہے اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔لہٰذا اس میں کوئی بھی کثیر الغلط نہیں۔...... (آپ کے الفاظ ص ۱۵)

اسنادہ حسن کا پول تو میں اوپر کھول آیا ہوں۔اس کے تمام راوی ثقہ ہونا واضح امر قرار دینا صرف آپ جیسے آدمی کا ہی کام ہے۔مجھول راوی بھی ثقہ ہو گیا۔

ع ...... تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

اور یہ لفظ لکھ کر کہ ...لہٰذا اس میں کوئی بھی کثیر الغلط نہیں'' ۔یہ تو تسلیم کر لیا کہ کثیر الغلط راوی کی روایت صحیح تو کیا۔حسن بھی نہیں کہلا سکتی اور الحمد للہ یہی ہمارے مسلک و موقف کی قوی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۷:۔ حدیث طاؤس

علامہ سندھی نے اپنے رسالہ میں حدیث طاؤس کو بیان کیا ہے کہ حضرت طاؤس فرماتے ہیں... **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشدهما على صدره .**

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے اور سینہ پر باندھ لیتے۔(آپ کے الفاظ ص ۱۵)

آپ نے یہ روایت پہلے مراسلہ میں بھی پیش فرمائی تھی اور میں نے محدثین سے اس پر کلام بھی نقل کیا تھا۔آپ نے اس کا بالکل کوئی جواب نہیں دیا۔حضرت یہ طریقہ ایسے تحقیقی مسائل میں اچھا نہیں ہوتا۔میں نے عرض کیا تھا کہ علمائے اہلحدیث کے نزدیک مرسل روایات نا قابل حجت ہوتی ہیں اور اس کے دلائل بھی دیئے تھے۔آپ نے اس کا جواب نہیں دیا الٹا یہ دلائل دینے شروع کر دیئے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک

واحمد کے نزدیک مرسل روایت حجت ہوتی ہے۔آپ دلائل تب دیتے جب ہم اس کے منکر ہوتے۔ہم تو کہتے ہیں کہ مرسل جب صحیح سند کے ساتھ مروی ہو تو قابل حجت ہوگی لیکن آپ نے اس کی سند پہلے نقل کی نہ اب جب یہ روایت ثابت ہی نہیں تو پھر مجھے دعوت دینا کہ۔

پس یا تو امام ابوحنیفہ کا مسلک بقبول مرسل کو تسلیم کرو یا امام صاحب کا مسلک تبدیل کرلو،آپ کیلئے یہ روانہیں کہ اپنے امام کے خلاف بات کرو مقلد امام کا پابند ہے وہ مجتہد نہیں ہوسکتا کہ کوئی اور راہ نکال کر ذاتی منفعت اٹھائے۔ (آپکے الفاظ ص ۱۶)

میں تو الحمدللہ اپنے امام صاحب کے مسلک کا پابند ہوں اور مرسل روایت کو تسلیم کرتا ہوں لہذا امام صاحب کا مسلک تبدیل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن میں نے اپنے پچھلے مراسلہ پر اس حدیث پر جرح نقل کی ہے اس کا سلسلہ وار جواب دیں۔پھر مجھ پر جو سوالات چاہیں کریں میں آپ کی طرح نظر چرا کر دامن بچا کر تمام تحقیقی سوالات کو ہضم نہیں کر جاؤں گا جواب دوں گا اور وہ بھی وندان شکن اور باطل سوز۔

میں نے اس حدیث کو مرسل ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا تھا بلکہ اس میں تدلیس ہے لہذا یہ روایت بالاتفاق مردود ہے۔پھر اس میں ایک راوی سلیمان بن موسیٰ زبردست ضعیف ہے۔(دیکھئے میرا مراسلہ نمبر ۱ ص ۹)

خلاصہ المرام

حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث وضع الیدین علی الصدور کے دلائل صحیح اوثق اور حسن ہیں۔(آپکے الفاظ ص ۱۶)

یہ پھر آپ نے زبردست جھوٹ بولا ہے۔اور بار بار جھوٹ بولنا اچھے لوگوں کا شیوہ نہیں۔آپ دلائل سے تو ثابت نہیں کر سکے اور دعوے پر دعوے کیے جا رہے ہیں کہ ہمارے

دلائل صحیح ہیں ۔جس شخص کے دل میں خوف خدا اور آخرت کے دن کا ڈر ہے وہ ایسی بے سروپا باتیں نہیں کرتا دلائل کی زبان میں شائستہ گفتگو کرتا ہے لیکن میرے ناقص خیال میں آپ ان تمام چیزوں سے عاری ہیں۔

نمبر ا:۔ حدیث سہل بن سعد (از بخاری) سے سینہ پر ہاتھ باندھنے ثابت ہیں ۔ (آپ کے الفاظ ص ۱۶)

یہاں میں سوائے اس کے کیا کہہ سکتا ہوں کہ آپ کم از کم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمادیا کریں ویسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

"من كذب علي متعمدا فليتبوا مقعده من النار"

تخریج حدیث : (تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر ج ا ص ۴۲۷ و ج ۲ ص ۶۱، ۴۴۴ و ج ۳ ص ۴۴۵ و ج ۴ ص ۱۷۹ و ۱۹۸ و ج ۵ ص ۱۷۶ و ۳۵۹ و ج ۶ ص ۴۵۵ و ج ۷ ص ۵)

اور میرے خیال میں آپ نے یہ جھوٹ جان بوجھ کر بولا ہے اگر نہیں تو توبہ کریں اور اگر آپ کی بات سچ ہے تو اس کو ثابت کریں ورنہ یہاں جھوٹی عزت کیلئے آپ جو کچھ ڈھونگ رچا رہے ہیں ۔اس کا وبال آخرت میں ہوگا ہی اس دنیا میں بھی آپ بچ نہیں سکیں گے ۔ بخاری میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی کوئی روایت وصراحت نہیں ۔ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ جو صرف آپ یا آپ کے مسلک والے ہی لگا سکتے ہیں۔

نمبر ۲:۔ حدیث وائل (از نسائی) کہ داہنا ہاتھ ہتھیلی گٹ اور کلائی پر رکھا آپ اس کا تجربہ کریں ہاتھ سینے سے نیچے ہو ہی نہیں سکتے..... (آپ کے الفاظ ص ۱۶)

یہ آپ کی کم علمی اور جہالت ہے نہ آپ سینہ کی حدود سے واقف ہیں اور نہ ہی آپ ہاتھ کے مفہوم کو جانتے ہیں کتب لغت کا مطالعہ فرمائیں تا کہ آپ کو نماز میں ہاتھ باندھنے کا

طریقہ معلوم ہو سکے۔

نمبر۳ :۔ حدیث وائل بن حجر صحیح ابن خزیمہ میں دو طریق سے مروی ہے جن سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت ہو چکا..... (آپ کے الفاظ ص)

میں سوائے اس کے کیا کہہ سکتا ہوں کہ ۔ **لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین**

نمبر۴ :۔ حدیث ھلب.... حدیث حسن ہے۔کہ آپ نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھے۔

(آپ کے الفاظ)

شکر ہے آپ صحیح کی تکرار کو چھوڑ کر حسن تک تو آ گئے ہیں۔آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ اور جہاں تک حسن کی بات ہے اس کا پول ہم پچھلے صفحات میں کھول چکے ہیں۔ملاحظہ فرمالیں۔

نمبر۵ :۔ حدیث طاؤس کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھے اور مرسل احناف کے نزدیک حجت ہے۔ (آپ کے الفاظ)

آپ پہلے اس کو صحیح ثابت تو کرلیں پھر ہم پر بطور حجت پیش بھی فرمائیں۔ احناف کے نزدیک حجت ہے آپ اپنی بات کیوں نہیں کرتے آپ اس کو حجت سمجھ کر پیش فرما رہے ہیں یا مردود سمجھ کر۔آپ اس کا جواب بھی نہیں دیں گے۔

نمبر۶ :۔ **فصل لربک والنحر** کی تفسیر حضرت علی حضرت ابن عباس نیز حضرت انس سے ذکر کی گئی کہ ہاتھ سینہ پر باندھنے مراد ہیں۔(آپ کے الفاظ)

یہ ان پاکباز بندوں پر الزام ہے اگر نہیں تو صحیح سند سے ان سے ثابت کریں اور یہ کام آپ کے بس کا روگ نہیں ہے۔

اب حجت تمام ہوئی خواہ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں ہم نے اپنا فرض ادا کیا.....

(آپ کے الفاظ ص ۱۶)

آپ خدا کی قسم اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے جو دلائل دیئے ہیں یہ تمام کے تمام صحیح ہیں۔ آپ ایسا کریں میں تو صحیح دلائل کو تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔

آپ نے ضعفاء اور موضوعات کا پلندہ باندھ کر میرے سامنے پیش کر دیا اور پھر آپ ان سے حجت تمام فرما رہے ہیں۔ افسوس ہے آپ پر آپ اہلحدیث کا یا تو دعویٰ کرنا چھوڑ دیں اور صرف وہابی کہلایا کریں یا پھر غیر صحیح احادیث پر عمل نہ کیا کریں۔

آپ کیلئے دعائے خیر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو ہدایت الی طریق مستقیم فرمائے۔.....

(آپ کے الفاظ)

(آمین ثم آمین) آپ کا اس دعا کرنے پر میری طرف سے شکریہ۔ لیکن میری دعا ہے کہ خدا آپ کو مسلک حقہ اہل سنت کے سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق دے اور امت محمدیہ کو شرک و بدعت کے سرٹیفکیٹ نوازنے سے باز رکھے۔

اعتراض کرنے سے تو لوگ خدا کو بھی نہیں چھوڑتے..(آپ کے الفاظ)

میں آپ کی تائید کرتا ہوں اور خدا کے ساتھ ساتھ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ملاتا ہوں لیکن کاش آپ یہ مہربانی بھی فرما دیتے کہ ان لوگوں کا اتہ پتہ بھی بتا دیتے۔ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول جلا وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض کرتے نہیں چوکتے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر انہی کی تنقیص شان کو بھی اپنا مسلک بتاتے اور ایمان جانتے ہیں۔

اب فوراً فیصلہ تسلیم کر کے اعلان کیجئے تاکہ دوسرے مسائل بھی طے کئے جائیں۔.....

(آپ کے الفاظ ص ۱۶)

جناب کیا فیصلہ ہوا اور کس نے فیصلہ کیا جس کو میں تسلیم کرلوں آپ نے یہ تو مہربانی

فرمائی ہی نہیں یہ بھی بتا دیتے کہ فیصلہ فرمانے والے منصف کا نام کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے اگر انہی دلائل پر آپ نے از خود منصف بن کر فیصلہ صادر فرما دیا۔ تو پھر بھی آپ کے الفاظ کا مصداق ہے۔

کہ یہ تقسیم الفرد ہے۔ (آپ کے الفاظ)

جہاں تک دوسرے مسائل کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ۔ں نے آپ کو پچھلے مراسلہ میں بھی لکھا تھا کہ آپ وہ دلائل بھی بھیج دیں لیکن یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کبھی بھی نہیں بھیجیں گے۔۔ الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔

حالانکہ مسئلہ نمبر ا :تو وتروں والا تھا آپ نے اس کو چھوڑ کر یہ مسئلہ پہلے پسند فرمایا اس میں آپ کے اپنے مسلک کی جو درگھت بنی ہے وہ دیکھ لی ہے۔ اب آپ وتروں والا بھی مسئلہ لکھ کر بھیج دیں لیکن پھر بھی میں لکھتا ہوں کہ آپ یہ جرأت نہیں فرمائیں گے کیونکہ آپ نہیں چاہتے کہ جو لوگوں میں رکھ رکھاؤ بنا ہوا ہے۔ وہ بھی خراب نہ ہو جائے۔ کیونکہ دلائل کی دنیا میں آپ لوگ یتیم ثابت ہوئے ہیں۔ ہاں شور مچانے میں آپ لوگ سب سے آگے ہیں پراپیگنڈا کرنا آپ لوگوں پر ختم ہے۔ اب دیکھیں کہ ایسی احادیث کو آپ صحیح کہہ رہے ہیں کہ جن پر پوری امت میں سے صرف چند غیر مقلدین ہی عمل کر رہے ہیں کسی بھی مجتہد امام نے نہیں کیا اور چونکہ آپ نے آئمہ مجتہدین کی مخالفت کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ اس لئے آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں جو غیر ثابت اور متروک العمل ہوں۔

کیونکہ آپ کے پیشرو علامہ بدرالدین عینی امام شافعی کی دلیل حدیث وائل اور دیگر دلائل کو موثق لکھ چکے ہیں اور حنفی دلائل کو غیر موثق لکھتے ہیں۔ (آپ کے الفاظ)

آپ نے یہ حوالہ اپنے سابقہ مراسلہ کے صفحہ نمبر ۲۔ اور موجودہ مراسلہ صفحہ ۵۔ اور

صفحہ ۱۶۔ پر دیا ہے۔ معلوم نہیں آپ یہ حوالہ کیوں بار بار دھرار ہے ہیں۔ جبکہ یہ حوالہ سرے سے ہے ہی غلط۔ اگر میں ایسی غلطی کرتا تو جناب پتا نہیں مجھے کیسے کیسے القابات سے نوازا جاتا لیکن میں جانتا ہوں۔ کہ آپ نے اس حوالہ میں نقل ماری ہے۔ اصل کتاب نہیں دیکھی۔ ”فتاویٰ ثنائیہ“ سے لکھ دیا ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اس فتاویٰ میں بے شمار جھوٹے حوالے موجود ہیں۔ آپ برائے مہربانی اپنا یہ حوالہ عمدۃ القاری صحیح بخاری سے نقل فرمائیں۔ اور مجھے بھی عمدۃ القاری صفحہ وجلد لکھ کر بھیجیں تا کہ آپ کا حوالہ دیکھا جا سکے۔

شارح منیۃ المصلی علامہ ابن الحاج.......... (آپکے الفاظ)

مجھے سو فیصد یقین ہے کہ آپ نے اس حوالہ میں بھی نقل ماری ہے۔ آپ اصل کتاب سے صحیح حوالہ پیش فرمائیں۔ پھر انشاء اللہ اس کا جواب دیا جائے گا۔ بمعہ صفحہ وجلد۔

اب میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ یا تو آپ اپنے مذہب کو صحیح صریح مرفوع احادیث سے ثابت فرمائیں یا پھر اس عمل کو چھوڑ کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اگر آپ کے مراسلہ میں کوئی بات رہ گئی ہو جس کا مناسب جواب نہ دیا گیا ہو تو آپ برائے مہربانی نشاندہی فرمائیں۔ ہاں میرے مراسلہ میں جن حوالوں کو آپ نے قابل التفات نہیں سمجھا اس کی مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مراسلہ نمبر ا صفحہ ۲: بسلسلہ مؤمل بن اسماعیل، امام بخاری کی جرح۔ منکر الحدیث کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ آخر کیوں؟

(۲) اپنے ہم مسلک بھائی ثناء اللہ زاھدی کے حوالے کا جواب نہیں دیا۔

(۳) آپ کے ہم مسلک مولوی عبدالرحمٰن مبارکپوری نے مؤمل کو ضعیف تسلیم کیا جواب نہیں آیا

(۴) علامہ سیوطی نے فرمایا کہ۔

امام بخاری جس کو منکر الحدیث کہہ دیں اس سے روایت لینا جائز نہیں.......

امام بخاری کا اپنا قول اس بارے میں نقل کیا بحوالہ فتح المغیث و میزان وغیرہ۔

امام ابن حبان کا منکر الحدیث کے بارے میں فیصلہ تحریر کیا۔ جواب نہیں آیا۔

عاصم بن کلیب کے بارے میں لکھا تھا کہ۔

مسئلہ رفع یدین میں علماء اہلحدیث اس کو قبول نہیں کرتے جو راوی رفع الیدین کے مسئلہ میں ضعیف ہے وہ وضع الیدین علی الصدر ہمیں کیسے ثقہ ہو گیا۔ یہ معمہ بھی حل فرمائیں آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

سفیان ثوری کے باب میں لکھا تھا کہ۔

یہ مدلس ہے ...... اور یہ روایت اس نے عن سے بیان کی ہے لہذا مردود ہے۔ اس کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

صفحہ نمبر ۵ : حدیث قبیصہ کے تحت نماز میں دائیں بائیں پھرنا اور التفات کرنا منع ہونے پر کئی احادیث لکھیں آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی ضد پر اَٹے رہے۔

صفحہ نمبر ۷ : ہر مدلس کا عنعنہ مردود ہونے پر جامع دلائل دیئے۔ آپ نے جواب نہ دیا۔

قبیصہ بن ھلب کو مجھول لکھا آپ نے اس کا ذکر بھی مناسب خیال نہ فرمایا۔ جواب تو دور کی بات ہے۔ اور مجھول راوی کو بار بار ثقہ کہتے رہے۔ بغیر دلیل کے۔

صفحہ نمبر ۸ : حدیث طاؤس کے بارے میں علمائے اہلحدیث کے حوالے سے ثابت کیا کہ مرسل آپ کے نزدیک حجت نہیں آپ نے ان حوالوں کا نہ اثبات کیا نہ انکار۔

صفحہ نمبر ۹ :۔ حدیث طاؤس کے راوی ثور بن یزید پر مدلس ہونے کی جرح کی آپ نے اعتراض دفع نہ فرمایا۔ اس حدیث کے دوسرے راوی سلیمان بن موسیٰ پر جرح نقل کی۔ آپ نے اس کی توثیق ثابت نہ کی اور بغیر دلیل کے مجھے اس کو قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔

مسئلہ وتر

میں پھر عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ وتر پر بھی اپنے دلائل پیش فرمائیں ۔حالانکہ اصولاً تو پہلے یہ مسئلہ تھا اس پر دلائل چاہئے تھے ۔لیکن آپ نے ایک خاص مصلحت کے تحت وہ مسئلہ اختیار نہیں فرمایا۔ وہ مصلحت اگرچہ میں جانتا ہوں لیکن پھر بھی چلیں اب سہی آپ جلدی سے وہ مسئلہ بھی لکھیں ۔تاکہ آپ کے مسلک کے دیگر مسائل کے بارے میں بھی لوگوں کو حقیقت حال کا علم ہو سکے۔

اب پھر میں عرض کرتا ہوں ۔۔۔" اعدلوا وھوا اقرب للتقوی۔"

حرف آخر :-

اللہ کے فضل و کرم سے میں نے آپ کی ایک ایک دلیل کا بحوالہ کتب معتبرہ مناسب جواب دے دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ دیگر لاتعداد مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی آپ کے پاس صحیح دلائل نہیں ہیں ۔ان دلائل کے علاوہ اگر کوئی دلیل ہو تو پیش فرمائیں ۔ورنہ خواہ مخواہ اپنا اور میرا قیمتی وقت ضائع نہ فرمائیں ۔مراسلہ ھذا میں اگر کہیں میں نے غلط حوالہ دیا ہو تو مجھے آپ تنبیہ فرما سکتے ہیں ۔میرے خیال میں تمام دوستوں کو یہ مراسلہ اور اس سے پہلا مراسلہ پڑھ کر حق و باطل کی تمیز ہو گئی ہو گی ۔لہٰذا اب آپ وتر دل کی قنوت کے بارے میں اپنے دلائل لکھیں ۔یا پھر اپنا معذرت نامہ لکھ کر مجھے اپنے دلائل پیش کرنے کا موقع فراہم کریں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

محمد عباس رضوی غفرلہٗ گورنمنٹ مڈل سکول چک جگنہ

۲۲-۵-۹۱ء

(۳)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد ! السلام علیٰ من التبع الھدیٰ

جناب ابوالولید حبیب اللہ صاحب

آپ کا تحریر کردہ رقعہ جو کہ چھبیس صفحات پر مشتمل ہے، ملا۔ پڑھ کر حیرت کے ساتھ ساتھ افسوس بھی ہوا کہ جو لوگ ترکِ تقلید کے مدعی ہیں ۔ دلائل میں بالکل یتیم اور علم میں کورے ہیں ۔اہل حدیث کے لیبل کے نیچے انکار حدیث کی تحریک چلا رہے ہیں اور مسائل میں ائمہ مجتہدین کی بجائے جاہل مولویوں کی تقلید پر قانع نظر آتے ہیں ۔مزہ تو تب تھا کہ اصول حدیث کے مطابق (اگر چہ وہ بھی مقلدین کے ہی بنائے ہوئے ہیں) احادیث پر جرح کرتے جبکہ مختلف حضرات کی مبہم غیر مفسر جرح نقل کر کے اپنی طرف سے بہت بڑا تیر مارا۔اس رقعے کا جواب دینا تو خواہ مخواہ جاہلوں کے ساتھ بحث میں الجھنے کے مترادف ہے لیکن صرف یہ سمجھتے ہوئے کہ غیر مقلدین یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے سوالات کے جوابات نہیں دیئے ۔مختصر جواب حاضر ہے۔

آپ نے لکھا۔

لیکن کہیں بھی آپ کا دعویٰ نظر نہیں آیا کہ آپ رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ کے بارہ کیا دعویٰ رکھتے ہیں۔ (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱)

تو جناب عالی ! آپ نے دعویٰ کے ساتھ صرف عندالرکوع والرفع منہ ہی کی قید کیوں لگائی ہے اور تیسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت اور بین السجدتین بلکہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع

الیدین کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا ؟

ہمارا دعویٰ مندرجہ ذیل ہے۔

''رفع الیدین بعداز افتتاح الصلوٰۃ منسوخ ہے۔''

آپ کی لاحاصل، لایعنی طویل عبارت کو چھوڑ کر صرف اصل مقصد کی بات کرتا ہوں۔آپ نے میری (یعنی جلالی صاحب کی) پیش کردہ روایات پر عجیب وغریب جرح کی ہے اور دوسروں کو اصول کی دعوت دینے والا شخص خود سراسر بے اصولی پر اُتر آیا۔

آپ کو چاہئے تھا کہ کتب اصول سے یہ اصول لکھتے کہ کسی کے کہنے سے حدیث ضعیف ہو جاتی ہے۔کیونکہ آپ نے بلاسوچے سمجھے چند محدثین کے اقوال لکھ ڈالے اور اصل کتب کی طرف مراجعت نہ کی۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی غیر مقلد جاہل مولوی کی تقلید کرتے ہوئے یہ اقوال درج کر دیئے۔

حدیث عبداللہ بن مسعود اور اس پر اعتراضات کا محاکمہ

آپ نے لکھا۔

جواب !(۱) یہ حدیث علل قادحہ کے ساتھ معلول ہے اور متناً وسنداً دونوں طرح ضعیف ہے۔(بلفظہٖ۔آپ کا رقعہ ص۲)

اقول: آپ کو چاہئے تھا کہ ترک تقلید پر قائم رہتے اور کسی بھی محدث کا قول نہ پیش کرتے بلکہ خود سند اور متن کی تحقیق کرتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔آخر کیوں؟

آپ نے لکھا۔

(۱) شیخ الاسلام المجاہد الثقہ عبداللہ بن مبارک شاگرد امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔لم یثبت حدیث ابن مسعود (سنن الترمذی) (بلفظہٖ۔آپ کا رقعہ ص۲)

اقول: جناب عالی۔ ظلم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے کیا جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول صرف اتنا ہی درج تھا جتنا کہ آپ نے نقل کیا؟

کیا آدھی عبارت نقل کر کے باقی کو چھوڑ دینا اور عبارت کے جاری رہنے کی علامت بھی نہ ڈالنا کہاں کی دیانت ہے۔ اور کیا دیانتداروں کا یہی کام ہوتا ہے؟ اگر آپ پوری عبارت نقل کرتے تو یقیناً آپ کے فراڈ کا پتہ چل جاتا۔ آیئے ہم پوری عبارت نقل کر کے آپ کو بتاتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کی جرح ہماری اس پیش کردہ روایت پر نہیں ہے۔

امام ترمذی نے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ " لم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیہ الا فی الاول مرۃ " (ترمذی فی الجامع ج ۱ ص ۳۵)

جناب عالی! کیا جرح کے یہ الفاظ اور ہماری پیش کردہ روایت کے الفاظ ایک جیسے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ دراصل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ترک رفع الیدین کی کئی روایات بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہی حدیث ہے جو زیر بحث ہے۔ اس کے الفاظ وہ نہیں جو جرح میں مذکور ہیں بلکہ اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

" الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ " (نسائی فی المجتبیٰ ج ۱ ص ۱۶۱)

(۲) دوسری روایت کہ جس کی سند میں خود حضرت عبداللہ بن مبارک راوی ہیں اس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

" الا اخبرکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد " (نسائی فی السنن المجتبیٰ ج ۱ ص ۱۵۸)

لیکن اس حدیث کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے۔

(۳) تیسری روایت طحاوی میں ہے۔

"ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ"

اس کے الفاظ جرح سے ملتے ہیں اور حضرت ابن مبارک کی جرح بھی اسی حدیث کے بارے ہے۔

(۴) چوتھی روایت دارقطنی ،بیہقی وغیرہ میں ہے۔

"عن ابن عبد اللّٰہ قال صلیت مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر رضی اللّٰہ عنھما فلم یرفعوا اید یھم الا عندالتکبیرۃالاولیٰ فی الا فتتاح الصلاۃ"

(دارقطنی ج ا ص۲۹۵ وبیھقی فی السنن الکبریٰ ج۲ ص۷۹)

(۵) مسندامام اعظم کی روایت اس طرح ہے۔

"ان عبد اللّٰہ بن مسعود کا ن یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یعود الی شیء من ذالک ویاثر ذالک عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" (جامع المسانید ج ا ص۳۵۵)

ان روایات کے ملاحظہ کرنے کے بعد آپ نے معلوم کرلیا ہوگا کہ جرح کے الفاظ تیسری حدیث طحاوی والی کے الفاظ حدیث سے ملتے جلتے ہیں۔ان باقی روایات سے اس جرح کا کوئی تعلق نہیں ۔اس تفصیل کے بعد بھی اگرکوئی آدمی اس حدیث پرابن مبارک کی جرح چسپاں کرنے کی کوشش کرے تو اس کا نرا تعصب اور کم عقلی ہے۔

حضرت ابن المبارک کی جرح کی اصل وجہ ملاحظہ ہو

حضرت ابن المبارک ترک رفع الیدین کی جس روایت کے راوی ہیں اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کا نقشہ لوگوں کو

پڑھ کر دکھایا ہے۔لیکن طحاوی والی روایت میں نقشہ کا کوئی ذکر ہے نہ لوگوں کے ساتھ تکلم کا ذکر ہے۔ بلکہ اس میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ کے سوا رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ چونکہ حضرت ابن المبارک نے یہ روایت اس طرح نہ سنی تھی اس لئے انہوں نے اعتراض کردیا کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔مگر یہ ابن المبارک کا خیال ہے کیونکہ جو صحابی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا عملاً نقشہ بیان کرتا ہے۔جس میں رفع الیدین نہیں ،اگر کسی جگہ وہ قولاً یہ فرمادے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین نہ کرتے تھےتو اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے۔اور ان دونوں باتوں میں کیا تعارض ہے؟

جواب : (۲) اگر بالفرض یہ جرح اسی حدیث کے بارے ہو جس کے ابن المبارک خود راوی ہیں تو (معاذ اللہ تعالی) پھر تو حضرت ابن المبارک اس وعید کے تحت داخل ہونگے۔

"من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار۔ او کما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" (حوالہ پیچھے گذر چکا)

حالانکہ نہ جرح اس حدیث پر ہے اور نہ ابن المبارک اس وعید کے مستحق ہیں۔

جواب :(۳) حضرت ابن المبارک خود فرماتے ہیں کہ سند حدیث دین کا حصہ ہے اگر سند نہ ہوتی تو جس کا جو خیال ہوتا وہی کہہ دیتا۔ (مقدمہ مسلم ص ۱۲، سنن ترمذی ص ۲۲۳ ج ۲)

حضرت ابن المبارک کا یہ خیال درست نہیں کہ طحاوی والی روایت ثابت نہیں حالانکہ سند اس کی بھی اس حدیث کی طرح صحیح ہے جب سند صحیح ہے تو یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔

جواب (۴): علامہ ابن دقیق العید (المتوفی ۷۰۳ھ جن کو علامہ ذہبی ان القاب سے یاد کرتے ہیں۔الامام الفقیہ المجتہد المحدث الحافظ العلامۃ شیخ الاسلام تقی الدین ابوالفتح محمد

بن علی بن وہب (الی) المالکی الشافعی تذکرۃ الحفاظ ص ۲۶۲ ج ۴) اس جرح کا جواب یوں دیتے ہیں۔

"و عدم ثبوت الخبر عند ابن المبارک لا یمنع من النظر فیه و هوید ورعلی عاصم بن کلیب وقد وثقه ،ابن معین " (بحوالہ نصب الرایہ ص ۳۹۵ ج ۱)

یعنی حضرت ابن المبارک کے ہاں حدیث کا ثابت نہ ہونا اس حدیث پر عمل کرنے سے روک نہیں سکتا کیونکہ اس حدیث کا دارومدار عاصم بن کلیب پر ہے اور امام ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔الحاصل ابن المبارک جس حدیث کے راوی ہیں جرح اس پر نہیں بلکہ دوسری پر ہے۔اللہ تعالیٰ غیر مقلدین حضرات کو صحیح سمجھ نصیب فرمادے (آمین)

امام احمد بن حنبل اور ان کے شیخ یحییٰ بن آدم کی جرح کا جواب : امام احمد اور یحییٰ بن آدم سے اس حدیث پر کوئی جرح نہیں اور جو حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں نقل کیا وہ ان کی غلطی ہے۔آپ کو چاہیے کہ ان دونوں محدثین کی جرح باسند نقل کریں اور جو الفاظ آپ نے نقل کیے وہ الفاظ دکھائیں۔

امام ابو حاتم کی جرح کا جواب :

آپ نے امام ابو حاتم کے مکمل الفاظ نقل نہیں کیے وگرنہ آپ خود ہی سمجھ جاتے کہ یہ جرح کس حدیث پر وارد ہے یہاں بھی معاملہ حضرت عبد اللہ بن مبارک کی جرح والا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یا تو آپ نے کسی غیر مقلد کی کتاب سے نقل ماری ہے اور اصل کتاب نہیں دیکھی۔اور اگر اصل کتاب دیکھی ہے تو پھر آپ نے عبارت نقل کرنے میں بخل یا بددیانتی کی ہے۔جو کسی مومن کا شیوہ نہیں۔آپ کو چاہیے کہ امام ابو حاتم کے مکمل الفاظ نقل کریں۔یہ

جرح آپ کو فائدہ نہیں دیتی۔

امام دار قطنی کی جرح کا جواب :

یہاں بھی آپ نے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ امام دار قطنی کی عبارت و جرح کتاب العلل سے لکھیں تاکہ اصل الفاظ دیکھ کر اس کا جواب دیا جاسکے۔

امام ابن حبان کی جرح کا جواب :

(۱) حضرت ابن مسعود سے یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے۔ پتہ نہیں کہ ابن حبان کی جرح کس سند پر ہیں۔

(۲) یہ جرح مبہم اور غیر مفسر ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) علامہ احمد محمد شاکر غیر مقلد شرح ترمذی میں اور علامہ شعیب ارناؤوط اور علامہ زہیر الشاویش غیر مقلد تعلیقات شرح السنۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ''وما قالوه فی تعليله ليس بعلة ''۔ (ذیل شرح السنۃ ج ۳ ص ۲۴) یعنی بعض نے جو علتیں نکالی ہیں۔ وہ کچھ نہیں کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ ابن حبان نے ان علتوں کو مفصل بیان نہیں کیا

امام ابوداؤد کی جرح کا جواب:

(۱) آپ نے امام ابوداؤد کی جرح بھی ان کی کسی اپنی کتاب سے نقل نہیں کی۔ آپ نے اس جرح کو مشکوۃ سے نقل کیا۔ یہ شاید کتابت کی غلطی ہے۔ یا پھر صاحب مشکوۃ کا تسامح ہے کیونکہ یہ الفاظ امام ابوداؤد نے حضرت براء بن عازب کی حدیث ''ترک رفع الیدین'' کے بارے میں کہے ہیں۔ جن کا جواب اسی حدیث کے تحت آئے گا۔ اور جو عبارت آپ نے امام ابوداؤد کی نقل کی ہے یہ عبارت ابوداؤد کے کسی متداول نسخہ میں نہیں۔ لہٰذا یہ جرح بھی باطل اور مردود ہے۔

(۲) یہ حدیث کسی لمبی حدیث کا حصہ نہیں بلکہ اتنی ہی ہے جو کئی کتب حدیث میں موجود ہے اور کسی معتبر محدث نے اس حدیث کو کسی لمبی حدیث کا حصہ قرار نہیں دیا۔

(۳) اگر بالفرض امام ابوداؤد سے یہ جرح ثابت بھی ہو جائے تب بھی غیر مفسر ہو کر ناقابل اعتبار ٹھہرے گی۔

امام البزار کی جرح کا جواب :

امام بزار نے یہ جرح کس تصنیف میں کی ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ آپ نے اپنے ہی ہم مسلک غیر مقلد مولوی کی کتاب سے اس کو نقل کر دیا۔ اور اصل کتاب کا حوالہ نہیں دیا تا کہ اس کی طرف مراجعت کر کے اصل الفاظ دیکھے جا سکتے۔

آپ نے جرح نمبر ۱۰ میں دوبارہ امام احمد اور ان کے شیخ یحیٰی بن آدم کی جرح تحفۃ الاحوذی سے نقل کر کے اپنی قبر کی طرح خواہ مخواہ صفحات کو سیاہ کیا۔

اب آپ کا یہ کہنا کہ۔

امام ترمذی کا اس روایت کو حسن کہنا مذکورہ آئمہ حدیث کے مقابلہ میں معتبر نہیں ان آئمہ حدیث کا اس روایت کو متفقہ طور پر ضعیف کہنا امام ترمذی کے حسن کہنے پر مقدم ہے اور امام ترمذی تحسین کا حکم لگانے میں متساہل ہیں۔ (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۴)

جناب عالی۔ اس حدیث پر جو جرح آپ نے نقل کی اس کی حقیقت تو آپ پر آشکار ہو گئی۔ اور امام ترمذی کی تحسین ان کے تساہل کا نتیجہ نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہے۔ کیونکہ اس کی تحسین کرنے میں امام ترمذی اکیلے نہیں بلکہ ان کے ساتھ کئی محدثین بھی ہیں حتیٰ کہ بعض غیر مقلدین نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ اور علامہ ابن دقیق العید کے حوالے سے گزر چکا۔

امام ابن قطان فاسی بھی اس کی تحسین و تصحیح فرماتے ہیں۔ بحوالہ نصب الرایہ ج ۱

ص ۱۳۹۶مام ابن عدی نے کامل میں اسے صحیح قرار دیا۔

علامہ ابن حزم غیر مقلد نے لکھا۔ "ان هذاا لخبر صحيح "(ج ۳ ص ۴)

کہ یہ حدیث بلا شک وشبہ صحیح ہے۔

علامہ محمد خلیل ہراس غیر مقلد نے حاشیہ محلی ابن حزم ج ۲ میں لکھا ہے۔

" وهو حديث صحيح حسنة الترمذى "

علامہ احمد شاکر غیر مقلد نے حاشیہ محلی ابن حزم میں لکھا ہے۔

" هو حديث صحيح "

اور شرح ترمذی میں لکھا۔

"وهذا الحديث صححه ابن حزم فى المحلى وغيره من الحفاظ

وهو حديث صحيح وما قالوه فى تعليه ليس بعلة "

اس حدیث کو حافظ ابن حزم نے محلی میں اور دوسرے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور واقعی یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس حدیث میں علتیں بیان کیں ہیں۔ مگر اس حدیث میں کوئی علت نہیں۔

مولوی عطاء اللہ غیر مقلد نے لکھا ہے۔

"وقد صححه بعض اهل الحديث "

کہ بعض محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی صفحہ میں اس نے اپنا فیصلہ یوں لکھا۔ "قوله ثم لم يعدقد تكلم ناس فى ثبوت هذا الحديث و القوى انه ثابت من رواية عبد الله بن مسعود (الىٰ) ان الحديث ثابت "

ثم لم یعد کے جملہ کے متعلق بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں کی ہیں حالانکہ قوی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت ثابت ہے (الیٰ) یہ حدیث بلاشبہ ثابت ہے۔

تو جناب ابوالولید صاحب ۔ یہ سارے محدثین اور آپ کے غیر مقلدین کیا متساہل ہیں اور ان کو آپ کی نقل کردہ جرح نظر نہ آئی ؟

امام سفیان ثوری پر جرح اور اس کا جواب :

آپ نے لکھا۔

اس روایت کا مدار سفیان ثوری پر ہے ۔سفیان ثقہ عابد، حافظ ہونے کے باوجود مدلس ہیں۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۴)

اقول: جواب (۱) :امام سفیان ثوری زبردست ثقہ ہیں اور اس کا اقرار آپ کو بھی ہے اور جہاں تک اس کی تدلیس کا معاملہ ہے تو شاید آپ ہماری بات نہ مانیں لہٰذا ہم آپکو آپ ہی کے مسلک کے ایک معتبر آدمی کی نسبت سے ہی اس کا جواب دیتے ہیں ۔شاید آپ کی قسمت میں ہدایت ہو۔اور شاید قبول حق کا جذبہ کہیں چھپا ہوا ہو۔ ویسے تو غیر مقلدین حضرات میں یہ جذبہ ناپید ہے۔

مشہور غیر مقلد مولوی محمد یحییٰ گوندلوی لکھتا ہے۔

بلاشبہ بعض محدثین نے امام ثوری کو مدلس کہا ہے مگر یہ مدلس کے اس طبقہ میں ہیں ۔ یہاں تدلیس مضر اور روایت کی صحت کے مانع نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

”سفیا ن الثوری الامام المشهو ر الفقيه العابد الحافظ الكبير وصفه النسائی وغيره با لتدلیس وقال البخاری ما اقل تدليسه “ (طبقات المدلسین ص۱۴)

امام ثوری مشہور امام فقیہ عابد اور بہت بڑے حافظ تھے ۔امام نسائی وغیرہ نے ان کو

مدلس کہا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ ان کی تدلیس بہت ہی کم ہے۔

حافظ ابن حجر نے مدلسین کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور امام ثوری کو دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور دوسرے طبقہ کی خود ہی وضاحت کردی ہے۔

فرماتے ہیں۔ "الثانية من احتمل الائمة تدليسه واخر جواله في الصحيح لا ما مته وقلة تدليسه في جنب ما روى كا لثوري او كان لا يدلس الاعن ثقه كا بن عينيه" (طبقات المدلسین ص ۱۳)

مدلسین کا دوسرا طبقہ جن کی تدلیس کو ائمہ نے قبول کیا ہے ان کی امامت اور قلت تدلیس کی وجہ سے صحیح میں احادیث لی ہیں جیسا کہ ثوری تھے۔ پھر اس طبقہ میں ایسے راوی ہیں جو صرف ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ جیسا کہ امام ابن عینیہ ہیں۔

حافظ ابن حجر کی اس اصولی تحریر سے واضح ہو گیا ہے کہ اگرچہ امام ثوری مدلس تھے مگر ان کی تدلیس مضر نہیں جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہو اور حدیث کو تدلیس کی وجہ سے رد کر دیا جائے۔ (خیر البراھین فی الجہر بالتامین ص ۲۵،۲۶) از یحیٰ گوندلوی۔

جواب: (۲) آپ کا یہ اعتراض ہی جہالت پر مبنی ہے۔ حیرانگی ہوتی ہے کہ جو لوگ اپنے آپکو محقق اور تقلید کو شرک اور ائمہ مجتہدین کو حدیث سے ناواقف و جاہل کہتے ہیں۔ ان کا اپنا علم ایسا ہے کہ ایک حدیث کے تمام طرق تک نہیں جانتے۔

اس حدیث میں سفیان ثوری عاصم بن کلیب سے متفرد نہیں بلکہ اس کے متابع ابو بکر نہشلی ہیں

امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

وسئل عن حديث علقمة عن عبد الله قال الا اريكم صلوٰة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فرفع يديه في اول تكبيرة ثم لم يعد فقال يرويه عاصم

بن كليب عن عبد الرحمن ابن الاسود عن علقمة عن عبد اللّٰه .... واسناده صحيح۔ (کتاب العلل ج ۵۔ص۲۔۱۷ادارطیبہ ریاض)

جواب: (۳) اس حدیث عبداللہ بن مسعود کی کئی ایسی اسناد بھی ہیں۔ کہ جن میں نہ تو سفیان ثوری ہے اور نہ ہی عاصم بن کلیب'' ملاحظہ ہو جامع المسانید ج ۱ ص ۳۵۵ وسنن دار قطنی ج ۱ص ۲۹۵۔۲۹۴ وغیرہ

آپ نے لکھا۔

''اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ رفع الیدین عند الرکوع والرفع منہ احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اگر اس مذکورہ ابن مسعود والی (ضعیف) حدیث کو نفی کی دلیل بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس پر اثبات مقدم ہے۔'' (بلفظہ، آپ کا رقعہ ص ۵)

اقول: جناب ابوالولید صاحب۔ آپ اس اصول پر قائم رہئے گا لیکن مجھے یقین واثق ہے کہ تمام غیر مقلدین کی طرح آپ بھی بے اصولی پر اتر آئیں گے۔ اور اپنے ہی قائم کردہ اصول بکھیر دیں گے۔ اگر اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ تو آپ سجدوں میں رفع الیدین کیا کریں۔

سجدوں میں رفع الیدین کا ثبوت

حدیث (۱): عن مالك بن الحويرث انه راى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رفع يديه فى صلوته واذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع واذا سجد واذا رفع راسه عن السجود حتىٰ يحاذى بهما فروع اذنيه'' (سنن نسائی شریف ص ۱۶۵ ج ۱)

یعنی مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں رفع یدین کیا جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب سجدہ سے سر مبارک اٹھایا حتیٰ کہ ہاتھوں مبارک کانوں کے اوپر والے حصہ کے برابر ہو گئے۔

حدیث (۲) :۔ عن ابی ھریرۃ قال رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرفع یدیه فی الصلوٰۃ حذو منکبیه حین یفتتح الصلوٰۃ وحین یرکع وحین یسجد۔ (سنن ابن ماجہ ص ۶۲ ج ۱ طبع کراچی)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے اور جب سجدہ کرتے تو کندھوں تک ہاتھوں کو اٹھاتے۔

حدیث :(۳) "عن عمیر بن حبیب قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرفع یدیه مع کل تکبیرۃ فی الصلوٰۃ المکتوبة" (ابن ماجہ ص ۶۲ ج ۱)

حضرت عمیر بن حبیب فرماتے ہیں کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

حدیث (۴): عن ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یرفع یدیه عند کل تکبیرۃ (ابن ماجہ شریف ص ۶۲ ج ۱)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

حدیث (۵) :۔ عن وائل الحضرمی : انه صلی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان یکبر اذاخفض واذارفع ،ویرفع یدیه عند التکبیر......۔(سنن الدارمی ص۲۲۹ج۱)

حضرت وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے ، بیٹھتے اور اٹھتے وقت اور رفع یدین کرتے ہر تکبیر کے ساتھ۔

حدیث(۶): عن انس قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرفع یدیه اذادخل فی الصلوٰۃ واذا رکع واذارفع راسه من الرکوع واذاسجد.....۔ (سنن دارقطنی ص۲۹۰ج۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور جب سجدہ فرماتے تو آپ رفع یدین کرتے تھے۔

حدیث(۷): عن ابی وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فکان اذا کبر رفع یدیه قال ثم التحف ثم اخذ شمالاً بیمینه وادخل یدیه فی ثوبة قال فاذا اراد ان یرکع اخرج یدیه ثم رفعهما واذا اراد ان یرفع راسه من الرکوع رفع یدیه ثم سجد ووضع وجهه بین کفیه واذا رفع رأسه من السجود ایضاً رفع یدیه حتیٰ فرغ من صلاته قال محمد فذکرت ذلک للحسن بن ابی الحسن فقال هی صلوۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ (سنن ابوداؤد ص۱۰۵ طبع کراچی)

یعنی حضرت وائل بن حجر نے سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو رفع یدین کیا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو چادر کے نیچے داخل کر لیا انہوں نے کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کا ارادہ کیا ہاتھوں کو چادر سے نکالا اور پھر رفع یدین کیا اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھانے کا ارادہ کیا تو رفع یدین کیا اور اپنے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا اور جب سجدوں سے سر اٹھایا تو اسی طرح رفع یدین کیا حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ محمد نے کہا کہ میں نے یہ حدیث حسن بن الحسن سے بیان کی تو آپ نے فرمایا یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے۔

شبہ: ۔ابو داؤد نے کہا یہ حدیث ہمام نے ابن جحازہ سے روایت کی ہے اور اس میں سجدوں میں رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔ (ابو داؤد ص ۱۰۵ ج ۱)

جواب: اگر ہمام نے رفع یدین فی السجود کا ذکر نہیں کیا تو پھر کیا ہوا۔ عبدالوارث بن سعید بن سعید نے تو ذکر کیا ہے جو کہ اعلیٰ درجے کا ثقہ راوی ہے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ص ۴۴۲ تا ۴۴۳ ج ۶)

حدیث (۸) :۔ عن وائل بن حجر قال صلیت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما كبر رفع يديه مع تكبير اذا ركع و اذا رفع او قال سجد ۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۶ ج ۲ طبع مکہ مکرمہ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو ہر تکبیر کے ساتھ یعنی جب رکوع فرماتے اور جب رکوع سے اٹھتے اور جب سجدہ کرتے تو رفع یدین کرتے۔

حدیث (۹):۔ عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ فی الرکوع والسجود (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۵۹ ج ۱ و کنز العمال ص۹۶، ۹۷ ج ۸ عن ابن النجار)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔

حدیث (۱۰): عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ انہ کان یرفع یدیہ اذا رفع راسہ من السجدۃ الاولیٰ۔ (مصنف ابی شیبہ ص۱۸۴ ج ۱)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب پہلے سجدے سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے اور پھر بقول غیر مقلدین حضرت ابن عمر اس شخص کو کنکریاں مارتے تھے اور اٹھتے بیٹھتے وقت رکوع وسجود میں رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ (دار قطنی ص۲۸۹ ج ۱)

حدیث (۱۱): عن الملاء انہ سمع سالم بن عبد اللّٰہ ان اباہ کان اذا رفع راسہ من السجود و اذا اراد ان یقوم رفع یدیہ۔ (جز رفع الیدین، امام بخاری ص۲۳ مترجم)

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب سجدوں سے سر اٹھاتے اور جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

حدیث (۱۲):۔ عن انس انہ کان یرفع یدیہ بین السجدتین (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۸۴ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کیا کرتے تھے۔

جواب :۔(۲) جناب عالی ! آپ نے یہ اصول کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔لکھ کر یہ تسلیم کرلیا کہ آپ کے نزدیک جس طرح رفع یدین کا اثبات ثابت ہے اسی طرح نفی کا بھی ثابت ہے اور یہی ہم کہتے ہیں۔کہ رفع یدین کی نفی ثابت ہے۔

جواب (۳) :یہ درست ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔لیکن کب؟

اثبات نفی پر اس وقت مقدم ہوتا ہے۔جبکہ نفی کرنے والے کا علم اس چیز کو محیط نہ ہو۔جسکی نفی کی جارہی ہو اگر راوی کا علم اس چیز کو محیط ہو جیسا کہ اس جگہ ہے تو اثبات اور نفی دونوں کا حکم برابر ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ''السابقون الاولون'' میں سے ہیں اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہمیشہ رہے اور شاذ ونادر ہی آپ سے جدا ہوئے ہونگے ،حتیٰ کہ لوگ گمان کرتے تھے کہ وہ اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں اور وہ پانچوں نمازیں حضور کی اقتداء میں ادا کرتے تھے تو کیا ان کا علم اس نفی کو محیط نہیں۔

آپ نے لکھا۔

درایۃ حاشیہ ھدایۃ جلد اول میں ہے۔

وقال ابن القطان ھو عندی صحیح الاقوله ثم لا یعود فقدقالوا ان وکیعا یقول من قبل نفسه .. (آپ کا رقعہ ص۵)

اقول: ۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ثم لا یعود،امام وکیع کی طرف سے زیادت ہے اور امام وکیع زبردست ثقہ ہے۔لہذا آپ کے نزدیک یہ زیادت ثقہ ٹھہری اور زیادت ثقہ بالاتفاق قبول ہے۔

امام بخاری صحیح بخاری ص۲۰۱ج۱ میں لکھتے ہیں۔''**وزیادة مقبولة ازاروا ہ**

اهــل الثبــت " ابن حزم غیر مقلد نے لکھا۔"اخــذ الــزیــادة واجب " نیز لکھا۔ اخــذ الــزیــادات فرض لا یجوز ترکه (المحلی) امام نووی فرماتے ہیں۔" زیــادة ثقه وجب قبولها ولا ترد لنسیان او تقصیر " (شرح صحیح مسلم)

زیادہ ثقہ کے مقبول ہونے کے حوالے

(نصب الرایہ ص۳۹ ج۱ ،ص۲۸۴ ج۱، ص۳۳۶ ج۱ والجوہر النقی ص۱۵۵ ج۲، مستدرک حاکم ص۳ ج۱ ،قسطلانی شرح بخاری ص۸ ج۱، تلخیص الحبیر ص۱۲۶ نزل الابرار ص۱۲۷، دلیل الطالب ص۲۷۰)

آپ کا کہنا کہ

ان دلائل کی رو سے یہ حدیث معتبر نہیں۔ (بلفظہ، آپ کا رقعہ ص۶)

اقول : آپ نے اپنے دلائل کا حشر ملاحظہ فرمالیا۔ لہذا آپ کے دلائل معتبر نہیں جبکہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک زبردست قسم کی معتبر ہے۔

آپ نے لکھا کہ ۔

(۱) امام ترمذی کے حسن کہنے کے مقابلہ میں آئمہ حدیث کی ایک جماعت اسے ضعیف حدیث قرار دیا ہے۔ (بلفظہ آپکا رقعہ ص۶)

اقول: جن علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا انہوں نے معتبر دلیل پیش نہیں کی ۔ لہذا ان کی جرح قابل قبول نہیں ہوگی، نیز اس حدیث کو صرف امام ترمذی نے ہی حسن نہیں کہا بلکہ بہت سارے دیگر محدثین نے بھی اس کی تصحیح وتحسین فرمائی ہے۔ جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔

آپ نے لکھا کہ

(۲) اس حدیث کا مدار سفیان ثوری پر ہے۔ (بلفظہ، آپ کا رقعہ ص۶)

اقول : سچ کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ ثم لا یعود وکیع کی زیادت ہے اس کو آپ کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث کا دارومدار سفیان ثوری پر ہے اور پھر یہ بھی جہالت یا عدم تتبع کا نتیجہ ہے۔ اس حدیث کی ایسی اسناد بھی ہیں جن میں سفیان ثوری نہیں جیسا کہ پیچھے گذر چکا۔

آپ کے ص۶ کے نمبر۳، ۴ کے جوابات اوپر ہو چکے۔

آپ نے لکھا۔

جناب محترم مولانا صاحب۔ اب ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ یہ حدیث علل قادحہ کے ساتھ معلول ہے۔ اور سنداً ومتناً دونوں طرح ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۶)

آپ لوگ دراصل اہلحدیثی کے لبادے میں انکار حدیث کی تحریک چلا رہے ہیں۔ اور جو حدیث بھی آپ کے مسلک کے خلاف ہو اس کو رد کرنے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ جس کا واضح ثبوت احادیث صحیحہ ترک رفع الیدین ہیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ کچھ غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

آپ (احناف) وتروں میں تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع سے پہلے رفع الیدین کرتے ہیں کیا آپ کا وتروں والا (قبل الرکوع) رفع یدین مرۃ واحدۃ اور ثم لا یعود کے خلاف تو نہیں۔

(بلفظہ آپ کا رقعہ ص۶)

اقول : جواب :۔ (۱) اس کو کہتے ہیں کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ جناب غیر

مقلد صاحب کام تو خود حدیث شریف کے خلاف کریں اور الزام دوسروں کو۔

آپ حضرات جو وتروں میں بعد از رکوع عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔ کیا اس کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح ،صریح ،مرفوع حدیث آپ کے پاس ہے؟ جاؤ ہم ساری دنیا کے غیر مقلدین کو چیلنج کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مذکورہ صفات کی ایک حدیث لے آؤ اور منہ مانگا انعام وصول کرو۔

و دعوا شهداء كم من دون اللّٰه ان كنتم صادقين .

اگر پاکستان کے تمام غیر مقلدین اس کا جواب نہ لا سکیں تو نجد سے اپنے مددگار بلا لیں۔

فا ن لم تفعلوا ولن تفعلوا فا تقوا النار التى وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين ۔

جواب : ہرگز نہیں کیونکہ اصول ہے کہ راوی الحدیث ادری مارویٰ۔ اور اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کو رفع الیدین عند الرکوع و بعد الرکوع پر ہی محمول کرتے ہیں اور وتروں میں دعائے قنوت کیلئے خود رفع الیدین کرتے ہیں۔ اگر وتروں والا رفع الیدین مرۃ واحدۃ اور ثم لا یعود کے خلاف ہوتا تو آپ اس کے کبھی بھی قائل نہ ہوتے۔

جواب :۔ (۳) چونکہ وتروں میں اور تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کے منافی کوئی پختہ اور صحیح روایت نہیں ہے۔ اس لئے احناف اس کے قائل ہیں۔ جبکہ قبل الرکوع و بعد الرکوع اور سجدوں میں رفع الیدین کی نفی میں بہت ساری روایات ثابت ہیں۔

حدیث براء بن عاذب پر اعتراضات کے جوابات

جناب مولوی صاحب! اس حدیث پر اعتراضات کرتے ہوئے تو آپ نے علم

ودانش کا جنازہ ہی نکال دیا۔کیا ایسے ہی اہلحدیث ہوتے ہیں۔

سچ کہتے ہیں۔ ''پڑھانہ لکھانام محمد فاضل''

اس حدیث شریف کے جوابات دیتے ہوئے آپ نے لکھا ہے۔

جواب :۔(۱) اس حدیث کا مدار یزید بن ابی زیاد القرشی ،الہاشمی ،الکوفی پر ہے قریباً تیس آئمہ اسماء الرجال نے اس کی تضعیف مختلف الفاظ میں بیان کی ہیں۔ (بلفظہ آپکارقعہ ص ۷)

اقول : جواب :اس حدیث میں یزید بن ابی زیاد اگر متفرد ہوتا تو بھی یہ حدیث قابل قبول تھی ۔کیونکہ یزید بن ابی زیاد ثقہ راوی ہے اور اس سے امام بخاری نے تعلیقاً اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے لیکن یہاں تو معاملہ ایسا نہیں ہے۔بلکہ یزید بن ابی زیاد کے متابع موجود ہیں جیسا کہ عیسیٰ بن عبدالرحمٰن اور حکم ،ملاحظہ فرمائیں۔ابوداؤد (جلد اول) طحاوی (جلد اول) مصنف ابن ابی شیبہ (جلد اول) اور بیہقی (جلد دوم) مسند الرویانی ص ۲۴۰ ج ۱، ومسند ابی یعلیٰ وغیرہ۔

لہٰذا یہ اعتراض بھی جہالت اور عدم تتبع کا نتیجہ ہے۔

جواب:۔ یزید بن ابی زیاد نے ثم لا یعود کے الفاظ اختلاط کے بعد بیان نہیں کئے بلکہ اس سے یہ الفاظ نقل کرنے والے قدیم السماع محدثین بھی ہیں۔جیسا کہ امام شعبہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ،سفیان ثوری ،شریک وغیرہ۔

قلت :۔اس میں ابن ابی لیلیٰ راوی ضعیف ہے۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۸)

اقول :جناب مولوی صاحب یہ دو علیحدہ علیحدہ سندیں ہیں۔ایک میں ابن ابی لیلیٰ راوی

ہے جبکہ دوسری میں یزید بن ابی زیاد۔

یزید بن ابی زیاد والی سند پر آپ کے اعتراضات کا جواب مختصراً اوپر ہو چکا۔ اب اگر دوسری سند ثابت نہ بھی ہوتی تو کوئی بات نہ تھی لیکن یہ سند بھی الحمدللہ کم از کم حسن درجہ کی ہے

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

"قلت حدیثه فی وزن الحسن"

علامہ احمد محمد شاکر غیر مقلد نے شرح ترمذی میں لکھا۔

ومثل هذالا یقل حدیثه عن درجة الحسن المحتج به واذاتابعه غیره کان الحدیث صحیحاً.

قلت : یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ یہ حدیث حکم کی مقسم سے مروی ہے۔ محدثین کے نزدیک مرسل حدیث قابل حجت نہیں۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۹)

اقول : حدیث مرسل اکثر محدثین کے نزدیک قابل قبول اور حجت ہے بلکہ حدیث مرسل کو ناقابل حجت سمجھنا دوسری صدی ہجری کی بدعت ہے جیسا کہ امام ابوداؤد نے رسالہ الی اہل مکہ میں اور ابن عبدالبر نے مقدمہ التمہید اور امام علائی نے مقدمہ جامع التحصیل فی احکام المراسیل میں وضاحت سے بیان کیا۔ امام نووی شرح مسلم کے مقدمہ ص ۱۷ میں لکھتے ہیں۔

"ومذهب مالک وابی حنیفة واحمد واکثر الفقهاء انه یحتج به ومذهب الشافعی انه اذاانضم المرسل ما یعضده احتج به."

امام مالک امام ابوحنیفہ امام احمد اور اکثر فقہا مرسل حدیث کے ساتھ احتجاج کرتے ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر مرسل حدیث کی کسی اور حدیث سے تائید ہو جائے تو پھر وہ قابل احتجاج ہے۔

اور علامہ ذیلعی فرماتے ہیں۔

"والمرسل اذاوجدله مايوافقه فهو حجة باتفاق " (نصب الرایہ ص۳۵۳ج۱)

مرسل حدیث کے موافق کوئی روایت پائی جائے تو پھر وہ بالاتفاق حجت ہے۔

قلت :"شعبہ نے وضاحت کی ہے کہ حکم نے مقسم سے صرف چار احادیث لی ہیں۔"

(بلفظہ آپ کا رقعہ ص۹)

اقول :اگر ایسا ہی ہے پھر بھی یہ مرسل ہو کر قابل حجت ٹھہرے گی۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ اور پھر یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر سے بھی مروی ہے جس کی یہ سند ہی نہیں لہذا آپ کا اعتراض جہالت پر مبنی ہے۔

قلت : "ان مذکورہ سات جگہوں کے علاوہ خود احناف اور جگہوں پر رفع الیدین کرنے کے قائل و فاعل ہیں۔ مثلاً وتروں میں تکبیر تحریمہ کے بعد اور عیدین کے تکبیرات میں

(بلفظہ آپ کا رقعہ ص۹)

اقول :اس کا جواب پہلے ہو چکا کہ وتروں میں قنوت کے وقت اور تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کی ممانعت پر کوئی صحیح اور معتبر روایت نہیں ہے جبکہ عندالرکوع و بعدالرکوع کے رفع الیدین کی مخالفت میں بہت سی صحیح روایات موجود ہیں۔

ابن ابی لیلیٰ پر اعتراض کا جواب ہو چکا۔

حدیث ابن عمر پر اعتراضات کا جواب

قلت: "یہ اثر ضعیف اور شاذ ہے اس کی سند میں ابوبکر بن عیاش ہے۔" (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۱۰)

اقول :یہ اثر بالکل صحیح ہے اور ابو بکر بن عیاش ثقہ راوی ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ترجمہ :۔حسن بن عیسیٰ نے کہا کہ ابن مبارک نے ابو بکر بن عیاش کا ذکر کیا اور اس کی تعریف بیان کی ۔صالح بن احمد اپنے باپ سے نقل فرماتے ہیں ۔کہ انہوں نے فرمایا کہ صالح قرآن وحدیث کے علم والا ہے۔عبد اللہ بن احمد نے کہا ہے کہ ثقہ اور کبھی غلطی کر جاتا ہے۔ابن ابی حاتم نے کہا کہ ان سے شریک اور ابو بکر بن عیاش کے بارے سوال کیا گیا کہ کس کا حافظہ زیادہ ہے تو انہوں نے فرمایا دونوں برابر ہیں مگر ابو بکر بن عیاش اصح الکتاب ہے (یعنی قرآن کی تفسیر کا زیادہ علم رکھنے والا ہے) ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے ابن عدی فرماتے ہیں۔کہ یہ مشہور کوفی ہیں ۔اور یہ بڑے بڑے لوگوں سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی جب کہ ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو۔(اور یہاں بھی ثقہ ابن ابی شیبہ ہے) یہ تیس سال مسلسل ہر دن قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک دن میں ختم کرتے تھے ۔اور حفاظ متقین میں سے تھے اور ستر سال ہر روز روزہ رکھتے تھے۔رات کو ان کی نیند کا کوئی علم نہیں (یعنی رات سوتے نہیں تھے بلکہ عبادت کرتے تھے) اور محدث عجلی فرماتے ہیں ثقہ ہیں دائی صاحب سنت اور صاحب عبادت ہیں۔یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں۔مشہور قدیم شیخ (بزرگ صاحبِ علم) ہیں اور متقی ہیں اور ان کو فقہ اور لوگوں کا بہت علم تھا اور ان کی روایت حدیث کے لئے سنت اور فضیلت کیلئے پہچانی جاتی ہے۔ابن مبارک فرماتے ہیں، میں نے ابو بکر ابن عیاش سے زیادہ کسی کو سنت کی طرف رغبت کرنے والا نہیں دیکھا اور اکمال فی اسماء الرجال میں ہے ابو بکر بن عیاش روی عن ابی اسحاق وغیرہ احمد بن معین وقال احمد صدوق ثقۃ الخ اکمال ص ۵۸۸ ،ابو بکر ابن عیاش اسحاق اور ابن معین سے روایت کرتے ہیں۔احمد نے فرمایا ہے آپ قرآن وحدیث دونوں کے عالم ہیں۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں میں نے ابوبکر بن عیاش سے بڑھ کر اتباع سنت کی طرف جلدی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ یعقوب بن ابی شیبہ ذکر کرتے ہیں ابوبکر کمال نیکو کاری کے ساتھ مشہور ہیں۔ فقہ اور حدیث دونوں کے عالم ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں۔ ثقہ ہیں یزید بن ہارون کہتے ہیں انتہائی نیکوکار اور فاضل شخص ہیں

(تذکرۃ الحفاظ ص۳۱۲-۳۱۳)

(۲) ابوبکر بن عیاش کے بارے میں ہم ابھی ابھی بحث کر چکے ہیں اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ ثقہ راوی ہیں اور یہ صحیحین کا راوی ہے اس سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں کم وبیش بیس احادیث روایت کی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(صحیح بخاری صفحات ۱۸۶،۲۳۲،۲۶۰،۲۶۳ ج۱ وغیرہ)

خود تو امام بخاری اس راوی سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے پر الزام دیتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ہر مصنف کو جاننا چاہئے۔ کہ صاحب صحیح نے کسی راوی سے روایت کی ہے تو اپنے نزدیک اس کی عدالت سے مطمئن ہو کر ہی کی ہے اور وہ خود اس راوی کے اچھے برے حال سے پورے واقف تھے۔ ان سے غفلت کیسے ہوتی؟ خصوصاً جبکہ جمہور آئمہ حدیث نے ان کی جلالت قدر کی وجہ سے ان کی کتاب کو صحیح کا لقب دیا ہے۔ اور یہ دوسرے محدثین کو حاصل نہیں۔ پس گویا جمہور کا اس پر اتفاق سمجھنا چاہیے۔ کہ جن رواۃ کو صحیح نے ذکر کیا وہ سب عادل ہی تھے۔ لہٰذا اب کوئی طعن وجرح رواۃ صحیحین پر اس وقت تک قابل اعتنا نہ ہوگی۔ جب تک کہ وجوہ قدح صاف طور پر شرح کر کے نہ بیان کیا جائے پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ واقع میں بھی وہ قدح وجرح بننے کی صلاحیت رکھتی ہے یا کہ نہیں اور حضرت شیخ ابوالحسن مقدسی تو ہر

راوی صحیح کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو پل سے گزر چکا ہے یعنی اس کے بارے میں کوئی جرح قابل قبول نہیں۔

شیخ ابوالفتح قشیری فرماتے تھے کہ یہی ہمارا بھی عقیدہ ہے اور اسی پر عمل بھی ہے۔ شیخین کی کتابوں کو جب صحیح مان لیا گیا تو گویا ان کے رواۃ کی عدالت بھی مسلم ہوگئی۔ ان میں کلام کرنا صحیح نہیں (ھدی الساری مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری) بحوالہ کشف الرین فی مسئلہ رفع الیدین از محمد عباس رضوی ص۹۱)

قلت : ثقہ تھے مگر آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا۔ (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص۱۰)

اقول : ایسے راوی کے بارے میں اصول یہ ہے کہ اس سے بعد از اختلاط روایت نا قابل قبول اور قبل از اختلاط روایت قبول ہوتی ہے اور یہ روایت تغیر سے پہلے کی ہے کیونکہ ابوبکر بن عیاش سے روایت کرنے والا عند الطحاوی احمد بن یونس ہے اور وہ اس کے قدیم ساتھیوں میں سے ہے۔

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں احمد بن یونس عن ابی بکر بن عیاش کی سند سے روایت لی ہے۔ لہٰذا آخر عمر میں اس کے حافظہ کا خراب ہونا کوئی نقصان نہیں دیتا۔

(۲) اور پھر ابن عمر کے اس اثر میں ابوبکر بن عیاش کے متابع بھی ہیں۔ مثلاً مؤطا امام محمد میں ہے۔

" قال محمد اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن عبد العزیز بن حکیم قال رایت ابن عمر یرفع یدیه حذاء اذانیه فی اول تکبیر الافتتاح ولم یرفعهما سوی ذالک "

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ اثر بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے تصحیح کرنے والے کئی محدثین ہیں۔

﴿﴾ علامہ ماردینی الجوہر النقی ص ۲۳۶ ج ۱، میں فرماتے ہیں۔ وھذا سند "صحیح"۔

﴿﴾ علامہ عینی شرح بخاری ص ۸ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔ باسناد صحیح اور شرح ھدایہ ص ۶۶۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔ واسناد ما رواہ الطحاوی صحیح۔

﴿﴾ علامہ نیموی فرماتے ہیں۔ وسندہ صحیح (آثار سنن ص ۱۰۸ ج ۱)

﴿﴾ علامہ وصی احمد محدث سورتی نقل فرماتے ہیں۔۔فھذا سند صحیح' (التعلیق المجلی ص ۳۴۶)

قلت: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی نہ ہی محدثین نقاد نے تصحیح کی ہے اور نہ ہی اس کی سند موجود ہے۔ (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱۱)

اقول: یہ روایت صرف تائیداً پیش کی گئی ہے لہٰذا اگر اس کی سند کسی کو معلوم نہیں ہو سکی تو کوئی حرج نہیں۔

قلت : اور علامہ ھیثمی مجمع الزوائد جلد اول میں بحوالہ مسند احمد عبدالرزاق کا قول بیان کرتے ہیں۔ " قال عبد الرزاق اخذت عن ابن جریج واخذہ ابن جریج عن عطاء واخذہ عطاء عن الزبیر واخذہ ابن الزبیر عن ابن ابی بکر واخذہ ابو بکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم '' (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱۲)

اقول : جناب مولوی صاحب اصول حدیث کی کتب پڑھیں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ نے یہ جو عبارت لکھی یہ حدیث ہے یا عبدالرزاق کا قول ایک طرف تو آپ احادیث رسول پر حملے کر کے ان کو گرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں صرف ایک محدث کا قول پیش کر رہے ہیں۔ یہ یقیناً ترک تقلید کی ہی قباحتیں ہیں اور اگر آپ اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے اس کو حدیث قرار دیں تو ہم عرض کریں گے کہ اس میں ابن

جریج راوی ہے جو کہ سخت قسم کا مدلس ہے۔اور آپ اپنے جوابی رقعہ میں یہ اصول خود لکھ چکے ہیں کہ مدلس اگر عن سے روایت کرے تو وہ روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔

قلت : امام علی بن مدینی کہتے ہیں عاصم بن کلیب متفرد ہے۔(بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱۲)

اقول : یہ راوی ثقہ ہے لہٰذا اس کا متفرد ہونا نقصان دہ نہیں۔

عاصم بن کلیب بن شہاب مجنون الجزمی صدوق ہے اور اس کو ثقہ کہا امام ابن معین نے اور امام نسائی نے اور روایت کی ہے اس سے امام مسلم نے صحیح میں اور اصحاب سنن الاربعہ (ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،ابوداؤد) نے اس سے معلق روایت بیان کی امام بخاری نے صحیح بخاری میں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا۔

امام اثرم فرماتے ہیں "لا باس بحدیثہ" امام نسائی اور امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں۔ثقہ امام ابوحاتم فرماتے۔"صالح"،امام ابوداؤد فرماتے ہیں کوفہ والوں سے افضل ہیں۔

امام احمد بن صالح المعری فرماتے ہیں ثقہ مامون،امام ابن حبان فرماتے ہیں یہ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں ان سے احتجاج کیا جائے۔ (تہذیب التہذیب ص۵۶ ج۵) بحوالہ کشف الرین فی مسئلہ رفع الیدین از محمد عباس رضوی ص۵۳،۵۴)

ابن المدینی کی جرح حافظ ابن حجر کے نزدیک مسلم نہیں ہے اس لئے حافظ صاحب نے تقریب میں جس میں کہ اعدل الاقوال نقل کرنے کا التزام کیا ہے توثیق مطلق نقل فرمائی۔اور ابن مدینی کے قول کی طرف التفات نہ فرمایا بلکہ طبقہ رابعہ میں بلفظ صدوق رکھا کیونکہ حافظ

صاحب نے رجال کو بلحاظ سہولت بارہ طبقہ پر بلحاظ توثیق وجرح تقسیم فرمایا ہے۔اور عاصم بن کلیب کو طبقہ رابعہ میں قرار دیا ہے اور ان کی توثیق بھی مطلق بلا کسی قید کے نقل فرمائی اور ابن مدینی کے قول کی طرف تفرد کی وجہ سے التفات نہیں فرمایا اور مرجوع سمجھا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ اور اس کی روایت قابل احتجاج ہے اور اس پر اور اسکی حدیث پر اعتراض جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

قلت: اس میں دوسرا راوی ابوبکر نہشلی ہے۔جسکے متعلق امام بخاری جز رفع الیدین میں لکھتے ہیں۔" قال عبد الرحمن بن مهدی ذکرت للثوری حدیث النهشلی عن عاصم بن کلیب فانکره "(جز رفع الیدین للبخاری ص ۲۳) (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۱۲)

اقول: انصاف طلب امر ہے کہ امام مسلم نے ابوبکر نہشلی سے اپنی صحیح میں استدلال کیا ہے۔اور صحت مسلم متفق علیہ ہے تو جن رواۃ سے مسلم نے استدلال کیا ان کی صحت بھی متفق علیہ ہوگی۔اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ وثقہ ابن معین والعجلی کہ ابن معین اور عجلی نے توثیق کی ہے اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بعد نقل کلمات جرح وتعدیل اپنا قول یہ لکھا ہے۔

کہ " هو حسن الحدیث صدوق. "

علامہ ماردینی فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سند کیسے کمزور ہو سکتی ہے جب کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اس کو روایت کیا ہے نہشلی سے ثقہ لوگوں کی جماعت نے مثلاً ابن مہدی واحمد بن یونس وغیرہ اور اس کی تخریج کی ابن ابی شیبہ نے وکیع سے۔عن النہشلی اور نہشلی سے روایت لی ہے امام مسلم وترمذی ونسائی وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے احمد بن حنبل اور ابن معین نے اور ابو حاتم نے کہا کہ یہ صالح اور شیخ ہیں اور ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا کہ اس سے حدیث لکھی جائے گی۔

امام ذہبی نے اپنی کتاب میں فرمایا نیک آدمی ہے اس میں ابن حبان نے بلاوجہ کلام کیا ہے۔
(بحوالہ کشف الرین فی مسئلہ رفع الیدین از محمد عباس رضوی ص ۸۰)
لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح ہے۔

قلت :اور پھر اس کے خلاف حضرت علی اللہ رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے اس صورت میں اس ضعیف روایت سے احتجاج پکڑنا درست نہیں۔(بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۱۲)

اقول : ۔آپ لوگوں کے اصول اور ضابطے بھی خود ساختہ ہیں۔جس روایت کو چاہیں صحیح قرار دے لیں اور جس کو چاہیں ضعیف۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ نے صحیح حدیث کو تو ضعیف قرار دے دیا اور اب ضعیف کو صحیح کہہ رہے ہیں۔
آپ نے جس حدیث کو صحیح کہا اس میں ایک راوی عبد الرحمٰن بن ابی الزناد واقع ہے جو کہ ضعیف ہے۔

امام نسائی فرماتے ہیں۔
”عبد الرحمٰن بن ابی الزناد،ضعیف“۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۲۹۶)
علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ”صدوق تغیر حفظہ“ (تقریب ص ۲۰۲)
حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں۔
امام عبد الرحمٰن بن مہدی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔میں کہتا ہوں ۱۷۴ھ کو بغداد میں فوت ہوئے لیکن ھشام بن عروہ سے روایت کرنے میں حجت ہونے کے باوجود قوی نہیں تھے۔
ابن مدینی کہتے ہیں کہ ان کی عراق میں بیان کردہ حدیث مسترد ہے۔صالح جزرہ کہتے

ہیں ۔انہوں نے اپنے والد صاحب سے بہت سی احادیث ایسی روایت کی ہیں جو دوسرے روایت نہیں کرتے ۔ان پر امام مالک نے اپنے والد سے ''کتاب السبعہ الفقہاء'' روایت کرنے پر تنقید کی ہے ۔اور فرمایا ہے کہ ہم کہاں تھے کہ ہمیں اس کا پتہ نہ چلا ۔(تذکرۃ الحفاظ ص ۲۰۲ ج ۱)

اس راوی کے ضعف پر اگر مزید حوالے دیکھنا ہوں تو تہذیب التہذیب ص ۱۷۲،۱۷۳ ج ۶، میزان الاعتدال ص ۱۱۱ ج ۲ پر ملاحظہ کریں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہماری پیش کردہ روایت مقبول اور تمہاری پیش کردہ روایت منکر ہے اور اس سے احتجاج پکڑنا درست نہیں۔

قلت: اس کی سند میں حمانی مجہول راوی ہے۔(میزان الاعتدال، جلد اول)

[بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۱۳]

اقول: جہالت کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''لوگ جاہلوں کو اپنا مقتداء بنالیں گے وہ خود گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (او کما قال)

اسناد کے طرق تو جانتے نہیں اور چلے ہیں حدیث پر بحث کرنے ۔ جناب نام کے اہلحدیث صاحب اس کی سند جو ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے۔وہ اسطرح ہے۔

ثنا ابن آدم عن ابن عیاش عن عبد المالک بن الجبر عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم عن الا سود قال صلیت مع عمر (الخ)

اب بتائیں یہاں کون سا حمانی ہے جو کہ مجہول ہے۔

سچ ہے۔ ''بہرے کو ہر شخص بہرہ ہی لگتا ہے۔''

قلت :امام ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوری اس روایت پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت
ذ ہےاس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوتی ۔ (نصب الرایہ جلد اول) (بلفظہ آپکا رقعہ
ص ۱۳)

اقول: یہ اثر نہایت صحیح ہے۔اس کے کل رواۃ یا تو صحیح بخاری و مسلم دونوں کے ہیں یا
دونوں میں سے کسی ایک کے۔ چنانچہ امام طحاوی نے معانی الآثار میں فرمایا ہے کہ
ھو حدیث صحیح ''یعنی حدیث صحیح ہے۔اور حافظ ابن حجر نے درایہ میں فرمایا ہے کہ
وھذا رجاله ثقات ''یعنی اس کے کل راوی ثقہ ہیں اور امام طحاوی نے فرمایا کہ اگر چہ اس
حدیث کا مدار حسن بن عیاش پر ہے۔لیکن وہ حجت ہیں اور ان کی توثیق یحیٰی بن معین سے
منقول ہے اور تہذیب میں نسائی سے بھی توثیق منقول ہے اور ابن حبان نے ان کو کتاب
ثقات میں ذکر کیا ہے اور یہ رجال مسلم سے ہیں۔

حافظ صاحب نے تعریف میں صدوق من الثانیہ فرمایا ہے۔

علامہ شوق نیموی نے لکھا ہے کہ اس اثر کی نسبت بعض علماء نے ذیلعی سے حاکم کا یہ
قول نقل کیا ہے۔ کہ حاکم نے اس اثر کو شاذ کہا ہے اور حاکم کے نزدیک بسند صحیح امیر المومنین
عمر کا رفع الیدین کرنا ثابت ہے لیکن بات یہ ہے کہ زیلعی غلط چھپی ہے۔اس لئے کاتب کی
غلطی سے ابن عمر کی جگہ لفظ عمر لکھا گیا چنانچہ درایہ ص ۸۵ میں اور فتح القدیر ص ۱۲۸ پر ابن عمر
اس کا بین شاھد ہے غرضیکہ حاکم نے امیر المؤمنین عمر کی روایت کا معارضہ ابن عمر کی روایت
سے کر کے عمر کی روایت کو شاذ کہا ہے۔لیکن عبداللہ بن عمر کی روایت میں ثبوت رفع الیدین
سے امیر المؤمنین عمر کی روایت ترک رفع الیدین کی شاذ کیسے ہوسکتی ہے۔شاذ وہ کہلاتی ہے
جو ثقات کی روایت کے مخالف ہو اور امیر المومنین عمر سے رفع کی روایت صحت ہی کو نہیں

پہنچتی۔ پھر شذوذ کے کیا معنی۔ اس لئے حاکم کا یہ قول غلط اور یہ اثر یقیناً صحیح بلکہ اصح ہے۔ جس کا منکرین کے پاس کوئی جواب نہیں۔

قلت: اور صحیح احادیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ (از امام حاکم ۔۔۔۔۔۔ بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱۳)

اقول : جناب ملاں صاحب وہ صحیح حدیث کہاں ہے اور اس کی سند کونسی ہے کوئی نجدی قیامت تک سیدنا فاروق اعظم سے رفع الیدین عند الرکوع وبعد الرکوع وقیام من الرکعتین بسند صحیح متصل غیر معارض پیش نہیں کرسکتا۔

قلت: امام ابوزرعہ رازی نے حسن بن عیاش کے مقابلے میں سفیان الثوری کی اس روایت کو اصح قرار دیا ہے۔ جس میں ثم لایعود کا لفظ نہیں ہے۔ (علل الحدیث لابن ابی حاتم جلد اول ۔۔۔ بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱۳)

اقول: سچ کہتے ہیں۔ ''دروغ گوارا حافظہ نباشد''

ابھی حدیث عبداللہ بن مسعود کے ضمن میں تو آپ سفیان ثوری کو وہمی اور مدلس ثابت کر رہے تھے۔ اور اب ان کی حدیث کو اصح قرار دے رہے ہیں۔

آپ نے حدیث نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۳ کے جوابات سے پہلو تہی کی ہے۔ اور آپ نے جن کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں آپ نے اپنے جوابات کا حشر دیکھ لیا۔

اور جہاں تک حدیث مقطوع کا تعلق ہے تو یہ تائیداً پیش کی گئی ہے۔ اور تائید کے طور پر قول تابعی پیش کرنا کوئی خلاف اصول بات نہیں ہے۔

قلت: ابراہیم نخعی کا یہ قول بوجوہ مردود و باطل ہے۔

(۱) امام زیلعی حنفی۔ ابوبکر بن عیاش سے نقل کرتے ہیں (الخ) (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱۴

اقول: یہ عبارت نقل کرنے میں آپ نے بہت بڑا فریب اور دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔آپ کی عبارت سے قاری یہی سمجھے گا کہ امام زیلعی نے یہ عبارت ابوبکر بن عیاش سے تائید میں نقل کی ہے۔حالانکہ معاملہ ایسانہیں ۔نہ تو امام زیلعی نے یہ عبارت خود کسی سے اپنی تائید میں نقل کی اور نہ ہی اس عبارت کا قائل ابوبکر بن عیاش ہے بلکہ یہ عبارت ابن تیمیہ کے شاگرد ابن عبدالہادی نے ابوبکر بن اسحاق الفقیہ سے نقل کی ہے۔اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کی گستاخ روح ابن عبدالہادی میں آگئی ہے دراصل جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ ہوں ۔وہ ان کے صحابہ کا ادب کب کریں گے ۔حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں ایسا کلام صرف آپ جیسے لوگوں کو ہی زیب دیتا ہے۔جن مسئلوں میں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف نسیان کی نسبت کی ہے ان میں کوئی ایک مسئلہ بھی آپ کے نسیان پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔یہ علیحدہ بحث ہے۔جس پر پھر کبھی روشنی ڈالی جائے گی۔

صفحہ ۷ پر خواہ مخواہ آپ نے لفظوں پر گرفت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔اگر ہم آپ کی عبارات پر گرفت کرتے تو جہاں ایک طرف مضمون کے طویل ہونے کا خدشہ تھا وہاں ساتھ ساتھ مسئلہ ذاتیات پر اُتر آتا۔ جو کہ ہمارا مقصد نہیں ہے ۔وگرنہ آپ کی علیست کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹتا ہوا نظر آتا۔

قلت : ہمارادعوی ہے۔

''کہ نماز میں عندالافتتاح ،عندالرکوع والرفع منہ اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنا ثابت ہے''۔ (بلفظہ آپکا رقعہ ص ۱۸)

جناب عالی! یہ ادھورا دعویٰ آپ لوگوں کو ہی زیب دیتا ہے۔ آپ نے کہا۔۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔

سوال :۔ یہ ہے کہ کیا جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چیز ثابت ہو، وہ سنت موکدہ بن سکتی ہے؟

آپ ے دعویٰ میں یہ تحریر نہیں کیا کہ رفع الیدین چاروں مقامات پر (آپ کے نزدیک) فرض واجب یا سنت ہے اور اگر سنت ہے تو کونسی؟ موکدہ یا غیر موکدہ یا ان میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔

آپ اپنا دعویٰ وضاحت سے لکھیں تا کہ دعویٰ کے مطابق آپ کے دلائل جانچے جا سکیں۔ صرف ثابت ہے سے تو کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی چیزیں ثابت ہیں لیکن ہمارے لئے وہ سنت نہیں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا اور اپنی نواسی حضرت امامہ کو اٹھا کر نماز ادا کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) رفع الیدین کے ثبوت کے تو ہم بھی منکر نہیں، بلکہ ہم اس کے دوام کے منکر ہیں۔ آپ پر لازم تھا کہ آپ اس کا دوام ثابت کرتے۔ جیسا کہ آپ کے بزرگوں نے اپنی کتب میں یہ دعویٰ کیا ہے لیکن اس کا ثبوت بسند صحیح صریح و متصل آج تک پیش نہیں کر سکے۔

لیکن جو غیر مکمل، ادھورا دعوی آپ نے کیا ہے اگر اس پر بھی غور کیا جائے تو آپ اس پر بھی دلائل کما حقہ قائم نہیں کر سکے۔ آیئے آپ کے اسی دعویٰ پر دیئے ہوئے دلائل کو دیکھیں

قلت : ہمارا یہ دعویٰ احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ غیر شاذہ سے ثابت ہے۔ ہمارے دعوے کی دلیل (۱)......عن ابن عمر..(الخ) (بخاری شریف ۔ ص۱۰۲ ج۱) بلفظہٖ آپ کا ر(سالہ) ص ۱۸)

اقول : جناب سچ بتائیں کہ آپ نے جو دلیل پیش کی کیا یہ دعویٰ کے مطابق ہے۔

آپ نے تو لکھا تھا۔

کیونکہ دلائل دعویٰ کے مطابق ہوں گے۔تو ان پر غور کیا جائے گا اور گفتگو کی سمعت واضح ہو سکے گی۔پھر دیکھیں گے۔کہ آپ کے دعویٰ اور دلائل میں تقریب تام پائی جاتی ہے۔یا نہیں۔ (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱)

اب آپ کا اپنا دعویٰ اور دلیل دیکھیں کیا اس میں تقریب تام پائی جاتی ہے۔دعویٰ تو تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین عندالافتتاح،عندالرکوع والرفع منہ اور دو رکعات کے بعد تیسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت ثابت ہے اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اسی طرح جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو آپ رفع الیدین کرتے۔

دعویٰ چار مقامات کا اور دلیل تین مقامات کی۔

ع ''ایں چہ بوالعجبی ایست''

اور پھر اس میں دوام کی کوئی دلیل نہیں۔

قلت : دلیل (۲) عن نافع ان ابن عمر کان اذا داخل فی الصلوٰۃ ....(الخ) (بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۱۹)

اقول : جواب : اس روایت کے موقوف اور مرفوع ہونے میں خاصا اختلاف ہے۔

امام سالم اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں جبکہ امام نافع اس کو موقوف بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ زرقانی مالکی شرح موطا امام مالک میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: امام اصیلی نے کہا ہے کہ امام مالک نے اس روایت پر عمل اس لئے نہیں کیا کہ

حضرت نافع نے اس کو حضرت ابن عمر پر موقوف بیان کیا ہے اور یہ روایت ان چار روایتوں میں سے ایک ہے۔ جہاں سالم و نافع کا اختلاف ہے (الیٰ) اس لئے جب سالم و نافع نے اس کے مرفوع و موقوف ہونے میں اختلاف کیا تو امام مالک نے اپنے مشہور قول میں رفع الیدین کے استحباب کو ترک کر دیا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

امام اسماعیلی نے اپنے بعض مشائخ سے حکایت کی ہے کہ انہوں نے اشارہ کیا ہے۔ اس بات کی طرف کہ عبدالاعلیٰ نے اس روایت کو مرفوع بیان کرنے میں خطا کی ہے۔ اور امام اسماعیلی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن ادریس اور عبدالوہاب ثقفی و معتمر بن سلیمان سب کے سب عبدالاعلیٰ کی مخالفت کرتے ہوئے عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے حضرت ابن عمر سے اس کو موقوف بیان کرتے ہیں۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔

" الصحیح قول ابن عمر لیس بمرفوع "(سنن ابی داؤد ص ۱۰۸ ج ۱)

❁ امام بیہقی فرماتے ہیں۔

کہ عبدالاعلیٰ اس کے مرفوع بیان کرنے میں اکیلا ہے۔ (سنن الکبریٰ ص ۱۳۷ ج ۲)

جواب: (۲) اگر آپ اس حدیث سے رفع الیدین ثابت کرنے پر بضد ہیں تو آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ عبداللہ بن عمر خود ساری عمر رفع الیدین کرتے رہے؟ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر خود رفع الیدین بعد از افتتاح چھوڑ چکے تھے۔ جس کا ثبوت پیچھے صحیح سند سے گزر چکا۔ جب تک حضرت عبداللہ بن عمر کو اس کے نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔ آپ سجدہ میں بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ دیکھئے۔ مشکل الآثار للطحاوی مجمع الزوائد جلد دوم، مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول۔

قلت: دلیل(۳).. عن ابی قلابه انه رای مالک بن الحویر ث .....الخ

(بلفظہ آپ کا رقعہ ص۱۹)

اقول: جواب: اس حدیث شریف میں بھی تین مقامات پر رفع الیدین کا ذکر ہے اور آپ کا دعویٰ چار مقامات پر ہے۔

جواب: یہ حدیث شریف صحیحین میں پوری نقل نہیں ہوئی کیونکہ پوری روایت میں سجدوں کے درمیان بھی رفع الیدین کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ سنن نسائی باب رفع الیدین للسجود مسند امام احمد ص۴۳۶، ۴۳۷ جلد۳ وصحیح ابوعوانہ ص۹۵ ج۲)

﴿﴾ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

''واصح ما وقفت علیه من الحدیث فی الرفع فی السجو د ما رواه النسائی '' (فتح الباری شرح صحیح بخاری ص۱۷۷ ج۲)

تو ثابت ہوا کہ حضرت مالک بن الحویرث کی روایت میں سجدوں کے درمیان بھی رفع الیدین مروی ہے۔ غیر مقلدین حضرات سجدوں میں رفع الیدین کیوں نہیں کرتے۔ جو جواب آپ کا ہوگا۔ وہی ہمارا سمجھ لیں۔

قلت : دلیل(۴) .. عن وائل بن حجر انه رای النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم رفع یدیه حین دخل فی الصلٰوۃ ....الخ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۱۹)

اقول: آپ کی یہ دلیل بھی دعویٰ کے مطابق نہیں۔ دعویٰ میں رفع الیدین چار مقامات پر بیان کیا گیا جبکہ دلیل میں صرف تین مقامات پر ہے۔ یہاں بھی دعویٰ اور دلیل میں تقریب تام نہیں ہے۔

(۲) اس میں رفع الیدین کانوں تک کرنے کا ذکر ہے جبکہ آپ حضرات کندھوں تک

ہاتھ اٹھاتے ہیں۔جس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث یا تو آپکے نزدیک صحیح نہیں یا پھر آپ حضرات جان بوجھ کر حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

(۳) یہ حدیث غیر مقلدین پر حجت ہے کیونکہ اسکی بعض صحیح اسناد میں رفع الیدین فی السجود کا بھی ذکر ہے۔ابوداؤد میں اس روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔

" واذا رفع راسه من السجود ایضاًرفع یدیه "

اور جب سجدوں سے سر اٹھایا تو بھی رفع الیدین کیا۔

بلکہ مسند امام احمد میں یہ روایت تو اس طرح بھی آئی ہے۔

"قال رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یرفع یدیه مع التکبیر "

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

اسی طرح سنن دارمی و دار قطنی و جزرفع الیدین للبخاری اور سنن الکبریٰ للبیہقی میں بھی رفع الیدین فی السجود کا ذکر ہے۔

(۴) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنی پوری زندگی میں صرف دو مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمام عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں رہے۔لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت و عمل کو ترجیح ہونی چاہئے جیسا کہ مشہور تابعی حضرت امام ابراہیم النخعی فرماتے ہیں۔

" اعرابی لا یعرف شرائع الاسلام ولم یصل مع النبی صلی الله علیه وسلم الاصلوة واحدة وقد حدثنی من لا احصی عن عبد الله ابن مسعود انه کان یرفع یدیه فی بدء الصلوة فقط وحکاه عن النبی صلی الله علیه وسلم ملازم له فی اقامته واسفاره وقد صلی مع النبی صلی الله علیه وسلم

مالایحصٰی" (جامع المسانید ص ۲۵۸ج ۱)

آپ نے فرمایا وائل بن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک آدھ نماز ہی پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار اشخاص نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے تھے۔ آپ اسلام سے خبردار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے آپ کے سفر وحضر کے ساتھی تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی نمازیں پڑھیں کہ ان کا شمار ہی نہیں ہوسکتا۔

تو ثابت ہوا کہ تابعین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترک رفع الیدین تھا۔ جس پر احناف عمل پیرا ہیں۔

قلت :۔ یہ دلائل میں سے چند دلائل ہیں۔ جن سے ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۰)

اقول: "**لا حول و لاقوۃ الا باللّٰہ**" کہاں دعویٰ اور کہاں دلائل۔

آپ نے اپنے دعویٰ کے مطابق صرف ایک حدیث پیش کی اور اس کے بھی مرفوع اور موقوف ہونے میں زبردست اختلاف ہے۔ بقیہ تین روایتیں آپ کی دلیل بلکہ آپ کے خلاف دلیل ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں واقع ہو چکا۔

اور پھر اپنی کل پونجی کو چند دلائل کہہ کر یہ ثابت کرنے کا ناکام تاثر دینا کہ ابھی بہت سارے دلائل بقیہ محفوظ موجود ہیں حالانکہ آپ اپنے ترکش کے سارے تیر چلا چکے، لیکن اپنا دعویٰ (اور وہ بھی ادھورا) ثابت نہ کر سکے۔

قلت :''یعنی علماء کا اتفاق ہے صحیح بخاری و مسلم اصح الکتب ہیں'' (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۰)

اقول: آپ لوگوں کا بھی عجیب معاملہ ہے کبھی تو ان کتب کو اصح الکتب کہتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ (مگر کسے معلوم تھا کہ ایک ایسا دور آنے والا ہے جب مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنے والے یہ بدعتی صحیحین بخاری و مسلم، کی احادیث اور راویوں پر اندھادھند حملے کریں گے) (نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین از ابو طاہر محمد زبیر علیزئی غیر مقلد)
اور کبھی خود ہی انکے راویوں پر جرح شدید کرنے پر اتر آتے ہیں جیسا کہ آپ کے اسی رقعہ میں صحیح بخاری و مسلم کے مرکزی راوی ابوبکر بن عیاش پر جرح موجود ہے۔

قلت: آپ نے ہمارے مطالبہ دوام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔
''تو جناب محترم۔آپ نماز میں عندالافتتاح رفع الیدین کرتے ہیں تو کیا آپ کسی صحیح حدیث سے ثابت کر سکتے ہیں کہ کسی حدیث میں مذکور ہو رفع الیدین عندالافتتاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی کیا، حالانکہ آپ اس رفع الیدین کو ہمیشہ کرتے ہیں۔
(بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۰)

اقول: جناب عالی: رفع الیدین عندالافتتاح کے بارے میں امت کا اجماع ہے۔
اور پھر اس کی مخالفت میں کوئی حدیث صحیح حسن بلکہ ضعیف بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس پر دوام کا اطلاق ہوتا ہے جبکہ رفع الیدین عندالرکوع و بعد الرکوع کا مسئلہ ایسا نہیں ہے لہٰذا ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم اس کے بارے میں دوام کا مطالبہ کریں۔

قلت: (۲) رفع الیدین عندالافتتاح ،عندالرکوع والرفع منہ اور دو رکعات کے بعد تیسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت رفع الیدین تو بندہ اپنے دعویٰ کے مطابق صحیح کتب کی صحیح

احادیث سے ثابت کر دیا۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۱)

اقول: جناب عالی۔آپ نے اپنے دعویٰ اور اس پر دلائل کی حقیقت ملاحظہ فرمالی۔ اب دعویٰ کے مطابق کہنا کہاں تک صحیح ہے۔یہ آپ خود جان گئے ہوں گے۔نہ آپ کا دعویٰ مکمل اور نہ ہی دعویٰ کے مطابق صحیح دلائل۔

قلت : تو آپ محترم ایک نماز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح مرفوع متصل غیر شاذ حدیث سے ثابت کریں کہ آپ نے ایک نماز بھی بغیر رفع الیدین پڑھی ہو۔(بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۱)

اقول: یہ جو دلائل ہمارے پہلے رقعہ میں تھے اور جن پر آپ کے بے تکے اور فضول اعتراضات کے جوابات بھی آپ نے پڑھ لئے تو کیا یہ تمام دلائل ثابت نہیں کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بغیر رفع الیدین عندالرکوع وبعدالرکوع تھی۔

قلت: (۳) کہ آپ جناب محترم نے اگر سنت کی تعریف بھی پڑھی ہوتی تو آپ دوام کی شرط عائد کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۱)

اقول : جناب آپ نے سنت کی قسم بیان نہیں کی۔کیا ماواظب علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کسی سنت کیلئے آتے ہیں یا کہ نہیں؟

جب تک آپ سنت کی تعیین نہیں کرتے اس وقت تک دوام کی شرط لگتی رہے گی۔

قلت: (۴) آپ (احناف) وتروں میں تکبیر تحریمہ کے بعد اور تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرتے ہیں۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۱)

اقول: جناب عالی۔جیسا کہ ہم پیچھے عرض کر چکے ان مقامات پر رفع الیدین کی ممانعت پر چونکہ کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مقامات [illegible] رفع

الیدین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت تھی۔

قلت :(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایک نماز رفع الیدین کے بغیر پڑھی ہو۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۲۱)

اقول: اس کا جواب پیچھے ہو چکا۔

قلت: درج ذیل امور آپ کے ذمہ ہیں۔

(۱) ''رفع الیدین مواضع ثلاثہ کے بارہ اپنا دعویٰ لکھ کر بھیجیں۔'' (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۲۲)

اقول : دعویٰ لکھ کر دیا گیا ہے۔

قلت: (۲) ایرہ غیرہ سے مراد کون لوگ ہیں۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص۲۲)

تمام بدمذاہب اور وہابی نجدی ایرے غیرے نتھو خیرے ہیں۔

(۳) اور (۴) کا جواب ہو چکا۔

قلت : جناب محترم مولانا جلالی صاحب آپ کی پیش کردہ آخری دلیل اور اس کا جواب عن جابر بن سمرہ خرج علینا...... (الخ)

جس طرح قرآن حکیم اپنی تشریح کرتا ہے اسی طرح ایک حدیث مبارکہ دوسری حدیث کی تشریح کرتی ہے جس طرح کہ اس حدیث کی ہی تشریح دوسری حدیث کرتی ہے۔

(بلفظہ آپ کا رقعہ ص۲۲)

اقول: یہ سچ ہے کہ قرآن کا بعض اپنے بعض کی تشریح کرتا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ قرآن کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہ کی تفسیر بھی کرتی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض احادیث کی تشریح بعض احادیث کرتی ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض احادیث کی تشریح صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، فقہاء اور محدثین بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا قرآن

وحدیث کو سمجھنے کیلئے ان تمام امور کی طرف توجہ رکھنی لازمی ہے۔ کیا آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی صرف وہی تشریح قابل قبول ہوگی جو خود قرآن کرے؟ اور کیا صاحب قرآن اور ان کے صحابہ کی تشریح رد کر دی جائے گی۔ ایسے ہی احادیث کا معاملہ ہے۔

قلت : جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک واقعہ دو مختلف واقعات نہیں ہیں۔ اس لئے حدیث کے ساتھ نفی رفع الیدین عند الرکوع والرفع منہ پر استدلال کرنا کلیۃ مردود ہے۔

(بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۳)

اقول: جناب عالی۔ آپ نے جو دوسری حدیث نقل فرمائی، کیا اس کے الفاظ پہلی حدیث کی طرح ہیں۔ کیا پہلی حدیث میں خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھا۔ جبکہ آپکی نقل کردہ حدیث میں صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیا ان الفاظ کے ہوتے ہوئے۔ یہ دونوں احادیث ایک واقعہ کے بارے میں ہو سکتی ہیں؟

کیا پہلی حدیث میں "فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور آپ کی پیش کردہ حدیث میں ماشانکم تشیرون باید یکم ہیں۔ کیا ان الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ دونوں احادیث ایک واقعہ کے بارے میں ہو سکتی ہیں؟ کیا ہماری پیش کردہ حدیث میں "اسکنوا فی الصلوٰۃ" کے الفاظ ہیں۔ اتنے اختلافات کے باوجود اگر یہ دونوں احادیث ایک ہی واقعہ کے بارے میں ہیں تو اس راوی کی تعیین ہونی چاہئے کہ جس نے حدیث کے الفاظ میں اتنی زیادہ گڑبڑ کر دی تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ راوی حدیث میں قلب کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگر ثم لا یعود یزید بن ابی زیاد کبھی کہے اور کبھی نہ کہے تو قابل گردن زدنی ہے تو یہاں بھی تو پتہ چلے کہ وہ کونسا راوی ہے جو کبھی اسکنوا فی الصلوۃ کے الفاظ کہتا ہے۔ اور کبھی چھوڑ دیتا ہے تا کہ اس راوی کے بارے میں حدیث کا طالب علم محتاط رہے۔

جناب عالی۔اشارہ اور رفع میں کچھ تو فرق کریں۔نماز اور بعد از نماز کا کچھ تو لحاظ کریں اوران سب چیزوں کے ساتھ ساتھ کچھ خدا کا خوف کریں اوران دو واقعات کوایک واقعہ کہہ کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم نہ کریں۔یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں ان کو ایک واقعہ کہنا کلیۃً مردود ہے۔

قلت :تمام محدثین عظام کا اس حقیقت پر اجماع ہے کہ اس حدیث کا تعلق تشہد کے ساتھ ہے۔رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ کے ساتھ نہیں۔(بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۲۳)

اقول: جناب عالی۔شائد آپ اجماع کے مفہوم سے بھی واقف نہیں وگرنہ آپ اس پر اجماع کا دعویٰ نہ کرتے۔اگر آپ کے نزدیک خیر القرون میں کسی نے بھی اس حدیث سے رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ کے مسئلہ پر اس سے استدلال نہیں کیا تو امام بخاری اس سے استدلال پر ردکس کا کر رہے ہیں۔اور پھر محدثین میں کیا امام زیلعی حنفی اور ملا علی قاری امام ابن الھمام، قاسم بن قطلو بغاودیگر بے شمار علماء آپ کے نزدیک شامل نہیں ہیں۔یا یہ عہدہ بھی خدا نے آپ کے ہاتھ تھما دیا ہے کہ جس کو چاہیں محدث بنادیں اور جس کو چاہیں اس فہرست سے خارج کردیں۔

قلت؛ کہ محدثین نے اس پر سلام کے باب باندھے ہیں۔(بلفظہٖ آپ کا رقعہ ص ۲۳)

اقول: (۱) کیا حدیث سیدہ عائشہ پر تمام محدثین نے قیام اللیل یعنی تہجد کا باب نہیں باندھا لیکن آپ (غیر مقلدین) اس کو نماز تراویح پر استدلال کرتے ہیں۔

(۲) باب باندھنا محدث کا اپنا خیال ہوتا ہے۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو مقید کردینا کہاں کا انصاف ہے۔

(۳) اور اگر بات صرف باب باندھنے کی ہے تو اگر کسی محدث نے یہ باب نہ باندھا ہو تو کیا

آپ تسلیم کرلیں گے کہ یہ ممانعت رفع الیدین بعد الافتتاح کیلئے ہی ہے۔ تو ملاحظہ فرمائیں۔
یہ ہیں امام بیہقی، جن کے محدث ہونے میں آپ کو بھی اختلاف نہیں ہوگا۔ انہوں نے باب باندھا ہے۔ ''باب الخشوع فی الصلوٰۃ''

قال اللّٰہ جل شانہ قد افلح المو منون الذین ھم فی صلا تھم خاشعون ۔
(پ۱۸ سورۃ مومنون)

یعنی دونوں جہانوں میں وہ مومنین فلاح پا گئے بامراد ہوئے جو اپنی نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

اور پھر اس کے نیچے یہ حدیث لائے۔

" عن جابر بن سمرۃ دخل علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن رافعی ایدینا فی الصلوۃ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ " (السنن الکبریٰ ص۲۸۰ ج۲)

تو اب جناب عالی۔ آپ کے نزدیک بھی رفع الیدین فی الصلوٰہ سکون اور خشوع وخضوع کے منافی ہونا چاہئے کیونکہ بقول امام بیہقی قرآن کی آیت کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی اور رفع الیدین فی الصلوٰۃ کو خشوع وخضوع کے منافی قرار دے دیا۔ لہٰذا اب آپ کو رفع الیدین ترک کر کے قرآن وحدیث پر عمل کر کے ثابت کر دینا چاہئے کہ آپ قرآن وحدیث کے ماننے والے ہیں نا کہ کسی دنیادار اور نفس پرست مولوی کے۔

اس پر علامہ ابن حجر وامام بخاری ونووی کے اقوال پیش کرنا آپ لوگوں کو زیب نہیں دیتا جب تفہیم قرآن وحدیث میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قول قابل قبول نہیں تو ان حضرات کا جبکہ یہ علم وعمل وفقاہت میں امام صاحب کے عشر عشیر بھی نہیں، کیسے قابل استناد ہوگا اور پھر ہم ان کے مقلد نہیں کہ ان کے اقوال بغیر کسی دلیل کے مان لیں۔

قلت: (۴) اگراس حدیث کے الفاظ کو متنازعہ رفع الیدین پر محمول کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا ہے۔ اور نعوذ باللہ نبی ایک قبیح فعل کا مرتکب ہوا ہے (آپکے زعم کے مطابق) اور نبی ایک قبیح فعل کا مرتکب نہیں ہوتا۔ جس کے تصور سے ہم پناہ چاہتے ہیں۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۵)

اقول: سوال یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اشارہ سے منع فرمادیا تھا تو کیا صحابہ کرام نے یہ اشارہ اسی دن پہلی مرتبہ کیا تھا یا اس سے پہلے بھی کرتے تھے۔ اور اگر پہلے بھی کرتے تھے تو کیا انہوں نے یہ عمل از خود شروع کیا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے؟ اگر خود شروع کیا تھا تو کیا صحابہ کرام آپ کے ہوتے ہوئے خود بخود نماز میں کچھ افعال داخل کرلیا کرتے تھے۔ اور اگر آپ نے خود حکم فرمایا تو کیا معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ (وہابیہ) کے نزدیک ایک قبیح فعل کا حکم فرمایا تھا۔ اور پھر کیا جتنے احکام بھی منسوخ ہوئے کیا وہ قبیح تھے؟ آپ فعل منسوخ کو تو قبیح کہہ کر فرمارہے ہیں جس کے تصور سے بھی ہم پناہ چاہتے ہیں اس کو کہتے ہیں کہ ''گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز'' آپ کی کتب تو انبیاء کرام کی گستاخیوں سے بھری پڑی ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ جس کے تصور سے ہی ہم پناہ چاہتے ہیں۔ دراصل آپ نسخ کے مفہوم سے بھی جاہل ہیں۔ اسلئے آپ اعتراض کر رہے ہیں۔

اور جہاں تک اغلاط کی بات ہے تو وہ آپ کی تحریر میں کچھ کم نہیں ہیں۔ اور اگر آپ کی اغلاط کی علمی گرفت کی جاتی تو شاید آپ چکرا جاتے۔

قلت: ''بندہ نے اختصار کے ساتھ جوابات تحریر کیے بصورت دیگر یعنی اگر آپ

اپنے باطل پر قائم رہے تو انشاء اللہ خوب وضاحت کے ساتھ آپ کے گمراہ کن حربوں کا محاسبہ کرونگا"۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۵)

اقول: سچ کہتے ہیں۔ آئینہ میں اپنی ہی صورت نظر آتی ہے۔ اور شاید اسی موقع کیلئے یہ ضرب المثل بنی۔ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے "

یہ دن بھی آنا تھا کہ باطل اہل حق کو باطل ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں۔

اہل گلشن کے لئے بھی باب گلشن بند ہے

اس قدر تنگ نظر کوئی باغباں دیکھا نہیں

غیر مقلدین جیسے گمراہ اور گستاخ لوگ آج اہل سنت پر ناروا حملے کر رہے ہیں۔ میں نے تو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی تھیں۔ آپ نے ان کو "گمراہ کن حربے" قرار دیا اب بتائیں کہ باطل پر کون قائم ہے۔

قلت : اور اب بھی اسی بات کی کوشش کی ہے کہ حق کی شناسائی سے آپ ضد اور عناد کی پٹی کو آنکھوں سے دور فرمالیں اور راہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گامزن ہو جائیں۔ دنیا اور آخرت میں یہی فلاح و کامیابی اور نجات کا راستہ ہے۔ (بلفظہ آپ کا رقعہ ص ۲۶)

اقول :ابھی پتہ چلے گا کہ آنکھوں پر کس نے ضد اور عناد کی پٹی باندھی ہوئی ہے۔ اور کون راہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے۔ الحمد للہ نہ ہم نے اپنی آنکھوں پر ضد اور عناد کی پٹی باندھی ہے اور نہ ہی ہم اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگے۔ بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ موجودہ غیر مقلدین اطاعت رسول سے بغاوت کے ساتھ شان وعظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی باغی ہیں اور اس کا مشاہدہ غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ خذلھم اللہ فی الدارین کے دروس و جلسے اور کتب میں کیا جاسکتا ہے۔

قلت : یہ تقلید کے ہی کمالات کا کرشمہ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت شدہ سنت کو ترک کر دیا جاتا ہےاور غیر صحیح موضوع اور باطل روایات پر عمل کیا جا ہے۔(بلفظہ آپ کا رقعہ ص۲۶)

اقول: یہ تقلید نہیں بلکہ ترک تقلید کی نحوست ہے کہ آپ بات تو ترک تقلید کی کرتے ہیں اور دلائل مقلدین کی کتب سے اخذ کرتے ہیں۔دیکھیں کہ کس نے صحیح احادیث چھوڑ کر غیر موضوع اور باطل روایات پر عمل کیا ہے۔

ہم ساری دنیا کے غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر آپ ان دو ٹکے کے مولویوں کے مقلد نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف صحیح صریح مرفوع حدیث پر ہی عمل کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل مسائل کہ جن پر آپ کا عمل بھی ہے صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کر کے اپنے آپ کو سرخرو فرمائیں۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین ۔

(۱) نماز جنازہ کی چاروں تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین کرنا۔

(۲) نماز جنازہ میں امام بلند آواز سے دعائیں پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکارے

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کس کس شہید صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی؟

(۴) نماز وتر میں بعد از رکوع عام دعاؤں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا اور پھر فارغ ہو کر ہاتھوں کو چہرے پر پھیر کر سیدھا سجدہ میں چلے جانا (جیسا کہ آپ غیر مقلدین کا عمل ہے)

(۵) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں خود سینہ پر ہاتھ باندھے یا اس کا حکم فرمایا ہے ؟

(۶) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا سال تہجد کی اذان دینے کا حکم فرمایا ہے ؟

یہ سوالات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر کئے ہیں جن سے آپ کے مذہب بے مہذب کی حقیقت کھل جائیگی اگر ہم ایسے بیسیوں سوالات کریں تو بھی پوری غیر مقلدیت مل کر اس کا جواب نہیں دے سکتی۔

آخر میں گذارش ہے کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر آپ کی تحریر کا جواب دینے میں تاخیر ہوئی۔ ذہن میں یہی تھا کہ کسی جگہ اکٹھے بیٹھ کر اس مسئلہ پر گفتگو کر لی جائے تا کہ حق و باطل واضح ہو سکے۔ ہم نے آپ کی تحریر میں سے بہت ساری لایعنی چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور جو قابل جواب تھیں۔ ان کا جواب مختصر مگر جامع اور تسلی بخش دے دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ تحریر میں کوئی سخت لفظ نہ آئے۔ اگر کہیں آپ کی طبعیت کے خلاف کچھ الفاظ آ گئے ہوں تو نظر انداز کر دیجئے گا کیونکہ وہ ردعمل کے طور پر سرزد ہوئے ہونگے۔ نہ کسی کی دل آزاری کا ارادہ ہے اور نہ شوق۔ فقط تبلیغ حق اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ہے۔ جس کی بنا پر یہ اور اس سے پہلی تحریر وجود میں آئی۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ (غیر مقلدین) کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشف الرین فی مسئلۃ الرفع الیدین

معروف بہ

تحقیق مسئلہ رفع یدین

تالیف : حضرت شیخ محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی

مترجم: مناظر اسلام محدث عصر حاضرہ
مولانا علامہ محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی

آپ زندہ ہیں واللہ

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف

حیاۃ الانبیاء کی مثالی شرح

رشحات قلم : مناظر اسلام محدث عصر حاضرہ
مولانا علامہ محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی

تصحیح کے ساتھ نیا ایڈیشن عنقریب شائع ہو رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نور کے حاجت روا مشکل کشا دافع بلاء اور صاحب عطا ہونے پر

۶۰ آیات اور تین سو احادیث سے ثبوت

الامن والعلیٰ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۳۴۰ھ

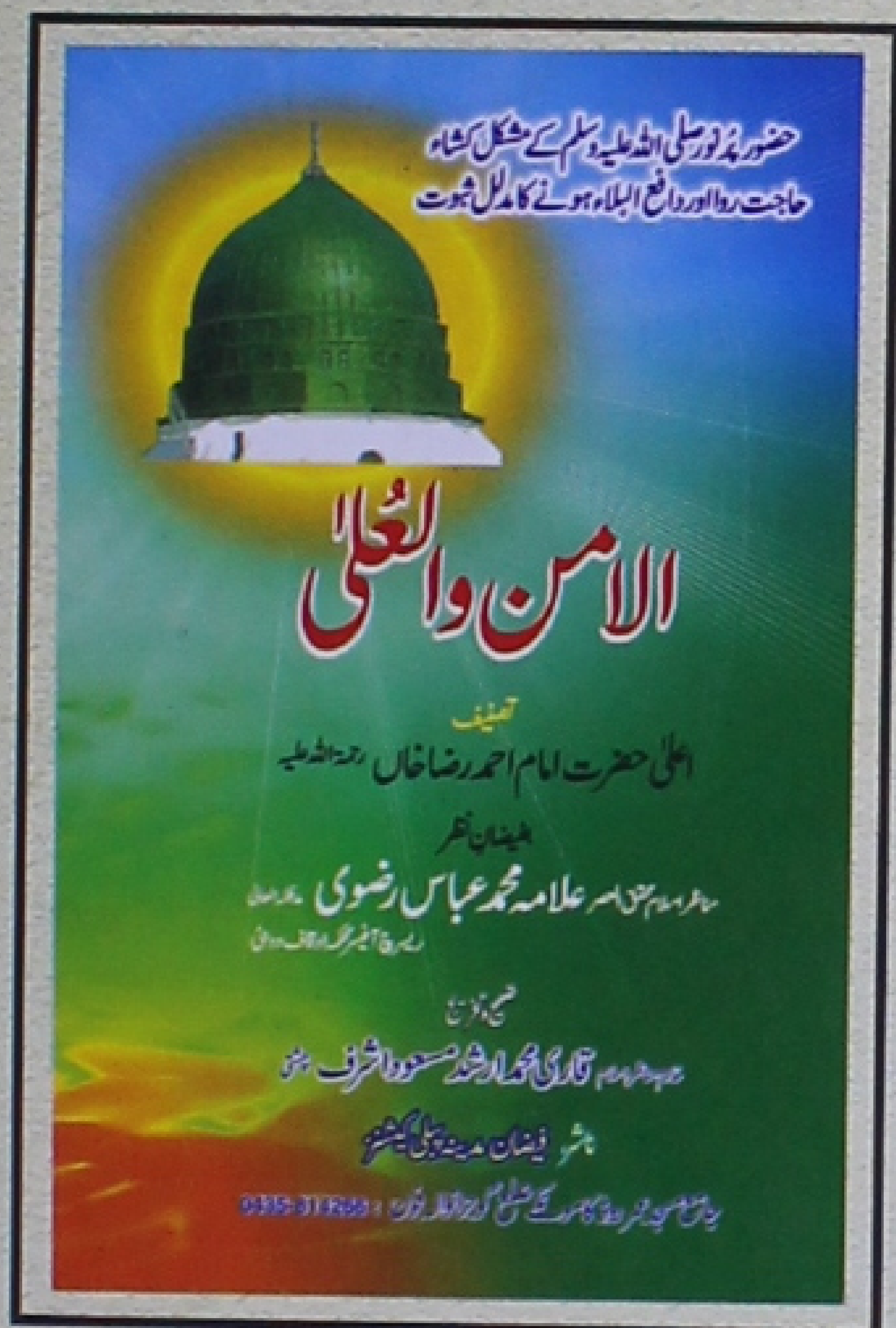
تخریج و تصحیح: خادم مناظر اسلام

قاری محمد ارشد مسعود اشرف چشتی نقیبی

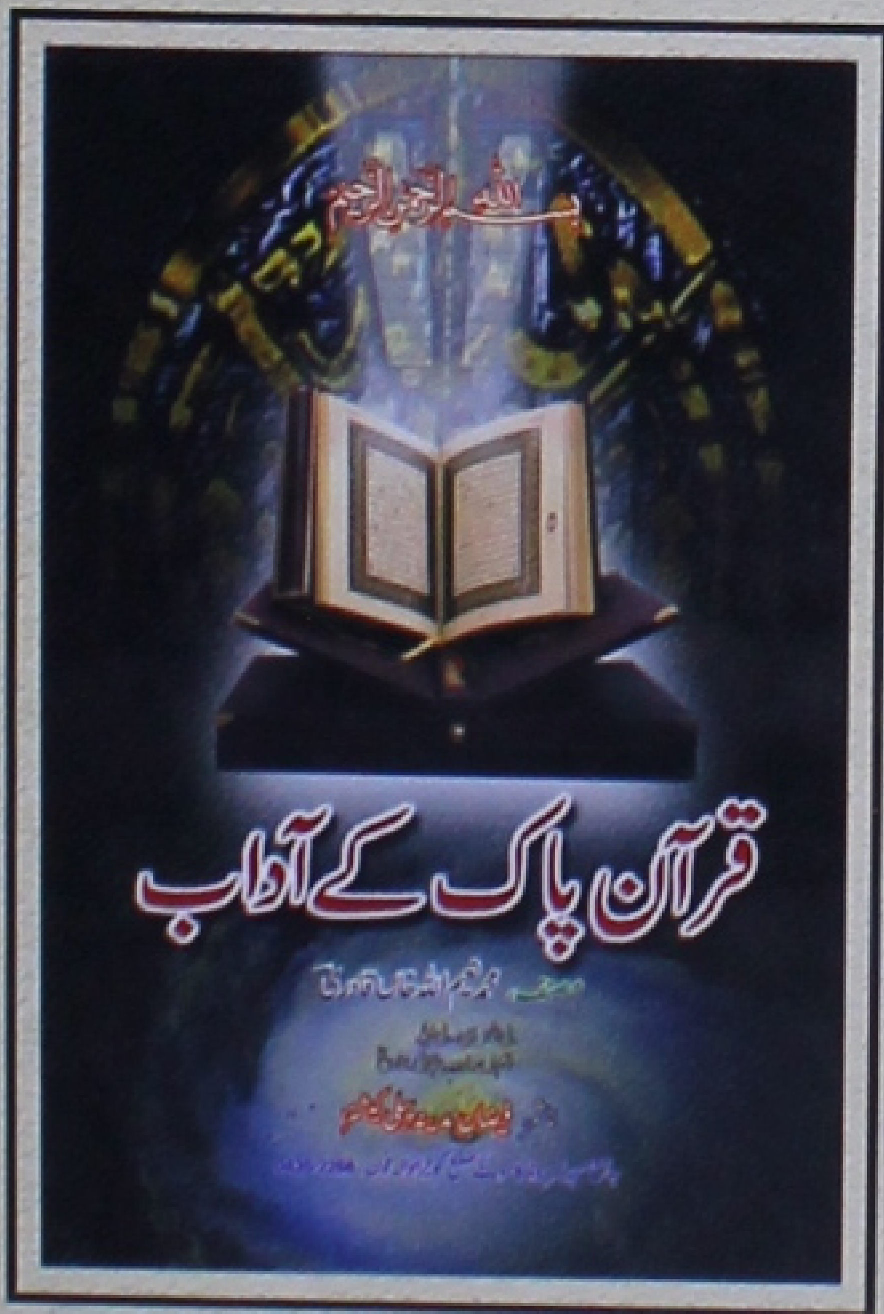
ناشر: فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد ۶ روڈ کاموکی

فیضان مدینہ پبلی کیشنز کی لاجواب کُتب









آج ہی طلب فرمائیں